پیغمبر ﷺ حکمت و بصیرت

پروفیسر محمد صدیق قریشی

Marfat.com

Marfat.com

پیغمبرؐ حکمت و بصیرت

22709 8
DATA ENTERED

پروفیسر محمد صدیق قریشی

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

Marfat.com

297.9921
56.UP
۱۲۷۰۸۱
۲

نومبر 2005ء

محمد فیصل نے

تعریف پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت: -/200 روپے

AI-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore. Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com
e.mail : alfaisalpublishers@yahoo.com

Marfat.com

والدۂ محترمہ مرحومہ و مغفورہ

کے نام

Marfat.com

Marfat.com

محتویات

پیش لفظ	۷
اسلام کا نظام عدل، احسان اور برائیوں کا انسداد	۱۳
حضور ﷺ بحیثیت داعی امن و اخوت	۴۵
لسانی و گروہی اختلاف کا خاتمہ ۔۔۔ تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں	۷۱
اسلامی فلاحی ریاست اور اس کے تقاضے	۱۰۱
اسلام کا معاشی نظام	۱۳۱
محسن نسواں	۱۵۱
عصر حاضر کے مسائل اور تعلیمات نبویؐ	۱۶۷
حضورؐ کی عائلی زندگی اور اس کی اہمیت	۱۸۹
انقلاب نبویؐ	۲۱۵
اسلام میں انسانی رشتے	۲۲۹
حضورؐ کی عسکری فراست	۲۶۱
بین الاقوامی تعلقات کا اسلامی نظریہ	۲۹۱
کتابیات	۳۱۳

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

ظہور اسلام کے وقت ہر سُو جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، نہ اس سے قلب و روح محفوظ تھے اور نہ ہی فکر و ذہن۔ ملکوتی اور روحانی جمود نے انسانی ذہن کو معطل کر کے رکھ دیا تھا۔ انسانیت مغلوب، مقہور اور ذلیل ہو رہی تھی، استحصال کا دور دورہ تھا۔ اخلاق ناپید تھا اور روحانیت دم توڑ چکی تھی۔ علم کی جگہ جہالت اور صدق کی جگہ کذب بیانی نے لے لی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سیرت طیبہ نے امن عالم کے لیے مفروضے اور بے بنیاد ضابطے، چارٹر اور رسمی تدابیر انسانوں کو نہیں دیں بلکہ حقیقت پر مبنی راہ عمل دکھائی کہ قلوب پژمردہ حیات نو سے متمتع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادیہ نشینوں کو ایسے گر بتلائے کہ ان کی کایا پلٹ گئی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا اعجاز ہی تھا جس کی بدولت اہل عرب کا انداز معاشرت تبدیل ہو گیا، انداز سیاست میں تبدیلی آئی اور انداز معیشت میں تبدیلی وقوع پذیر ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید الٰہی، احترام آدمیت اور دین و دنیا کے معاملات میں ایسے نادر نمونے پیش کیے کہ فکر و تصور کے دھارے ہی تبدیل ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی نامساعد و شکیب ربا حالات میں باہم برسر پیکار عربوں میں اخوت و محبت پیدا کر دی۔ وہ دوسروں کے لیے رحمت بن گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی دعویٰ کیا اسے سچا کر دکھایا۔ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حکمت و بصیرت کے گوہر آبدار بانٹنے کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شباب ہی میں ہو گیا تھا۔ عرب میں بدامنی اور انتشار کا دور دورہ تھا۔ قافلے لوٹ لیے جاتے تھے۔ غریبوں، کمزوروں اور زیردستوں پر ظلم انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ مکہ مکرمہ کی فضا زیادہ دگرگوں تھی۔ جنگ فجار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے سرداران مکہ کو ابن عامر کے مسئلے کی بگڑتی ہوئی صورت حال سے سب کو آگاہ کیا اور ان کو عبداللہ بن جدعان کے گھر پر جمع کیا۔

Marfat.com

مباحث کے نتیجہ میں علاقے میں قیام امن کے لیے حلف الفضول نامی ایک انجمن قائم کی۔ یہ ایک قسم کا اجتماعی معاہدہ تھا جس کے تحت برائی کے انسداد کی ذمہ داری ہر فرد پر عائد کی گئی۔ تنظیم میں بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنو اسعد، بنو زہرہ، اور بنو تمیم شامل تھے۔ اس کے اراکین درج ذیل حلف اٹھایا کرتے تھے:

۱۔ ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے۔

۲۔ ہم مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

۴۔ ہم زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔

ایک نوجوان کی حیثیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس تنظیم میں شریک ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس برس تھی۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اِس عمر تک پہنچتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی سوسائٹی میں اپنے اخلاق جمیلہ کی وجہ سے بہت نامور ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے کہ ''اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھے سُرخ رنگ کے اُونٹ بھی دیئے جائیں تو میں نہ بدلتا۔ آج بھی ایسے معاہدے کے لیے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔'' [۱]

رفعتوں کے اِس سفیر کے خلق عظیم بننے کی ایک اور مثال ہمیں اُس وقت نظر آتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پینتیس برس کے ہوئے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران میں حجراسود کی تنصیب پر نزاع پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ اِسے نصب کرنے میں اپنا حق مقدم خیال کرتا تھا۔ بات بڑھتی گئی اور تلواریں چلنے تک نوبت آ گئی۔ بالآخر ابوامیہ بن مغیرہ نام کے ایک معمر شخص نے رائے دی کہ کسی کو حکم مقرر کیا جائے۔ طے پایا کہ جو فرد علی الصبح پہلے پہل حرم میں داخل ہو وہ اس مناقشے کو جس طرح چاہے، حل کر دے۔ حسن اتفاق سے اگلی صبح سب سے پہلے کعبہ کی چار دیواری میں تشریف لانے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر سب پکار اٹھے ھذا الامین ھذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (یہ تو الامین ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ گیا۔ ہم اِس کے فیصلہ پر راضی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معاملہ فہمی اور زیرکی سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہوئے اور ایک سخت لڑائی رُک گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

اکیلے ہی حجر اسود کو نصب کرنے کی بجائے اپنی چادر زمین پر بچھائی، اس پر حجر اسود رکھا اور تمام قبائل کے نمائندوں[۲] کو چادر کے کونے پکڑنے کو کہا۔ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کو اٹھا کر اپنی جگہ پر نصب کر دیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا فیصلہ تھا جو سب کے لیے قابل قبول تھا۔ اس طرح آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت سے اہل مکہ کو درپیش ایک ہولناک لڑائی کا خطرہ ٹل گیا۔ اگر یہ لڑائی چھڑ جاتی تو نا معلوم کتنی نسلیں، کتنی صدیاں انتقام در انتقام کی آگ میں جلتی رہتیں۔ یہ تھا اُس اجتماعی عدل کا مظاہرہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کے فطری عدل کا آئینہ دار ہوا۔

اسلام دین فطرت ہے اور صلح و امن اور آشتی و سلامتی کا نقیب ہے۔ یہ جور وظلم، جبر واستبداد اور تشدد و بربریت کا مخالف ہے۔ یہ ان امور کی شدت کے ساتھ مذمت کرتا ہے۔ حکمت وبصیرت کا اصل سرچشمہ حیات نبوت اور منہاج مقام رسالت ہے جسے قرآن حکیم نے ''الحکمۃ'' سے تعبیر کیا ہے:[۳]

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا.[ط]

''اور جس کو حکمت ملی، اُسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔''

اس طرح قرآن حکیم نے حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر کیا ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حسنہ ہے۔ حکمت انسان کو حسین زندگی بسر کرنے کا ہنر سکھاتی ہے۔ یہاں یہ ذکر برمحل معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی قانون صفت میں دیانتداری واخلاقیات اور فطری انصاف سے متعلق دیگر اقدار اسلام کے اُصول قانون سے اخذ کی گئی ہیں، حالانکہ انگلستان میں 1780ء تک 350 مختلف جرائم میں سزائے موت تھی۔ 1814ء میں تین لڑکوں اور تین لڑکیوں (جن کی عمریں 11، 9، 8 سال تھیں) کو جوتوں کا جوڑا چرانے کی پاداش میں سزائے موت دی گئی۔ اس کے برعکس اسلام نے اپنے ہاں تمام غیر انسانی سزاؤں کو چودہ صدیاں قبل ہی یکسر موقوف کر دیا تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:[۴]

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ.

Marfat.com

''وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اُس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فضائل کے لیے عمدہ تشبیہات اور رذائل کو قبیح مناظر اور قابل نفرت صورتوں میں پیش فرماتے تا کہ سننے والا بالطبع فضائل کی طرف مائل اور رذائل سے انحراف کرنے لگے۔ مثال کے طور پر نیکی کو اس طرح بیان فرمایا[۵] کَمَثَلِ حَبَّۃٍ۔ یہ نیکی ایک دانہ ہے۔ زمین سے ہر دانہ ایک بالی ہو کر اُگتا ہے اور ہر بال میں سینکڑوں دانے ہوتے ہیں۔ اس طرح نیکی کا ہر ایک دانہ سینکڑوں انعامات ربّانی کا موجب بنتا ہے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچھے کاموں کے اچھے اور برے کاموں کے بُرے نتیجہ کو نہایت فصاحت کے ساتھ بیان فرماتے تا کہ اچھے اخلاق کو اختیار اور بُرے کام کو ترک کرنے کا جذبہ اُبھرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد میں حکمت وبصیرت پنہاں ہے۔ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس کے پڑوسی کا رویہ اس کے ساتھ بے حد ناروا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا سامان گھر سے نکال کر باہر راستے پر رکھ دے۔ آنے جانے والے پوچھیں تو بتاؤ کہ پڑوسی جینے نہیں دیتا اس لیے یہاں سے جا رہے ہیں۔ اس طرح اُس کا علاج ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب دو چار آدمیوں سے بات چیت ہوئی تو وہ پڑوسی اپنے گھر سے باہر آیا اور اُس کی منت سماجت کر کے اُسے واپس وہیں رہنے پر مجبور کیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنا رویہ بھی درست کر لیا۔[۶]

ایک موقعہ پر معلم انسانیتؐ نے فرمایا کہ ''ظالم ومظلوم دونوں کی مدد کرو۔ استفسار پر فرمایا کہ مظلوم کو کسی ظالم کے مظالم سے چھڑانا اس کی مدد ہے اور ظالم کو ظلم سے روک کر اسے جہنم کی آگ سے بچانا اس کی مدد ہے۔'' انسانی فطرت تنوع پسند ہے اِسی لیے اسلام نے دن بھر کی مصروفیات کو اس طرح تقسیم کیا ہے نماز فجر کے بعد ظہر تک مشغولیت رکھی۔ پھر عصر پر آ کر موقعہ دیا۔ اس کے بعد پھر مشغولیت نماز مغرب پر منقطع ہوئیں۔ بعد ازاں خانگی مصروفیات شروع ہوئیں اور عشاء پر جا کر اختتام ہوا۔ پھر استراحت کا وقت رکھا گیا ہے۔ اس طرح روحانی وقفہ سے جسم نئی صلاحیتوں اور جذبوں سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرورِ کائنات ؐ کو مکارمِ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز فرمایا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انما بعثت لا مکارم اخلاق ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیم میں سختی اور نرمی کے موقع ومحل سے بخوبی آگاہ تھے اور اس پر عمل فرماتے تھے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیا مگر یہ کہ کوئی شریعت کے حدود کو توڑے تو اس کی سزا دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اتباع کرنے والوں کے لیے نمونہ اور صبر کرنے والوں کے لیے ڈھارس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ان کے لیے فتح وکامرانی ہے جو انہیں حجت بنا کر پیش کرے۔ اُن کے لیے بہتر بہدف ہے جو ان کو دستور بنائے۔ محض خلوص، نیت اور حسن عمل کی ضرورت ہے۔ ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم ان تعلیمات پر تدبر کریں اور اُن کی روشنی میں اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کا محاسبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں۔ اِسی لیے ارشاد ربانی ہے:[7]

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ.

''در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کی تقلید کی سعادت سے ہی دنیا اور آخرت میں انتفاع وتمتع حاصل کر سکتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:[8]

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ.

''جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دے وہ لے لو۔''

اگر آج ہم نے تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا لیا تو:[9]

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا.

''جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔''

ورنہ خود ہم ناتواں اور عاجز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کان ذات پاک مرتبہ دان محمد است

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایۃ، ج ۲، ص ۲۹۳، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱، ص ۱۲۱، علامہ شبلی نعمانی

۲۔ وہ نمائندے یہ ہیں:
عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ، ابو حذیفہ بن مغیرہ بن عمرو بن مخزوم، قیس بن عمرو بن مخزوم اور قیس بن عدی سہمی۔

۳۔ قرآن حکیم ۲:۲۶۹

۴۔ قرآن حکیم ۲:۶۲

۵۔ قرآن حکیم ۲:۲۶۱

۶۔ بخاری، کتاب الادب المفرد، باب شکایت الجار، ابوداؤد کتاب الادب، باب حق الجوار

۷۔ قرآن حکیم ۳۳:۲۱

۸۔ قرآن حکیم ۵۹:۷

۹۔ قرآن حکیم ۳۳:۷۱

Marfat.com

اسلام کا نظامِ عدل، احسان اور بُرائیوں کا انسداد

قرآن حکیم[۱] کی سورہ نحل کی آیت کریمہ ۹۰ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ اہم ترین اور کلیدی آیات میں سے ایک ہے کیونکہ اس میں ماموراتِ و منہیاتِ مذکورہ میں تمام اشیاء حسنہ و قبیحہ آ گئی ہیں۔ اس میں تین احکام ایجابی ہیں یعنی عدل و احسان اور اہل قرابت کو عطا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تین تحریمی احکام ہیں یعنی بے حیائی، بُرائی اور سرکشی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ آیت تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّ رحمة (النحل:۸۹) (کھلا بیان ہر چیز کا اور ہدایت و رحمت) کی بہترین مثال و نمونہ ہے۔ کوئی بات اچھی یا بُری ایسی نہیں جو اس میں شامل نہ ہو۔ اِس آیت کی اِسی جامعیت کے پیشِ نظر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالعزیز نے اِسے جمعۃ المبارک کے خطبہ کا جزو لاینفک بنا دیا۔ عکرمہ تابعی سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت دشمن اسلام ولید بن مغیرہ کو سنائی تو اس نے کہا یا ابن اخی اعد (میرے برادر زادے! ایک بھر پھر پڑھو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے مکرر پڑھا تو وہ منکر اللہ تعالیٰ اور رسول اور کتاب الٰہی بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔

واللہ ان له طلاوۃ وان علیه مطلاوۃ وان اصله لمورق واعلاہٗ لثمر وما ھو بقول البشر.

”بخدا یہ تو بڑی شیریں ہے۔ اس کا ظاہر بڑا رنگین ہے۔ اس کا تنا پتوں والا ہے اور اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں۔ بخدا یہ کسی بشر کا کلام نہیں۔“

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہونے کے ناطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے شاہد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت علم نواز سے فیض یاب ہوتے رہتے تھے، فرماتے ہیں:[۲]

ھذہ اجمع آیة فی القران لخیر تمثیل و لشر یجتنب.

Marfat.com

''قرآن حکیم کی یہ آیت خیر و شر کے بیان کی جامع ہے۔''

رب ذوالجلال نے اِس گنج شائیگاں میں انسان کو ایک نہایت ہی کامیاب زندگی بسر کرنے کا راز بتایا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو پوری کائنات کا نظام ہی عدل پر قائم ہے۔ تمام مظاہر قدرت نظام عدل سے ہی قائم ہیں۔ سب سے پہلے ہم عدل کے مفہوم کا جائزہ لیتے ہیں۔

لفظ عدل کا ذکر قرآن حکیم میں سولہ مرتبہ آیا ہے۔ عدل کی صفات میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، مساوات عامہ، تجسس سے پاک، جرم ثابت کرنے سے قبل مجرم کا بے گناہ ہونا، حاکم و محکوم کا قانون کی نظر میں برابر ہونا، سزا کا جرم سے زائد نہ ہونا، نفاذ قانون سے قبل کیے گئے افعال کا قابل مواخذہ نہ ہونا، افراد کا باہمی محاسبہ ہونا، انصاف کا بلا تاخیر مہیا ہونا، توازن اور تعصب سے پاک ہونا شامل ہیں۔ عدل کے لغوی معنی درج ذیل ہیں:

سیدھا کرنا، برابر کرنا، توازن قائم رکھنا، افراد و تفریط سے بچنا۔ عدل کی اصطلاح از روئے اشتقاق اسم ذات اور اسم صفت دونوں طرح استعمال ہوتی ہے۔ اسم ذات کے طور پر عدل کے معنی داد رسی اور اسم صفت کے طور پر اس کے معنی مستقیم، منصفانہ اور متوازن کے ہیں۔[۳] الماوردی کے ہاں عدل کی کیفیت یعنی عدالۃ کو اخلاق اور دینی کمال کی ایک حالت بتایا گیا ہے۔ ابن رُشد کے نزدیک اس کی شرط یہ ہے کہ انسان کبائر کا مرتکب نہ ہو اور صغائر سے بھی اجتناب کرے۔

قانون کی تدوین کی ایک کوشش انیسویں صدی میں سلطنت عثمانیہ میں کی گئی۔ اس میں عدل کی حسب ذیل تعریف کی گئی:[۴]

عدل (عادل) وہ ہے جس میں خیر کے رجحانات شر کے رجحانات پر غالب ہوں۔

حضرت داتا گنج بخش کشف المحجوب میں عدل کے حسب ذیل معنی لکھتے ہیں:

''کسی چیز کو اس کے صحیح موقع محل میں رکھنا۔ اس کی ضد ظلم ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اُس کے لائق نہ ہو۔''

مزید براں عدل سے مراد ہے: قوائے علمی و عملی میں اعتدال۔ التوسط فی الامور الاَعتقاداً و عملاً و خلقاً یعنی ''عقائد و اعمال و اخلاق کے مامورات میں اعتدال و توازن کا قائم کرنا'' اس طرح عقائد و اعمال و معاملات کے سارے ضمنی مامورات اس کے اندر آ گئے۔

Marfat.com

حضرت سفیان ابن عینیہ نے فرمایا کہ یہاں عدل سے مراد ظاہر و باطن کی یک رنگی ہے۔ عدل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے حظ نفس پر اور اُس کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اُس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب کرے۔ مزید براں انسان خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے یعنی اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو۔ ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو اُس کے لیے انجام کار مضر ہوں اور قناعت و صبر سے کام لے، نفس پر بلاوجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔

گویا عدل کا مطلب یہ ہے کہ فرد کے تمام عقائد، اخلاق، معاملات، جذبات اور اعتدال و انصاف کی ترازو میں تلے ہوں۔ افراط و تفریط سے کوئی جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ اُس وقت بھی اچھے کام کیے جائیں جب شاید عدل بھی سختی سے اس کا مطالبہ نہ کرتا ہو۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ کسی سے بُرائی نہ کی جائے نہ قولی، نہ فعلی، نہ ظاہری اور نہ باطنی۔ عدل تمام محاسن اعمال کی اصل ہے۔ اس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے:

اولاً: لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم کرنا۔

ثانیاً: ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دینا۔

سید قطب شہید نے کیا خوبصورت اور دلنشین انداز میں بات کی ہے کہ ''جس عدل کو اسلام چاہتا ہے وہ بے لاگ عدل و انصاف ہے جو نہ تو محبت سے متاثر ہوتا ہے نہ عداوت سے، نہ مال و جاہ سے دبتا ہے اور نہ احکام سے۔''[۵]

قرآن حکیم میں کئی ایک مقامات پر عدل کے متعلق تاکید فرمائی گئی ہے۔ چند ایک نمونے ملاحظہ ہوں:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ[۶]

''اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے۔''

۲۔ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ[۷]

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔''

۳۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی.[۸]

''اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔''

Marfat.com

۴۔ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔[9]

"کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔"

قرآن حکیم کی متذکرہ بالا سورہ نحل کی آیت میں معاشرتی عدل کے قیام کا حکم دیا گیا ہے۔ معاشرہ میں ہر نوع کے لوگ ہوتے ہیں: ہمسائے، احباب، رفقاء کار، دشمن و دوست، مسلمان اور غیر مسلم۔ اسلام سب سے عادلانہ سلوک کا خواہاں ہے۔ قرآن حکیم میں عدل کی بلند ترین صورت کو "قسط" بھی کہا گیا ہے اور یہ لفظ اپنی مختلف صورتوں میں تقریباً ۲۷ مقامات پر مذکور ہے۔ جیسے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ[10] (اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

اسی طرح متعدد احادیث سے بھی عدل کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ چند ایک احادیث کے تراجم پیش ہیں:

۱۔ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب مقام پانے والا شخص امام عادل ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض اور شدید ترین عذاب کا مستحق امام جائر ہوگا۔

۲۔ قیامت کے دن جب کہ اللہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ ساٹھ اشخاص کو اپنے سایہ میں لے گا جن میں ایک امام عادل ہوگا۔

۳۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں میں یا ان لوگوں میں جن کی حکومت انہیں سونپی گئی ہے، انصاف کرتے ہیں وہ نور کے میناروں پر ہوں گے۔

ہم عدل کی مختلف اقسام بیان کر سکتے ہیں:

(ا) انفرادی

(ب) اجتماعی

(ا) انفرادی عدل سے مراد کسی شخص کا میانہ روی اختیار کرنا ہے۔ اپنے نفس سے اعتدال کے ساتھ کام لینا، اُسے غیر معمولی تکلیف میں مبتلا نہ کرنا بھی عدل ہے۔ یہ منزل بڑی کٹھن ہے۔ اس کی رہنمائی قرآن حکیم میں اس طرح کی گئی ہے۔[11]

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی

Marfat.com

اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ ۚ اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِہِمَا ۟ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡہَوٰۤی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۝

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔''

اس سے واضح ہوا کہ عدل کے معاملہ میں نفس، عزیزوں، قرابتداروں، دولتمندوں اور محتاجوں کا لحاظ نہ کیا جائے، بلکہ سب کو برابر سمجھا جائے اور جو حق ہو وہی کہا جائے۔

(ب) اجتماعی عدل سے مراد وہ عدل ہے جو زندگی کے مختلف شعبوں میں مجموعی طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔[۱۲]

اجتماعی عدل تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے:

۱۔ مطلق اور مکمل آزادی ضمیر

۲۔ کامل انسانی مساوات

۳۔ ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل

انسان کی اصل زندگی اجتماعی زندگی ہے اور ہر فرد کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ اجتماعی زندگی کے سنوارنے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کر دے۔

عدل کی ابتدا عائلی زندگی سے ہوتی ہے۔ وہ گھر جنت کا نمونہ ہوتا ہے جس میں خاوند و بیوی اور والدین و اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق عدل سے ادا کرتے ہوں۔ اگر کسی فرد کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اُن کے درمیان عدل ایک ضروری امر ہے۔ بصورت دیگر خاندانی انتشار ایک ناگزیر نتیجہ ہوگا۔ بچوں کے درمیان دشمنی اور والدین کے ساتھ نفرت اور بغض پیدا

Marfat.com

ہونے کا احتمال ہے۔ ارشاد ربانی ہیں:

۱۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط ذٰلِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا۔ [۱۳]

''اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو، یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صحاب ہے۔''

۲۔ وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَةِ ط وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ [۱۴]

''بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا (قانون الٰہی کا منشا پورا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں فرمایا: [۱۵]

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال اذا كانت عندالرجل امرا تان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط.

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل نہیں کرتا تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا نصف بدن خمیدہ ہوگا۔''

خود اپنے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل عدل کر کے سکھایا یہاں عدل سے مراد یہ ہے کہ نان ونفقہ میں، حسن سلوک میں اور کفایت میں عدل کی سب اطراف سے مال،

Marfat.com

جسمانی اور نفسیاتی...... سب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ یہ پابندیاں ایک لحاظ سے اس کے لیے زیادہ شادیاں کرنے کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔

معاشرتی زندگی میں بھی عدل نہایت اہم ہے۔ باہمی تعلقات، لین دین، ناپ تول اور دیگر معاملات میں اگر عدل کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو معاشرہ میں اخلاق پستی رونما ہوتی ہے۔ اگر صحیح ناپ تول اور حسابات درست نہ ہوں تو تجارت تباہ ہو جائے گی۔ ارشاد الٰہی ہے:[۱۶]

وَاَوْفُو الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ.

''اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔''

عدل کی اصطلاح میں معاشرتی اور معاشی عدل کا مفہوم بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشی نظام کے قیام کا خواہاں ہے جس میں ہر انسان کی بنیادی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اسلامی تعلیمات معاشی برائیوں کے ارتکاب سے روکتی ہیں اور حصول معاش کے سلسلے میں اخلاقی بندھنوں کی اہمیت کو اُجاگر کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اسلام ہر فرد کو باور کراتا ہے کہ کام کرنے میں عزت ہے۔ اسلام کے نزدیک نجی ذرائع آمدنی ایک امانت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسلام مسلمانوں پر یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے ناداروں اور غرباء پر خرچ کریں۔ باری تعالیٰ کا حکم ہے:[۱۷]

وَفِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ.

''اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے۔''

زکوٰۃ کا مقصد ارتکاز دولت کی حوصلہ شکنی اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد جگہ ذخیرہ اندوزی اور حرام مال کے حصول کے طریقوں کی ممانعت کی گئی ہے۔ معاشی عدل کے قیام کے لیے ایسے دائمی اُصول پیش کیے گئے ہیں جنہیں بروئے کار لا کر معاشرہ کی معاشی خرابیوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ معیشت خواہ حقیقی ہو یا زرعی، اسلام اہل ثروت پر بے سہارا افراد کی کفالت کی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ ریاست پر بھی فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسے مادی وسائل اور اخلاقی نظام کو بروئے کار لائے جس سے معاشرہ کی معاشی خرابیوں کو دور کیا جا سکے۔ اسلام یتیموں کے حقوق کی حفاظت کا بھی حکم دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:[۱۸]

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ.

Marfat.com

''اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حکومت اُس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔''[۱۹] خلفاء راشدین کے عہد میں مدینہ کی اسلامی ریاست نے ایک ایسا انقلابی نظام قائم کیا جس کی مثال دنیا میں کہیں بھی نہیں ملتی۔

عدل کی خاص طور پر ضرورت عدالتی معاملات میں ہوتی ہے کیونکہ اس جگہ حق و باطل، جائز و ناجائز اور صحیح و غلط میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ اسلام نے ہر قسم کے مذہبی اور عدالتی فیصلوں کے لیے عدل کو لازمی قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں رنگ و نسل، قبیلہ و خاندان، آزاد و غلام، مرد و عورت، امیر و غریب اور دین و مذہب میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔ ارشاد ربانی ہے:[۲۰]

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ.

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔''

اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے فرمایا گیا ہے:[۲۱]

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ.

''فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے۔''

اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک منصف میں درج ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ اسلام

۲۔ عقل و بلاغت (احناف کے نزدیک عورت بھی منصف بن سکتی ہے)

۳۔ عدالت و تقویٰ

۴۔ علمیت

۵۔ صحت و تندرستی

۶۔ نفسیات انسانی سے کماحقہ، واقفیت

نیز منصف پر لازم ہے کہ وہ لوگوں سے ہدیے اور تحائف قبول نہ کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۲۲]

ھدایا العمال غلول یعنی حاکموں کو دیئے جانے ہدیے خیانت ہیں۔

Marfat.com

آپ کی پوری زندگی عدل سے عبارت ہے۔ اپنے تو اپنے رہے، غیروں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل وانصاف پر حد درجہ اعتماد تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ مقدمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہود کے حق میں اور کسی مسلمان کے خلاف صادر ہوا۔ غزوہ فتح مکہ میں قبیلہ مخزوم کی ایک خاتون (فاطمہ بنت اسود) زیور کی چوری کی مرتکب ہوئی۔ قریش کی عزت کو دھبہ سے بچانے کے لیے لوگوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شفیع بنا کر بھیجا وہ کامیاب نہ ہوئے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت زیادہ چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۲۳]

''تم سے پہلی امتیں اِسی لیے ملیامیٹ ہو گئیں کہ وہ بڑوں کے جرائم معاف کر دیتی تھیں اور چھوٹوں کو سزا دیتیں۔ خدا کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی یہ سرقہ کرتی تو میں یہی سزا دیتا۔''

چنانچہ مجرمہ کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ یہ اس لیے کہ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہیں:

۱۔ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ. [۲۴]

''اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو۔''

۲۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا. [۲۵]

''اور چور خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

کہا اِس نظام کی نظیر تاریخ میں کہیں مل سکتی ہے؟ ہاتھ کٹ جانے کے بعد اُس عورت کی حالت اچھی ہو گئی اور وہ شادی کر کے باعزت زندگی بسر کرنے لگی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ''پھر اس کو اگر کوئی ضرورت پیش آتی تو وہ مجھ سے کہتی اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر اس کی وہ حاجت پوری کرا دیتی۔'' [۲۶]

عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ حنین میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں ایک بھاری اور مضبوط جوتا تھا۔ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ اس لیے ان کے جوتے سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی کو چوٹ آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پاؤں پر کوڑا مارا۔ دوسرے روز آب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا کہ وہ اس

Marfat.com

مار کا عوض لے لے۔ چنانچہ اِس کوڑے کے عوض ان کو اسّی بھیڑیں عطا ہوئیں۔ [۲۷]

مرض الموت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال اور آبرو حاضر ہے۔ اِس دنیا میں انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کے لیے کھڑے ہو کر دعویٰ کیا جو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دلوا دیئے۔ [۲۸]

عدل نام ہے ایک پابندی کا جو آپ کی آزادی کی ایک حد مقرر کرتا ہے۔ قیام عدل کی شرائط میں شرعی حدود کا علم، حرص سے گریز اور راست گوئی اور آخری ضمانت صرف خشیت الٰہی ہے۔ غیر مشروط عدل قائم رکھنا ہی کلمۃ اللہ ہے جس کا ہر حال میں ہر جگہ سر بلند رہنا ضروری ہے۔ اسلامی عدل محض مجرد نظریات تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی اس نے نفوذ کیا اور تاریخ کے اوراق پر اس کی ان گنت مثالیں رقم ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عدل آج تک ضرب المثل ہے۔ ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے اپنے قیام مصر کے دوران میں ایک دفعہ نبیذ پی لی اور ان پر نشہ طاری ہو گیا۔ چونکہ گورنر مصر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تخلیہ میں ان کے اصرار پر سزا دی تھی، عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈانٹ پلانے کے علاوہ عبدالرحمٰن کو مدینہ بلا کر دوبارہ حد لگوا دی۔ آپ کا لختِ جگر کوڑوں کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا یہاں تک کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ کوڑے ابھی باقی تھے جو اس کی قبر پر لگوائے گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص عورتوں کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے درے لگوائے کیونکہ آپ نے عورتوں کے طواف کا ایک وقت مخصوص کر رکھا تھا۔ کوڑا لگنے کے بعد اس شخص نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ جرأت مندی کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں۔ اگر میں نے غلطی کی تھی تو آپ نے بہتر طریقے پر میری فہمائش نہیں کی۔ اور اگر میں نے غلطی نہیں کی تو آپ نے مجھ پر ظلم کیا۔'' یہ سننا تھا کہ آپ نے درہ اس کے ہاتھ میں دے دیا لیکن وہ شخص بدلہ لینے پر آمادہ نہ ہوا۔ رات کو اس نے اپنا بدلہ پورا کیا۔ دوسرے روز جب اُس کی نظر آپ کے چہرے پر پڑی اور اس پر چوٹ کے نشان دیکھے تو کہا: ''غالباً یہ نشان کل کی چوٹ کے ہیں۔'' عدل کے پیکر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ''ہاں''

۱۲۷۰۸۱

Marfat.com

اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم الشان جرنیل کے قصر کوفہ کی ڈیوڑھی مسمار کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ حاکم و محکوم کے درمیان انصاف کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہو گئی تھی۔ عدل کا یہی تقاضا تھا کہ معمولی سے معمولی شخص بھی بھری محفل میں اٹھ کر ان کو خدا سے ڈرائے، اس پر وہ خوف وخشیت کی شدت سے برگ حشیش کی طرح کانپ جاتے۔ اس جلیل القدر سربراہ ریاست کو چشم فلک نے دیکھا کہ جب آپ کی سواری بیت المقدس میں داخل ہو رہی تھی تو سواری کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی اور سوار ان کا غلام اسلم تھا جس کی سواری کی باری اس مقام پر آ گئی تھی۔

عدل صرف انتظام سلطنت کے لیے نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں لازمی ہے۔ دنیوی معاملات میں عام طور پر انسان کو جب شہادت یا گواہی دینے کا موقع آتا ہے تو دونوں حالتوں میں اکثر کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے۔ ایک اُس وقت جب کہ فریق مقدمہ اپنا قرابتدار ہو یا اس سے گواہ یا حاکم کی عداوت ہو۔ قرآن حکیم ان دونوں حالتوں میں عدل کا حکم دیتا ہے۔

۱۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى. [۲۹]

''اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔''

اسلام نے غیر مسلموں تک کے ساتھ بھی عدل کی سخت تاکید فرمائی ہے:

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا قف

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔''

یہود و نصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن تھے۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [۳۱]

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ج وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط

''اور ان سے کہہ دو کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: [۳۲]

Marfat.com

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

''اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اسلام جہاں عدل سے ہٹنے والے فرد کے خلاف کارروائی کا حکم دیتا ہے وہیں ظالم و بے رحم معاشرے، گروہ اور حکومت کے خلاف بھی کارروائی کا حکم دیتا ہے تاکہ حقیقی عدل قائم ہو سکے۔ ارشاد ربانی ہے: [۳۳]

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○

''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔''

پھر فرمایا: [۳۴]

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

Marfat.com

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں عدل کے درج ذیل ثمرات حاصل ہونے یقینی ہیں:
مساوات، امن و امان، ظلم و تشدد سے نجات، استحکام حکومت، عزت و وقار، اقتصادی ترقی اور سب سے بڑھ کر آخرت میں سرفرازی۔

دوسری چیز احسان ہے جس سے یہاں مقصود حسن عمل ہے۔ لفظ احسان کا ذکر قرآن حکیم میں بارہ مرتبہ کیا گیا ہے۔ احسان کا دائرہ وسیع ہے۔ اس کا جتنا تعلق معاشرت سے ہے، اتنا ہی معیشت سے۔ جتنا تعلق معاملات سے ہے، اتنا ہی عبادت سے۔ احسان اور ایثار ذی القربیٰ قرب الٰہی کی دو سیڑھیاں ہیں۔ امام راغبؒ نے احسان اوز عدل کے فرق کی اِس طرح صراحت کی ہے:

''احسان تو عدل سے افضل اور بڑھ کر ہے کیونکہ عدل کے معنی ہیں دوسرے کا حق پورا کرنا۔ لیکن احسان یہ ہے کہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے۔''

احسان کرتے وقت نظر تعدیل اور تسوید دونوں پر ہوتی ہے اور یہ دونوں حسن کی اساسی اقدار ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ میں اسی اصل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی مرقوم ہے:[۳۵]

اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ.

''تو اپنے رب کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر مراقبہ کی یہ کیفیت نہ پیدا ہو سکے تو کم از کم یہ یقین کر لو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

مشکوٰۃ المصابیح کی کتاب الایمان کا افتتاح اسی حدیث جبرئیل سے ہوا ہے۔ جبرئیل انسانی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کچھ سوالات کیے۔ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ 'احسان کیا ہے؟'' جس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دیا تھا۔ علامہ قرطبی کی رائے ہے کہ ارباب قلوب میں سے اعلیٰ درجہ کے لوگ عبادت کرتے وقت کانک تراہ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور بعض کی رسائی اِس مقام تک نہیں ہوتی لیکن فانہ براک کی لذتوں سے وہ محظوظ ہوتے ہیں۔

گویا احسان یہ ہے کہ باطن کی صفائی ظاہر سے بھی زیادہ ہو۔ عدل اگر معاشرے کی

Marfat.com

ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوشگواریاں اور شیرنیاں پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عادل بھی ہے اور محسن بھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جا بجا عدل کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ احسان میں دوسروں کی زندگیوں کو حسین و خوشحال بنانے کا مفہوم مضمر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:[۳۶]

وَاَحْسِن كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ.

''اور احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔''

احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:[۳۷]

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ.

''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟''

بھلا کمال اطاعت کا بدلہ بجز کمال عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟

یہ دونوں خصلتیں یعنی عدل و احسان تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش و بیگانہ اور دوست دشمن کے متعلق یقین لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زیادہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم عیش و عشرت کرتے رہو اور تمہارا کوئی رشتہ دار نان شبینہ تک کا محتاج ہو۔ قرآن حکیم میں سب سے پہلے والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا گیا ہے۔ چند ایک آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.[۳۸]

''اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔''

۲۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا.[۳۹]

''ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''

۳۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○[۴۰]

Marfat.com

''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو۔ اور دعا کیا کرو کہ ''پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

احادیث میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ والدین میں سے ماں کا حق فائق ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک نفل نماز سے مقدم ہے۔ [۴۱] مشرک والدین بھی حسن سلوک کے مستحق ہیں۔ والدین کی وفات کے بعد ان کے احباب سے حسن سلوک ضروری ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا واقعہ ہے کہ حج کے ایک سفر کے دوران میں انہوں نے اپنے والد کے ایک بدو دوست کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جس پر لوگوں کو بڑی حیرانی ہوئی۔

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے احسان سے مراد الاخلاص فی التوحید یعنی خالص اور ستھری توحید مراد لی ہے۔ [۴۲] امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے احسان کی دو اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ دوسروں پر انعام کرنا (اور اس طرح اسے خوش کرنا)

۲۔ اپنے کاموں میں (اقوال و افعال) میں حسن پیدا کرنا۔ یہ چیز حسن علم اور حسن عمل سے پیدا ہوتی ہے۔

احسان صرف مالی امداد سے ہی متعلق نہیں بلکہ ہر قسم کی امداد، خواہ وہ زبانی ہو یا عملی، احسان کی فہرست میں آتی ہے۔ احسان کر کے دوسرے کا دل موہ لیا جاتا ہے اور کینہ و بغض کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ انسانی طبیعت کے لیے احسان جتانے سے بڑھ کر گراں گذرنے والا، تلخ، رسوا کن اور قبول احسان سے روکنے والی دوسری کوئی چیز نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے سخت ناپسندیدگی سے دیکھا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: [۴۳]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا

Marfat.com

كَسَبُوْا.ؕ

''اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اُس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اُس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔''

اس کے علاوہ مقروض کو مہلت دینا،[۴۴] قصور والوں کے قصور معاف کر دینا[۴۵] اور ان کے مقابلہ میں غصہ کو پی جانا بھی احسان ہی میں شامل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:[۴۶]

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ o

''جو (خدا ترس) ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔''

بڑے ہی عجیب انداز میں نفسیاتی طور پر عفو و درگزر کی ترغیب دی گئی ہے۔[۴۷]

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o

''انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔''

ایک دفعہ آپؐ سے ایک شخص نے پوچھا: ''یا رسول اللہ! میں ایک شخص کے پاس سے گذرتا ہوں تو وہ میری مہمانی نہیں کرتا۔ جب وہ میرے پاس آئے تو کیا میں بھی اس کی کج خلقی کا یہی بدلہ دوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں تم اس کی مہمانی کرو۔''[۴۸] غزوہ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو قتل کرنے کی تجویز پیش کی لیکن محسن انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے ساتھ

Marfat.com

احسان فرمایا اور اپنے حسن سلوک سے سب کی جان بخش دی۔ اِسی طرح آپ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے تمام دشمنوں کو معاف فرما دیا۔ یہ ایسے دشمن تھے کہ جن کے ظلم وستم سے بے بس اور نہتے مسلمانوں کا خون زمین پر گرا۔ اِس سے بڑھ کر احسان کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ہوازن کا مال غنیمت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ''مولفتہ القلوب'' کو دیا۔ ابوسفیان سمیت قریش کے دیگر سرداروں پر داد ودہش کی ایسی بارش فرمائی کہ تاریخ ایسی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ غزوہ حنین میں عورتوں اور بچوں سمیت کوئی چھ ہزار کافر اسیر ہوئے۔ ان کو بغیر کسی شرط اور جرمانہ کے نہ صرف آزاد کیا بلکہ بہت سے قیدیوں کو انعام واکرام سے نوازا۔ مالک بن عوف جو کفار کے لشکر کی تجارت کر رہا تھا اس کا نہ صرف تمام مال واسباب واپس کیا بلکہ اپنی طرف سے اس کو سو اونٹ مزید عطا کیے۔

اسلام نے انتہائی غصہ اور اضطراب میں بھی احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان تنازعہ انتہائی صورت اختیار کرے اور نتیجہ طلاق کی صورت میں نکلے تو بھی احسان کا حکم دیا گیا ہے۔[۴۹]

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط

''طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔''

اگر منکوحہ عورت سے خلوت کے بغیر طلاق ہوگئی ہو تو شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا۔ یہ قانون یا عدل ہے۔ مگر اخلاقی حکم یا احسان یہ ہے کہ عورت اس نصف کو بھی معاف کر دے یا شوہر پورا مہر ادا کر دے۔[۵۰]

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ط وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ط وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ط

''اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اِس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے اور مہر نہ لے) یا وہ مرد، جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے، نرمی سے کام لے (اور پورا

Marfat.com

مہر دے دے) اور تم (یعنی مرد) نرمی سے کام لو تو یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔''

احسان کی صورت یہ بھی ہے کہ قرضہ داروں کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔ تنگ دستوں اور مقروضوں کو مہلت دیں کہ جو لوگ قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہوں ان کا قرضہ معاف کر دیا جائے۔ اسلام نے احسان اور نیکی کرنے کو صرف مسلمانوں کی حد تک ہی محدود نہیں کیا بلکہ دوست، دشمن، مسلم اور کافر کے ساتھ بھی احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہاں قرآن حکیم نے احسان کے لیے تبرہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ [۵۱]

لاَ یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ○

''اللہ تمہیں اِس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

زندگی تو زندگی موت کے معاملہ میں بھی احسان کے دائرہ کو وسیع رکھا گیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۵۲]

''جب تم کسی کو راہ خدا میں قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم کوئی جانور ذبح کرو تو اُسے اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ اور تم میں سے کوئی آدمی ذبح کرنے سے پہلے اپنی چھری کو تیز کرے اور اپنے ذبیح کو راحت دے۔''

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کو گرا کر اُسے ذبح کرنے کے لیے چھری تیز کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اسے مرنے سے پہلے مار دینا چاہتے ہو۔''

اسلام نے اگر احسان کرنے والوں پر کچھ اخلاقی پابندیاں عائد کی ہیں تو اُس کے علی الرغم ان لوگوں پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ عنہ کا احسان مانتے ہوئے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسان کا بدلہ اللہ ہی قیامت کو دے گا۔ اسی طرح اسلام میں احسان یاد رکھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:[۵۴]

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○

''اے بنی اسرائیل! ذرا خیال کرو میری اس نعمت کا جو میں نے تم کو عطا کی تھی۔ میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا اسے تم پورا کرو، تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا اسے میں پورا کروں اور مجھ ہی سے تم ڈرو۔''

ان مباحث سے یہ اندازہ ہوا کہ کسی معاشرے کا صحت مند بنیادوں پر قائم ہونا عدل اور احسان پر موقوف ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور کمال ہے۔ عدل قانون کا تقاضا ہے اور احسان اخلاق کا مطالبہ۔ عدل اگر معاشرے کی ناگواریوں اور تلخیوں کے آگے ایک ڈھال ہے تو احسان اس معاشرے میں شیرینیاں گھولتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں خلوص و محبت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ کل کیسی بلندیاں تھیں اور آج کیسی پستیاں ہیں۔ انسان کی حیوانی خواہشات کو بے لگام چھوڑ دینے کے نتائج اباحیت اور سلبیت کی شکل میں نمودار ہو رہے ہیں۔ اخوت کی جگہ خود پسندی اور نسلی تفاخر اور ایثار و احسان کی جگہ حرص، لالچ اور بخل نے لے لی ہے۔ یہ عمرانی امراض ملت کو نحیف و نزار اور مفلوج کر دیتے ہیں اور ہلاکت و بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں فحشا، منکر اور بغی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس طرح نواہی کے سارے مقاصد پورے کر دیئے گئے ہیں۔ فواحش کے مفہوم میں وہ سب بری باتیں اور بے حیائی کے کام بھی شامل ہیں جو ظاہر ہیں اور وہ بھی جو پوشیدہ ہیں۔ ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں نہایت قبیح ہو، فحش ہے۔ اسی طرح علی الاعلان برے کام کرنا اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحش ہے۔ منکر سے مراد ہر وہ برائی ہے جسے انسان بالعموم برا جانتے ہیں۔ ہمیشہ سے برا کہتے ہیں اور تمام شرائع الٰہیہ نے جس سے منع کیا ہے۔ اس میں ہر قسم کی برائی، بدکرداری، بے راہ روی، بدنظمی، جرم و عصیاں اور لاقانونیت شامل ہے۔ منکر معروف کی ضد ہے یعنی نامعقول کام جن پر فطرت سلیمہ اور عقل صحیح انکار کرے اور بغی سرکشی کر کے حد سے تجاوز کرنا اور دوسرے کے حقوق پر دست

Marfat.com

درازی کرنا خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے: ۵۵
خَصْمٰنِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ یعنی ''ہم دو فریق مقدمہ میں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔''

بغی کے لفظی معانی تو طلب کے ہیں پھر اس میں حد سے ''بڑھنے کی خواہش'' اور کوشش بغی عملاً حد سے تجاوز کر جانے کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ بغی کا ترجمہ ''سرکشی، ظلم اور ظلم و زیادتی اور درندوں کی طرح دوسروں کو چیرنے پھاڑنے کے اِس یعنی اس ''بارش'' کو بھی کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور حق واجب میں کمی رکھنے کو بھی بغی کہتے ہیں اور یا حق واجب سے افروزنی کرنا بھی بغی ہے۔''

فحاشی اہل حسن نظر کے لیے سوہان روح ہے اور قلب و نظر کی موت ہے۔ بے شرمی اور بے حیائی کے پانی سے سب کے بدن بھیگے اور عریاں نظر آتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:

۱۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ ۵۶

''اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔''

۲۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ ۵۷

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں: بے شرمی کے کام...... خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے۔''

فحاشی کی ایک بدترین قسم زنا ہے جو بے حد خطرناک و گمراہ کن راستہ ہے اور یہ فرد و قوم کو ہلاکت و بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے حیا اور وقار کا حکم دیا ہے اور اظہار جمال اور آوارگی سے روکا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ۵۸

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِیْلًا ٥

''زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔''

جو انسان نیکی کے حصول کے لیے کوشش کرنا چاہے اُسے پہلے عدل کا مقام اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، پھر احسان کا اور پھر ایتاء ذی القربیٰ کا۔ اسی طرح جو بدیوں سے بچنا چاہتا ہے۔ اسے پہلے بغی سے بچنا چاہیے پھر منکر سے بچنے کے قابل ہو سکے گا۔ منکر سے بچنے کی جدوجہد

Marfat.com

کے بعد وہ فحشاء سے بچنے کے قابل ہوگا۔

حسد ایک نہایت مذموم خصلت ہے۔ اسلام نے اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۵۹]

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباداللہ اخواناً.

"ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ باہم حسد مت کرو اور ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو۔ اے خدا کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔"

ایک اور مقام پر فرمایا: "تم حسد سے دور بھاگو کیونکہ حسد بھلائیوں کو اس طرح بھسم کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔"

غیبت ایک نہایت ہی مذموم خصلت ہے جو انسان کو ذلیل و رسوا اور اس کے اعمال کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ تمدن و معاشرت کا ایک جزو بن گئی ہے اور اسے برا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ بدگمانی، تجسس یا عیب جوئی اور غیبت گھناؤنی برائیاں ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:[۶۱]

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ o

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔"

ایک مشہور قول ہے کہ تلوار کا زخم تو بھر جاتا ہے مگر زبان کا زخم نہیں بھرتا۔ زبان امرت بھی ہے اور زہر بھی۔ یہ راحت دل و جان کا باعث بھی بنتی ہے اور کئی افراد اور خاندانوں کی ہلاکت کا سامان بھی پیدا کرتی ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"نجات کا ذریعہ کیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی زبان کو قابو میں

Marfat.com

رکھ، اپنے گھر میں پڑے رہو اور اپنے گناہوں پر روؤ۔''

جو لوگ بے گناہ عورتوں کی عزت و آبرو پر حرف رکھتے ہیں ان کی سزا اللہ تعالیٰ نے اسی کوڑے مقرر کی ہے۔[۶۲]

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسی کوڑے مارو اور اُن کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔''

یہ سزا اس لیے رکھی گئی ہے کہ تہمت درازی کا یہ جرم نیک نامی اور آبرو پر حملہ، بے جا اور بغض و عناد کی جڑ ہونے کے باعث زنا کے ہم پلہ ہے۔ مزید براں اس کے چرچے سے فحاشی اور زیادہ پھیلتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ سلم نے کسی کی بے جا مدح اور خوشامد سے باز رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ فرمایا: ''مداحی کرنے والوں سے ملو تو ان کے منہ میں خاک جھونک دو۔''[۶۳] اس سے ممدوح یہ خیال کرتا ہے کہ وہ واقعی ایسا ہی ہے۔ پھر وہ ہر شخص سے ایسی ہی توقع کرتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کے مغرور ہونے سے اُس کا سارا کیا دھرا برباد ہو جائے گا۔

تکبر کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے حق بندگی کو ادا نہ کرنا اور اُس کے بندوں کو حقیر گردانا۔ بالفاظ دیگر حق و صداقت کی توہین و ابطال کرنا اور لوگوں کی تحقیر و تذلیل کرنا۔ اس کے کئی ایک اسباب ہیں:

حسب و نسب، حسن و جمال، مال و دولت، عہدہ و منصب، قوت و طاقت وغیرہ۔ یہ ایک برا فعل اور تمام مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کا سر چشمہ ہے۔ یہ انسان میں فرعونیت اور قارونیت پیدا کرتا ہے اور اس طرح اسے اس کے مقام عبدیت سے گرا کر اسفل السافلین میں پہنچا دیتا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ دوران خطبہ میں فرمایا:[۶۴]

''اے لوگو! تواضع یا انکساری اختیار کرو۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر تواضع اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کر

Marfat.com

دیتا ہے۔ وہ اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں عظیم۔ اور جو شخص تکبر و غرور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نظروں سے گرا دیتا ہے۔ اس طرح وہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ان کے نزدیک کتے اور سور سے ذلیل تر ہو جاتا ہے۔"

بسا اوقات ایک عمل بطور خود احسن ہوتا ہے لیکن مقصد درست نہیں ہوتا، نیت نیک نہیں ہوتی اور اخلاص نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نیت ریا کاری ہو تو ان افعال کی بجا آوری محض تضیع اوقات ہے۔

عصر حاضر میں دولت کی محبت اور معیار زندگی کے خبط نے لوگوں کا ذہنی سکون چھین لیا ہے۔ یہ بخل کا بھی باعث بنتی ہے۔ جو انسان کے دل میں فسادات پیدا کرتا ہے۔ نتیجتاً اس میں ایثار و قربانی، اخوت اور عدل و احسان کے جذبات کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ بخیل اپنے بیگانوں سب کے ساتھ احسان تو کیا عدل کرنے سے بھی باز رہتا ہے۔ دوسری طرف دولتمند زندگی کے مختلف شعبوں میں بڑھ چڑھ کر اپنے ٹھاٹھ دکھاتے ہیں۔ ان میں سے ایک شادی بیاہ بھی ہے۔ یہ رجحان غریب اور متوسط طبقے کے لیے جان کا آزار بن جاتا ہے۔ بعض دفعہ تو ضرورت مند افراد دولت کے حصول کے لیے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر بھی مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اسلام وسیع معاشی تفاوت کو پسند نہیں کرتا۔ ایک طبقے کے بے دریغ اسراف و ضیاع کی وجہ سے معاشرے کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور اس بے جا امتیاز، حق تلفی، اور سنگدلی سے قلب و ضمیر آلودہ ہو جاتے ہیں۔

اسلام نے ذخیرہ اندوزی کو حرام ٹھہرایا ہے جس کا ہمارے معاشرے میں عام رجحان ہے۔ انسان حصول زر کے لیے ملاوٹ کرتا ہے اور اس طرح انسانی جانوں کا قاتل بن رہا ہے۔ عقلی و ذہنی قوت کی بے اعتدالی کا نام ظلم ہے۔ قرآن حکیم میں ظالمین کا لفظ بکثرت آیا ہے جس کے معنی ہیں: قانون شکنی، حدود فراموشی، دوسروں کی ملکیت پر ناجائز تصرف کرنے والا یا دوسروں کو زندگی کی نعمتوں سے محروم رکھنا وغیرہ۔ ظلم کی ایک قسم یہ ہے کہ ظالم کی ہمنوائی و حمایت کی جائے۔ ظلم جس کے ہیولے ہی میں خرابی کی صورت مضمر نظر آتی ہے، حیات ملی کا شیرازہ منتشر کر دیتا ہے۔ احساس غضب اور خواہش انتقام کو چھوٹ دینے سے بھی انسان ظالم بن جاتا

Marfat.com

ہے۔اسی لیے اسلام اعتدال پر رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔

اسلام ان برائیوں کا خاتمہ کر کے ایک ایسے حسین معاشرے کا قیام چاہتا ہے جس میں لوگوں کے ساتھ عدل واحسان ہو۔اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہمارے جذبات، ہمارے احساسات اور ہمارے اداروں کے نقشے درست ہو سکتے ہیں۔انفرادی سطح پر اخلاقی اقدار کو اپنا کر ان برائیوں کا انسداد کیا جا سکتا ہے۔دوسرے حکومت ایسے اقدامات کر سکتی ہے جن سے ان کا فروغ ہی نہ ہو سکے۔جب کوئی بگاڑنے والی قوت حد سے بڑھنے لگے تو اس کو دبا دیا جائے تاکہ بھلائی کا پلہ بھاری رہے۔اس توازن کے قائم رکھنے کا نام عدل ہے۔

چونکہ نفس برائی کا حکم دیتا ہے اس لیے نفس امارہ کی اخلاقی نشوونما ضروری ہے۔مومن کا فرض ہے کہ وہ عمر بھر اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے۔نظر غائر، طلب صادق اور قلب منیب شرف ومجد انسانیت کے مقامات بلند حاصل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اسلام کے نزدیک وہ فرد یقیناً کامیاب و بامراد ہے جس نے تزکیۂ نفس کر لیا اور وہ شخص لاریب بے نیل ومرام ہے جس نے اپنے آپ کو برائیوں کے نیچے دفن کر لیا۔ان برائیوں کی تیرگی سے ہمیں صرف اسلامی تعلیمات کا نور ہی نجات دلا سکتا ہے۔ان کی تعلیم عام کی جائے۔اس سے قوت فکر پاکیزہ ہوتی ہے اور انسان پیکر اخلاص ومحبت بن کر کامیاب زندگی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

باہمی قرابتداری باہمی فرائض وتعاون کا فرض عائد کرتی ہے۔قرابتداری میں سب سے بلند درجہ والدین کا ہے۔حسن سلوک اور نیکی پہلے ایک عام انسانی جذبہ ہے اور تب قرابتداری کا تقاضا ہے۔جو منعم ہیں وہ دولت کے امین بنیں اور اپنی کمائی کا ایک حصہ کمزوروں کو لوٹا دیں۔ ارشاد ربانی ہے:[۶۵]

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی.

''اس کی محبت میں مال صرف کرے قرابتداروں پر۔''

اسلام ایسے رشتہ داروں سے بھی حسن سلوک کا حکم دیتا ہے جن سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے۔جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز مسطح بن اثاثہ سے ہوئی گئی جس نے عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں جھوٹی تہمت پھیلانے میں حصہ لیا تھا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ

Marfat.com

نے آئندہ مسطح کا روزینہ بند کرنے کی قسم کھالی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔ [۶۶]

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى
وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ص وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا
تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o

''تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔''

چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی قسم چھوڑنا پڑی اور مسطح کی مالی امداد دوگنا اضافہ کے ساتھ جاری رکھنا پڑی۔

قرابت میں یہ سلسلہ جہاں تک پھیلتا چلا جائے گا، ذمہ داریاں بڑھتی چلی آئیں گی۔ اسلام میں نظام میراث اس خاندانی کفالت کی ایک عملی صورت ہے لیکن اسلام اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ انسان اقربا نوازی میں اِس حد تک بڑھ جائے کہ حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا امتیاز نہ رہے۔

اسلام نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا جائے۔ یہ افراط زر کو روکتی اور اخوت و ہمدردی کے جذبات کی نشوونما کرتی ہے۔ اس کے علاوہ صدقہ اور خیرات کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ صدقہ کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو دیا جانے والا قرضہ ہے جس کی ادائیگی کی ضمانت دی گئی ہے۔ [۶۷]

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِيْمٌ o

''کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض، تا کہ اللہ اُسے کئی گنا بڑھا کر واپس کر دے اور اس کے لیے بہترین اجر ہے۔''

اس سے نفس کی بھی تطہیر ہوتی ہے اور مال کی بھی کیونکہ: [۶۸]

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ o

Marfat.com

''تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔''

فرد کی عزت نفس محفوظ رکھنے کے لیے صدقہ میں اخفاء سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے تا کہ ہاتھ پھیلانے والے کی شخصیت کے اجزائے خودی کی آشفتگی مقدر نہ بن جائے۔ بیشتر اسلامی تعلیمات امتزاجی نوعیت کی ہیں مثلاً ایک طرف گداگری کو لعنت قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف سائل کی حاجت روائی کی تلقین کی گئی ہے۔

حیا دل کا حجاب ہے جو انسان کو فواحش و منکرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ مرد کی عزت نفس اور عورت کی نسوانیت کی محافظ ہے اسی لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔ بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی جانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے زنا، جو ایک بہت بڑی برائی ہے، کی زبردست سزا مقرر کی ہے۔ قرآن حکیم میں حکم ربانی ہے:[۶۹]

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥

''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔''

ہر فرد اس بات کا مکلف ہے کہ جو برائی بھی دیکھے اسے مٹا دے۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان۔[۷۰]

''تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے بزور بازو مٹا دے۔ جس سے یہ نہ ہو سکے وہ زبان سے ہی اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ جس سے یہ بھی نہ بن پڑے وہ دل میں اس کے خلاف جذبہ رکھے اور یہ ایمان کا

Marfat.com

سب سے نچلا درجہ ہے۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''خدا اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب سے مطلع کرے۔'' ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جیسا کہ تم خیال کرتے ہو) ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! تم ان باتوں کی تلقین کرو اور بری باتوں سے روکو۔ ظالم کے ہاتھوں کو پکڑ لو۔ ان کو حق پر آمادہ کرو اور حق پر ان کو قائم کرو۔''

انفرادی طور پر اصلاحِ احوال کی کوششوں کے ساتھ اجتماعی طور پر بھی کوشش کرنا لازمی ہے۔ معاشرے کے تمام افراد کو مل کر ظلم کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے اور یہ ہاتھ اس وقت تک اٹھا رہے جب تک کہ مظلوم کو اس کا حق نہ مل جائے۔ ایک صالح معاشرہ کی تعمیر اور عدل اجتماعی کا قیام اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو ایسے قوانین وضع کرنے چاہئیں کہ شہریوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل اعلیٰ شہری بننے کے تمام مواقع فراہم کیے جائیں مثلاً تعلیم اور روزگار کی ضمانت موجود ہو۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام معذور افراد کے لیے وظائف مقرر کیے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک ذمی کو مدینہ کی گلیوں میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھ لیا۔ آپ نے فوراً اُس کا وظیفہ مقرر کیا اور اس کا جزیہ بھی معاف کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے صاحب بیت المال کو لکھا: ''خدا کی قسم! یہ قرین انصاف نہیں کہ ہم لوگوں کو ان کے بڑھاپے کی عمر میں بے یار و مددگار چھوڑ دیں جب کہ ان کی جوانی کے ایام میں ہم نے ان سے پورا فائدہ اٹھایا ہو۔''[۱۷]

اِسی طرح عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یتیم بچے کے چچا زاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں۔ ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔

حکومت کو زندگی کے ہر شعبہ کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے لیے معاشرتی،

Marfat.com

ثقافتی، تعلیمی اور معاشی اصلاحات نافذ کرنا ہوں گی۔ عدل اجتماعی کے قیام کا عظیم منصوبہ صرف اسی صورت ہی میں کامیاب ہوسکتا ہے جب حکومت کی پوری مشینری اس کام کے لیے وقف ہو جائے۔ تمام ذرائع ابلاغ اس کے لیے وقف کر دیئے جائیں۔ ارکان حکومت خود اپنی زندگیوں کے عملی نمونے پیش کریں۔

ان برائیوں کے انسداد کے بعد ایک جمیل وجلیل اور مطہر ومنور معاشرہ معرض وجود میں آئے گا جس کے ماحول میں درخشندگی اور فضا میں تابندگی ہوگی اور یہ دین و دنیا دونوں کی سرفرازیوں اور سربلندیوں کا امین ہوگا۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم ۱۶:۹۰
"اللہ تعالےٰ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔"

۲۔ طبقات ابن سعد، حصہ اول، ص ۲۴۵، ۲۴۷

۳۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۱۳، ص ۴

۴۔ مجلہ، دفعہ ۱۷۰۵

۵۔ ابن عالم اور اسلام ص ۱۶۱، لاہور ۱۹۷۴

۶۔ قرآن حکیم ۱۶:۹۰

۷۔ قرآن حکیم ۴:۵۸

۸۔ قرآن حکیم ۶:۱۵۲

۹۔ قرآن حکیم ۵:۸

۱۰۔ قرآن حکیم ۵:۴۲، ۴۹:۹، ۶۰:۸

۱۱۔ قرآن حکیم ۴:۱۳۵

۱۲۔ اسلام میں عدل اجتماعی، سید قطب شہید، ص ۹۷۰، لاہور ۱۹۶۹

۱۳۔ قرآن حکیم ۴:۳

۱۴۔ قرآن حکیم ۴:۱۲۹

۱۵۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی

۱۶۔ قرآن حکیم ۶:۱۵۲

۱۷۔ قرآن حکیم ۵۱:۱۹

۱۸۔ قرآن حکیم ۴:۱۲۷

۱۹۔ ابوداؤد، ترمذی

۲۰۔ قرآن حکیم ۴:۵۸

۲۱۔ قرآن حکیم ۲:۲۸۲

۲۲۔ مسند امام احمدؒ

۲۳۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد کتاب الحدود و کتاب بدء الخلق

Marfat.com

۲۴۔ قرآن حکیم ۲۴:۲

۲۵۔ قرآن حکیم ۵:۳۸

۲۶۔ بخاری کتاب الشہادات وکتاب المغازی

۲۷۔ ابن کثیر، ج۱، ص ۴۲۸

۲۸۔ ابن اسحاق بروایت ابن ہشام

۲۹۔ قرآن حکیم ۶:۱۵۲

۳۰۔ قرآن حکیم ۵:۸

۳۱۔ قرآن حکیم ۴۲:۱۵

۳۲۔ قرآن حکیم ۵:۴۲

۳۳۔ قرآن حکیم ۴:۷۵

۳۴۔ قرآن حکیم ۴۹:۹

۳۵۔ بخاری کتاب الایمان، باب سُوأل جَبریلَ النَّبی ؐ عَنِ الاِیمَانِ والاِسلاَم

۳۶۔ قرآن حکیم ۲۸:۷۷

۳۷۔ قرآن حکیم ۵۵:۶۰

۳۸۔ قرآن حکیم ۴:۳۶

۳۹۔ قرآن حکیم ۲۹:۸

۴۰۔ قرآن حکیم ۱۷:۲۳......۲۴

۴۱۔ مسلم باب ۲۷

۴۲۔ بحر محیط ص ۱۰۱

۴۳۔ قرآن حکیم ۲:۲۶۴

۴۴۔ قرآن حکیم ۲:۲۸۰

۴۵۔ قرآن حکیم ۳:۱۳۴

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ قرآن حکیم ۲۴:۲۲

۴۸۔ جامع ترمذی باب ماجاء فی الاحسان والعفو

۴۹۔ قرآن حکیم ۲:۲۲۹

۵۰۔ قرآن حکیم ۲:۲۳۷

۵۱۔ قرآن حکیم ۶۰:۸

Marfat.com

۵۲ مسلم

۵۳ شرح اربعین نووی از ابن حجر

۵۴ قرآن حکیم ۲:۴۰

۵۵ قرآن حکیم ۳۸:۲۲

۵۶ قرآن حکیم ۶:۱۵۱

۵۷ قرآن حکیم ۷:۳۳

۵۸ قرآن حکیم ۱۷:۳۲

۵۹ بخاری و مسلم

۶۰ روایت ابوداؤد، ابن ماجہ از ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۱ قرآن حکیم ۴۹:۱۲

۶۲ قرآن حکیم ۲۴:۴

۶۳ ابوداؤد باب بخشی فی وجوہ المداحین

۶۴ بیہقی، موضوع: کبر و غرور

۶۵ قرآن حکیم ۲:۱۷۷

۶۶ قرآن حکیم ۲۴:۲۲

۶۷ قرآن حکیم ۵۷:۱۱

۶۸ قرآن حکیم ۶۴:۱۵

۶۹ قرآن حکیم ۳:۱۵۴

۷۰ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی

۷۱ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۲۷، مصر بحوالہ سیرۃ النبی، ج ۶ ص ۱۶۹، علامہ شبلی نعمانی

Marfat.com

Marfat.com

حضور بحیثیت داعی امن واخوت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا نام ہی اسلام ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجسم بن کر کتاب الٰہی کی عملی تشریح وتفسیر کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو تمام جہان کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ارشادت ربانی ملاحظہ ہوں:

۱۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. [۱]

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ تھا۔''

۲۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ. [۲]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہو جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔''

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت الگ الگ دعوتیں نہیں بلکہ یہ ایک ہی دعوت ہے۔ قرآن حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا چونکہ ایک مشن ہے جس کا مقصد و مدعا ایک ہے۔ امن واخوت کی سب سے پہلی اور اہم بنیاد توحید باری تعالیٰ ہے۔اگر تصور توحید بنیاد ہے تو امن واخوت اس کے دروازے، دیواریں اور چھت وغیرہ ہیں۔اگر عقیدۂ توحید روح ہے تو امن و اخوت اس کا جسم اور اعضاء ہیں۔تصور توحید اساسی امن کائنات ہے۔

امن واخوت کے قیام کے لیے دوسری اہم بات توحید کے ساتھ اقرار رسالت ہے۔یہ ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور آخری رسول تسلیم کیا جائے۔

امن واخوت کی تیسری بنیاد استحضار آخرت ہے۔فکر وآخرت کا تصور خود احتسابی کا تصور پیدا کرتا ہے یاد رہے کہ قطع رحمی، افواہ سازی اہانت مومن، طعن و تشنیع، کسی کے خفیہ حالات کا تجسس، بغض و کینہ اور غیبت امن واخوت کے لیے زہر قاتل ہے۔

Marfat.com

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی کے وقت خدا کی مقدس زمین فواحش و منکرات، عصیان، طغیان، بداخلاقی و بداعمالی اور فسق و فجور کی نجاستوں سے بھر چکی تھی۔ لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا ہی نتیجہ تھا کہ پورے عرب اور پھر پوری دنیا کا سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی منظر یکسر تبدیل ہو گیا۔ یہ پرامن انقلاب انقلابات عالم کی تاریخ میں ایک معجزہ ہے۔ اس کی بھرپور مخالفت ہوئی لیکن اس کے باوجود رفاقت کرنے والوں کی مثالی رفاقت کے پیش نظر اسلام قریہ قریہ اور بستی بستی کی آواز بن گیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ثمرہ ہی تھا کہ قرآن حکیم ''چوں بجاں دررفت'' کے مصداق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا۔ ان کے اذہان و قلوب اس کے نور سے منور ہو گئے۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے زندگی بخشنے والی تازگی جیسی نعمت حاصل کی۔ اگر پہلے ان کو زندگی عزیز تھی تو اب موت عزیز تر ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے خیالات کی رو بدل گئی، اخلاق اقدار بدل گئیں۔ جنگ و صلح کے اسالیب بدل گئے۔ یہ تبدیلی ہمہ گیر تھی۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک خیر و فلاح کے علاوہ کچھ نہ رہا۔ یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اعجاز تھا۔ اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۳] کہ اِنَّمَا بعثتَ مُعلّمًا یعنی ''میں تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اقرار باللسان ہی کافی نہیں بلکہ تصدیق بالقلب بھی اس کے لیے لازمی شرط ہے۔ اس سلسلے میں منافقین مدینہ کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو ارکان اسلام کی بجا آوری کرتے تھے لیکن ان کے دل نور یقین سے خالی تھے۔ اس لیے ان کا ٹھکانہ جہنم ٹھہرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبعًا تِمَاجِئتُ بِہٖ۔

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔''

کامل اطاعت ہی عمل کی تحریک کو جنم دیتی ہے اور اس کے ذریعے ہی نفس کی خواہشات کو کچلنے کا ولولہ ابھرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ[۴] اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ''اللہ کے مطیع بنو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان بن کر رہو۔'' اس پیروی میں بقا و دوام ہے۔

Marfat.com

صاحب تفسیر مظہری رقم طراز ہیں: فان طاعۃ الرسول فی کل امر بحی القلب وعصیانہ یمنیہ کہ "ہر بات میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے دل زندہ ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی سے دل مردہ ہوتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی اساس حکمت ہے جو انسانی عقل اور شعور کی پختگی سے عبارت ہے۔ یہی قرآن ہے جس میں نجات، بقا اور حیات ہے۔ یہی وہ جنس کمیاب ہے جسے قرآن حکیم خیرٌ کثیرٌ قرار دیتا ہے[۵] یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ یعنی "(اللہ) جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر پورا اسلامی معاشرہ باہمی خیر خواہی کے گہرے جذبے سے سرشار ہو کر بنیانٌ مرصوص بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے ایسے ہی معاشرے کے افراد کی یہ صفت بیان کی ہے۔[۶] اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ. یعنی "وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔" یہی لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے سے قبل ضعیف اور ذلیل تھے۔ لیکن جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر لبیک کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت بخشی۔ انہوں نے معاشرے کو طاغوتی طاقتوں سے پاک وصاف کیا اور خالص توحید، حسن وصداقت، اخوت و مساوات اور محبت و رحمت کی بنیادوں پر ایک ایسے معاشرے کی تشکیل و تعمیر کی جو ہر اعتبار سے مثالی تھا۔

جو شخص اسلام کے دامن میں پناہ لیتا ہے اس کی زندگی مسلسل جہاد بن جاتی ہے۔ کبھی نفسانی خواہشات غلبہ کرتی ہیں تو ان سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ شیطان کبھی دشمن کا خوف سامنے لاتا ہے اور کبھی مال و دولت کے لٹ جانے کا غم، کبھی دشمن کی ناپاک نگاہیں سرحدوں کی طرف سے اٹھتی ہیں تو کبھی آئین خداوندی پکارتا ہے۔ کبھی وطن اور دین الٰہی کے لیے جان و مال کا نذرانہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ ہر مسلمان کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا رشتہ صحیح بنیادوں پر استوار کرے۔ کیونکہ یہ رشتہ ہی ہمارا مقصد زندگی مقصود حیات اور نصب العین ہے۔ اگر کسی قسم کی پہلو تہی کی گئی تو یہ رشتہ قائم نہ رہے گا اور دنیا میں پھر ذلت اور رسوائی ہمارا مقدر بن جائے گی۔ اسی لیے زندگی کے ہر شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر لبیک کہنے میں ہی کامیابی کی ضمانت مضمر ہے۔ چاہے یہ شعبہ دعوت و تبلیغ کا ہو یا

Marfat.com

یہ جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ وابستہ ہو، ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل کے لیے اپنے تمام ذرائع بروئے کار لانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔ جب جہاد کی نفیر بج جائے تو پھر تمام دیگر حقوق اور پابندیاں ساقط ہو کر صرف فریضۂ جہاد ہی قائم رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ دین کی حقیقی زندگی اور اس کے غلبہ کا راز جہاد فی سبیل اللہ میں ہی پوشیدہ ہے۔

جہاد کسی بھی مسلم ریاست کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ جرائم کے انسداد کے لیے پولیس اور عدالت کا انتظام، اسلام درحقیقت ایک اخلاقی، معاشرتی و معاشی اصلاح کی دعوت سے عبارت ہے۔ یہ جہاں عدل و انصاف سے ہٹنے والوں کے خلاف کارروائی کا حکم دیتا ہے وہیں ظالم و بے رحم، سماج، گروہ اور حکومت کے خلاف بھی کارروائی کا حکم دیتا ہے تاکہ اللہ کی دنیا میں حقیقی عدل و انصاف قائم ہو سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ خودغرض افراد یا پارٹیاں دنیا کے امن کو خراب نہ کر سکیں۔ جہاد کے لغوی معانی نہ جنگ کے ہیں اور نہ اصلاحی، اصلاح کی اس کوشش کا نام جہاد ہے جس کا آغاز تبلیغ سے ہوتا ہے، اس جدوجہد رحمت کی نوعیت مستقل ہے۔ یہ تمام مخلوقات کے لیے رحمت بننے کی سعی پیہم ہے جب کہ یہ برائیوں کے لیے پیغام مرگ ہے۔ اسلامی معاشرے کا قیام، ظالم اور تخریب پسند قوتوں کا خاتمہ اور دعوت اسلام دینا نظریۂ جہاد کی خصوصیات ہیں۔ جہاد امن وسلامتی کے قیام کا ضامن ہے اور تحریک رحمۃ للعالمینی کا جزو لاینفک ہے۔ یہ فی سبیل اللہ ہوتا ہے اور مظلوموں کی حمایت میں کیا جاتا ہے۔ اس کی چار اقسام ہیں:

جہاد بالسیف، جہاد باللسان، جہاد بالقلم اور جہاد بالمال۔ یہ صلح پر یقین رکھتا ہے اور شہری آبادی کی ہلاکت کے خلاف ہے۔ اس کا مقصد اور نصب العین انصاف اور حق کا بول بالا ہے ورنہ ایک انسانی جان کا قتل گویا بنی نوع انسان کا قتل ہے۔[۶] اس میں کسی بھی قسم کی ذاتی اغراض کارفرما نظر نہیں آتیں۔ دنیا میں ایسے بھی حکمران نظر آتے ہیں جن کی زندگی کا مشن ہی جوع الارض یا ذاتی انا کی تسکین تھا جیسے اسکندر اعظم اور ہٹلر۔ اول الذکر فاتح اعظم بننے کے جنون میں مقدونیہ سے ہندوستان تک کے علاقے مسخر کرتا چلا آیا۔ جب کہ موخر الذکر نے محض اس لیے لاکھوں یہودیوں کا قتل عام کرایا اور یورپ کے امن کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا کہ تمام غیر آریائی لوگ ناپاکیزہ نسل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اسلامی جہاد میں جنون یا تشدد جیسے عوامل بھی کارفرما نظر نہیں آتے جیسے کہ صلیبی جنگیں جو کہ مذہبی جنون کے زیر اثر لڑی گئیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ

Marfat.com

بادشاہوں اور حکمرانوں نے اپنی دھاک بٹھانے کے لیے بے شمار بستیوں کو اُجاڑا ہے۔ اِسی کا نقشہ قرآن نے ملکہ سبا کی زبان سے ادا کیا ہے:[۸]

اِنَّ الۡمُلُوۡکَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡیَۃً اَفۡسَدُوۡهَا وَ جَعَلُوۡۤا اَعِزَّۃَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّۃً ۚ

''بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔''

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کو ایک نیا مقصد دیا یعنی امن کا قیام جو انصاف کے رنگ میں رنگا ہو، اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر انہیں عزت، وقار اور عدل سے ہمکنار کیا جا سکے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں بتوں کی پوجا کی جاتی تھی، قبائلی عصبیت شر و فساد کا سرچشمہ تھی وہاں داعیٔ اسلام کا اعلائے کلمۃ اللہ کہہ دینا ہی اعلان جنگ تھا۔ کیونکہ یہ ان کی سرے سے ہی نفی کرتا تھا۔ حق کی حمایت اور اشاعت کے لیے جدوجہد کرنا، اس میں جان و مال کی قربانی دینا اور بے خوف ہو کر تکلیف برداشت کرنا ہی جہاد ہے۔ یہی وہ مقصد ہے جسے قرآن حکیم نے اس طرح واضح کیا ہے:[۹]

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ.

''جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔''

ہر قوت کے لیے ایک مخالف قوت ہوتی ہے۔ حق و باطل کے درمیان تصادم ناگزیر ہوتا ہے۔ باطل قوتیں ہر وقت دنیا میں فتنہ و فساد پھیلاتی رہتی ہیں لہٰذا دنیا سے فتنہ و فساد ختم کرنے کے لیے باطل قوتوں کا مقابلہ ضروری ہوتا ہے تاکہ بنی نوع انسان کی فلاح حاصل ہو جو کہ فتح کی صورت میں حاصل ہوگی۔ بعثت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد احترام حاصل تھا لیکن اُس کے فوراً بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعذیب شروع ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاومت بے مزاحمت کی۔ اس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک ہتھیار تھا۔ ''صبر''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی صبر سے کام لیتے تھے اور اپنے متبعین اور مقلدین کو بھی اس کی تلقین و تاکید فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ مسلح تصادم کی راہ اختیار نہ کی

Marfat.com

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آفاقی مشن تلوار کی بجائے کردار کے ذریعے قریش کے قلوب کی تسخیر کرنے کا عزم کر چکا تھا۔ یہ تعذیب بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت پر منتج ہوئی۔ اس کے بعد کے اقدام مستعد مزاحمت کا حامل بن گئے۔ یہ عمل تکبیر رب کی سعی و جہد ہے۔ مکی دور میں دعوت و تبلیغ شدائد و مصائب کے برداشت کرنے کے درجہ میں تھی جب کہ مدنی دور میں ایک مسلح تصادم بدر و احد اور خندق کے معرکوں کی صورت میں ہویدا تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد قریش نے مدینہ کی ایک سرکردہ شخصیت، عبداللہ بن ابی جو بعد میں رئیس المنافقین کے نام سے مشہور ہوا، کو خط لکھا کہ تم ہمارے دشمنوں کو مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب تم پر حملہ آور ہو کر تمہارے مردوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں سے داد عیش دیں گے، لڑکے اور لڑکیوں کو غلام اور لونڈیاں بنائیں گے۔ [۱۰]

یہ باطل کی طرف سے کھلم کھلا اعلان جنگ تھا۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے کبھی بھی ہتھیار نہ چلایا تھا اور جن کی رحم دلی کے باعث طعنے دیئے جاتے تھے ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ تلوار اٹھائیں۔ بالآخر بدر کا عظیم الشان معرکہ ظہور پذیر ہوا جو تحریک اور جمود کے درمیان ٹکراؤ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انسانی کا اندازہ ہم اِس واقعہ سے بھی کر سکتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں کی کراہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اڑ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک آرام سے نہ سو سکے جب تک کہ ان کے بندھن ڈھیلے کر کے انہیں آرام نہ پہنچا دیا گیا۔ اس غزوہ میں گرفتار ہونے والے دشمنان اسلام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احسن سلوک کیا اس کے متعلق ولیم میور رقم طراز ہے:

> ''محمد کی ہدایت کے مطابق اہل مدینہ نے اور ان مہاجرین نے، جن کے پاس خود رہنے کو مکان تھے، قیدیوں کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کے ساتھ بڑی مروّت سے پیش آئے۔ بعد میں ان میں سے ایک قیدی نے کہا: خدا کی رحمت ہو جو مدینہ کے لوگوں پر ہمیں سواری دیتے تھے اور خود پیدل چلتے تھے۔ ان کے ہاں گندم کی روٹے کی کمی تھی۔ پھر بھی انہوں نے ہمیں وہ کھانے کو دی اور خود کھجوروں پر بسر کی۔'' [۱۱]

اللہ تعالیٰ نے انہی کے متعلق فرمایا: [۱۲]

Marfat.com

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۝

''اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ میں ایک بھی واقعہ ایسا نظر نہیں آتا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت جذبات میں کوئی ایسا اقدام کیا ہو جس کی اخلاق اجازت نہ دیتا ہو۔ غزوہ ابوا (صفر ۲ھ) کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امن پسندی اور وسعت قلبی ملاحظہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ ان سے غیر جانبدار رہنے کو فرماتے ہیں بلکہ فیصلہ بھی ان ہی پر رکھتے ہیں کہ صلح و انصاف کی جو بات ان کی سمجھ میں آئے وہ فریقین کے سامنے پیش کریں، ماننے نہ ماننے کا ان کو اختیار ہے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کرنا ہی چاہتے تو کوئی بھی امر مانع نہ تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے معاہدہ کی شرائط ماننے پر تیار ہو جاتے ہیں جو بظاہر بڑی حوصلہ شکن ہیں۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مشیر بھی انگشت بدنداں ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہے کہ امن کی فتوحات جنگوں کی نسبت بہت بڑی ہوتی ہیں۔ معاہدہ طے پانے سے قبل قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشتعال دلانے کے لیے کئی ایک اقدامات کیے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل صبر و تحمل اور ضبط نفس سے کام لیا اور کسی بھی طرح اشتعال کی نوبت نہ آنے دی۔ ان اقدامات میں قریش کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی خراش بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اونٹ کو ذبح کرنا، ان کے قتل کے درپے ہونا، عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک لینا، مقام تنعیم کی طرف سے مسلمانوں پر چھاپہ مارنا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ چھاپہ مار پکڑ لیے گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی غیر مشروط طور پر چھوڑ دیا۔

راہ حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ صعوبتوں سے گذرنا پڑا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی گالیوں کا بدلہ ''صفح جمیل'' سے دیا۔ ان کے مظالم کا مقابلہ ''صبر جمیل'' سے کیا اور ان کی خود غرضیوں اور جہالتوں کا عوض ''ہجر جمیل'' اور خاموشی کو بنایا۔ وہی مکہ جس کے باسیوں کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان گنت شدائد جھیلنے پڑے اور جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استخفاف میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ چھوڑا۔ جب اس پر قحط کا زمانہ پڑتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے غلہ کی رسد جاری کر دیتے ہیں اور اس شہر کے غرباء کے

Marfat.com

لیے پانچ سو اشرفیاں نقد بھجواتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امن پسندی کا ایک عدیم المثال مظاہرہ تاریخ نے فتح مکہ کے موقع پر دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وھذا البلد الامین اور خانہ کعبہ کے متعلق فرمایا: ومن دخلہ کان امنا۔ ''اور جو شخص اس مبارک گھر میں داخل ہوا وہ امن میں آ گیا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو درج ذیل ہدایات دیں۔[۱۳]

۱۔ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے اس کو امن دیا جائے۔

۲۔ جو شخص مقابلے کے وقت ہتھیار ڈال دے اس کو امن۔

۳۔ جو شخص لڑائی سے بھاگ جائے اس کو امن۔

۴۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن۔

۵۔ جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو کر کنڈی لگا لے اس کو امن۔

۶۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو امن۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو انسانوں کی فطری مساوات اور اخوت کے بارے میں قرآن حکیم کے احکام بیان کیے، پھر فرمایا: ''اے قریش! میری طرف سے تمہیں اپنے لیے کس سلوک کی توقع ہے؟''

انہوں نے جواب دیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے شفیق برادر اور مہربان برادر کے فرزند ہیں۔ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھلائی ہی کی توقع ہے۔'' یہ الفاظ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:[۱۴] لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ز وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ o یعنی ''آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ جاؤ تم سب آزاد ہو اذھبوا، فانتم الطلقاء[۱۵] حالانکہ وہ لوگ عرفاً، قانوناً اور اخلاقاً ہر لحاظ سے مجرم تھے اور دین و سیاست دونوں پہلوؤں سے قابل گردن زنی۔ یہ ایک ایسی فتح تھی جس میں نہ کوئی فاتح تھا نہ مفتوح، نہ کوئی غالب تھا نہ مغلوب، ایک ایسی فتح جو فتح الفلوح تھی۔ فتح الایثار تھی، فتح الایمان تھی۔ فتح الخیر اور فتح الاسلام تھی۔ ع

Marfat.com

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ!

ہجرت سے پہلے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر عبادت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے اس مقصد کے لیے کنجی مانگی۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کے احترام کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عثمان کسی دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی۔ مجھے اختیار ہو گا کہ میں جس کو چاہوں اسے دوں۔''

فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کنجی بنو ہاشم کی خواہش کے باوجود ان کو نہ دی بلکہ عثمان بن طلحہ کو دی اور فرمایا:

''اے عثمان! اپنی کنجی لو۔ آج وفا اور سلوک کا دن ہے۔ اس کو لو یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ موروثی طور پر رہے گی۔ ظلم کے سوا کوئی بھی تم سے اس کو نہیں چھینے گا۔''[16]

اس کے برعکس عام طور پر اقتدار حاصل کرنے والے سب سے پہلے اپنے مخالفین کی سرکوبی کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق پسندی اور امانت داری کے اعتبار سے معاملات کو دیکھا۔

غزوہ احد میں وحشی بن حرب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا اور ہند بنت عتبہ نے ان کی لاش کا مثلہ بنایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو وقتی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گیا کہ لئن اظهر فی الله علیهم لا مثلن بثلاثين رجلا منهم یعنی ''اگر اللہ نے مجھے ان کے اوپر فتح دی تو ان کے تین آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔''[19] لیکن فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی معاف فرما دیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے لیے ہر قسم کی تخریبی سرگرمیوں کا دروازہ بند کر دیا۔ مزید براں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رویے کی وجہ سے کفار کی اکثریت مشرف بہ اسلام ہو گئی۔

عکرمہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کے بیٹے تھے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے پناہ صعوبتیں پیدا کیں۔ خود عکرمہ نے اسلام کے خلاف کئی ایک لڑائیوں میں حصہ لیا۔ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلے گئے، البتہ ان کی بیوی نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ خود

Marfat.com

یمن گئیں اور عکرمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو ان کے خیر مقدم کے لیے تیزی سے اُٹھے کہ جسم اطہر پر چادر تک نہ تھی اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:[18] مرحبا یا راکب المھاجر یعنی ''اے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک۔'' اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا:

یاتیکم عکرمۃ مومنا فلا تسبوا اباہ فان سب المیت یوذی الحی.

''عکرمہ مومن ہو کر تمہارے پاس آ رہے ہیں تم ان کے باپ کو برا نہ کہنا۔ مردہ کو برا کہنے سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔''

فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے جو بیعت لی اس کے الفاظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ توقع کا غرور ہے نہ اپنی حاکمیت کا اقرار اور نہ ہی کوئی مادی مطالبہ۔ صرف انسانی سماج سے برائیاں اور گمراہیاں دور کرنے کے لیے خدا کی حاکمیت کا اقرار ہے۔ فتح مکہ ہی کے روز سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نعرہ لگایا: الیوم یوم الملحمۃ، الیوم تستحل الحرمۃ. ''آج جنگ کا دن ہے، آج تو کعبہ کی حرمت بھی حلال ہو جائے گی۔'' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الیوم یوم المرحمۃ، الیوم یوم المرحمۃ ''آج تو رحمت کا دن ہے، آج تو رحمت کا دن ہے۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے علم لے کر ان کے بیٹے قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا جو ٹھنڈے مزاج کے مالک تھے۔[19] اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ زندگی کا اصل راز لڑائی سے بچ کر اپنے آپ کو اتنا طاقتور بنانا ہے کہ لڑائی کے بغیر محض دبدبہ سے حریف ہتھیار ڈال دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انسانی کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ غزوہ حنین کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہوازن کے چھ ہزار قیدی آزاد کر دیئے بلکہ متعدد قیدیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے بھی دیئے۔ اصل مقصود یہاں لوگوں کو ہلاک کرنا یا غلام جمع کرنا نہیں تھا۔ مقصود تو صرف نظام حق کی اقامت اور دلوں کو اس کے لیے ہموار کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو اپنی متروکہ املاک بھی واپس نہ دلائیں۔ اگر جہاد کا مقصود حصول زر و زمین ہوتا تو اس سے بڑھ کر نادر موقع اور کوئی نہیں تھا۔

Marfat.com

ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا فقرہ جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا: یآیھا الناس افشو السلام ''لوگو! امن وسلامتی پھیلاؤ۔'' ایک اور موقع پر ارشاد ہوا: وتحابوا بروح اللہ بینکم ''آپس میں ایک دوسرے سے ذات الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی فیاضانہ برتاؤ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے جو معاہدہ کیا وہ امن اور مفاہمت کی بہترین عملی شکل تھا۔ لیکن انہوں نے مدینہ اسلامی کی ریاست کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کیے رکھا۔ ان کو اپنے کرتوتوں کی سزا ملی۔ پھر بھی اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ بنو قریظہ کو اپنی غداری کی جو سزا ملی۔ وہ ان کے اپنے چنے ہوئے ثالث (سعدؓ بن معاذ) کے فیصلے کے مطابق تھی، جنہوں نے ان کو ان کے ہی قانون کے مطابق سزا سنائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو اس کے قائد کو یہ ہدایت فرماتے:[20]

''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ کے نام پر قتال کرنا اور اللہ ہی کے راستہ میں اس سے قتال کرنا جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا۔ غداری نہ کرنا، مال غنیمت کی چوری نہ کرنا۔ کسی بچے، عورت اور کار رفتہ بوڑھے یا کسی معبد میں بیٹھے ہوئے گوشہ گیر کو قتل نہ کرنا، کسی کھجور کو ہاتھ نہ لگانا کسی درخت کو نہ کاٹنا، کسی عمارت کو نہ گرانا۔''

اسلام سے پہلے یہ حالت تھی کہ پورے عرب میں قتل وغارت، انتقامی کارروائیوں، خانہ جنگیوں اور معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا اور بڑی بڑی حکومتوں کے کارواں بھی بڑے غیر معمولی پہرہ، حفاظتی بندوبست اور ماہر رہبروں کی مدد سے چلتے تھے ایک ایسا ماحول جہاں ڈاکے پڑ رہے تھے، قتل ہو رہے تھے، کھلم کھلا عصمتیں لٹ رہی تھیں۔ کون یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس ماحول میں مسافر تن تنہا بے کھٹکے سفر کرے گا۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ مکہ کو بے نگہبانی کے قافلہ جایا کرے گا۔[21] آپ کی جنگی حکمت عملی کو رحمت پر مبنی حکمت عملی ہی کہا جائے گا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کا مقصد رفع شر اور

Marfat.com

استیصال منکر تھا۔ قرآن حکیم نے جنگ کو بس اس وقت تک جائز رکھا جب تک فتنہ باقی ہو۔[۲۲]

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

''ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔''

جہاد مقدور بھر جدوجہد اور مساعی جمیلہ سے عبارت ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''الجہاد والمجاہدۃ کے معنی دشمن کے مقابلے میں پوری قوت صرف کرنے کے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مطہرہ مقدور بھر جدوجہد اور مساعی جمیلہ کی عملی تفسیر ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی جدوجہد کے نتیجہ میں عرب کے اطراف میں اس قدر امن واطمینان ہو گیا کہ ایک محمل نشین خاتون حیرہ سے چلتی اور کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا ڈر نہ ہوتا۔[۲۳]

اسلام نے امن یا صلح کے نام پر ظلم کو خاموش تماشائی کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ وہ اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ اس کا مقصد لوگوں کو جبر وتشدد سے بچانا ہے تاکہ عدل قائم ہو سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا تقابل اگر عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے کیا جائے تو حیرانگی ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ خیال نہ کرو کہ میں دنیا میں امن پھیلانے آیا ہوں۔ میں امن لے کر نہیں آیا بلکہ تلوار لے کر آیا ہوں۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ بیٹے کو باپ سے، بیٹی کو ماں سے اور بہو کو ساس سے جدا کروں۔''[۲۵]

اس کے علی الرغم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کو صرف مظلوم کی امداد، ضعیفوں، عاجزوں اور بچوں کو پنجۂ ستم سے نجات دلانے کا وسیلہ قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں سفاکی اور انسانیت سوز حربوں کو ممنوع قرار دیا بلکہ جنگ کی نسبت ہر حالت میں امن اور صلح کو ترجیح دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد ربانی[۲۶] کے مطابق دشمن کے دلوں پر اپنی دھاک بٹھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کا علاقہ فتح ہوا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۸ غزوات میں سے صرف ۹ میں لڑائی ہوئی۔ باقی ۱۹ میں دشمن بغیر کسی مزاحمت کے بھاگ گیا۔ اس پورے عرصہ میں ۲۵۹ مسلمان شہید اور ۷۵۹ غیر مسلم ہلاک ہوئے۔ اس کے برعکس روس میں ۱۹۱۷ء میں لینن کے برپا کردہ انقلاب میں لاکھوں

Marfat.com

افراد کو اپنی جان کی قربانی دینا پڑی۔ الجزائر کے جہاد آزادی میں ۲۵ لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ قیام پاکستان کے لیے کم و بیش ایک کروڑ انسان کام آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض دس برسوں میں تاریخ کا دھارا موڑ دیا اور بکھرے ہوئے قبائل اور انتہائی وحشی افراد کو پاکیزہ اخلاقی تعلیم کے ذریعے عظیم سچائیوں سے واقف کرایا۔ ارشاد نبوی ہے:

انا نبی رحمة انا نبی المحه.

''میں رحمت کا پیغمبر ہوں، میں جنگ کا پیغمبر ہوں۔''

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کا اعجاز تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کشت و خون کی بجائے اخلاق سے دل موہ لیے۔ ایک لڑائی میں رومی سپہ سالار حالات سے آگاہی کے لیے اپنے جاسوس بھیجتا تھا جو واپس جا کر اسے بتاتے ہیں کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں: ھم باللیل رھبان و بالنھار فرسان یعنی وہ راتوں کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار۔'' یہی اسلام کی اصل زندگی ہے۔ جہاد چونکہ تعمیری و مثبت مقاصد کی خاطر کیا جاتا ہے اس لیے اس میں خون انسانی کا احترام اور احترام انسانیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی لڑائیاں بھی لڑیں وہ ٹھوس اخلاقی اصولوں پر کاربند رہ کر لڑیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم فتوحات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت اور انسانیت نوازی میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تاریخ ایسی کوئی بھی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب زمین میں ایک دفعہ امن قائم ہو جائے تو پھر اسے تباہ نہ کیا جائے۔[۲۷] تشدد اور خون ریزی کے اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کر لیا کہ خیالات طاقت سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حربی مہمات کا اصل مقصد یہ تھا کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر انہیں عزت، وقار اور عدل سے ہم کنار کیا جائے اور دنیا میں اجتماعی امن قائم کیا جائے۔ اسلام نے صرف اپنے تحفظ کی خاطر تلوار نیام سے نکالی اور اپنے تحفظ ہی کی خاطر اسے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ جہاں تک اسلام کی تبلیغ کا تعلق ہے یہ طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا چاہے یہ فوجی ہو، سیاسی ہو یا معاشی ہو۔[۲۸] اسلام اس عظیم کائنات میں عظیم وحدت کا دین ہے۔ یہ شروع سے ہی ایسے عناصر کی نفی کرتا ہے جو جنگ و جدال کا باعث بنتے ہیں مثال کے طور پر نسلی تعصب، نوآبادیاتی اور استحصالی قوتیں۔

Marfat.com

اسلام دراصل اس لیے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ وہ کلی یعنی موضوعی، معروضی اور اخروی سلامتی کا نقیب وعلمبردار ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے سلامتی کے معنی ہیں خوف وحزن کا فقدان اور امن واطمینان کی حالت۔ قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:[29] یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً "اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ۔"

اسلام ساری انسانیت کو ایک بشریت شمار کرتا ہے۔ یہ دین کو صرف ایک دین شمار کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لڑائیاں بھی لڑیں وہ محض تلواروں اور تیروں کی لڑائیاں نہ تھیں۔ یہ عقیدے، نظریئے اور کردار کی لڑائیاں تھیں۔ اجتماعی تبدیلیاں بغیر مزاحمتوں کے واقع نہیں ہوتیں۔ جب تک کوئی تحریک قوت کا سہارا نہیں لیتی، اجتماعی اصلاح کے منصوبوں کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کا نیا نعرہ لے کر تشریف لائے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان کارزار میں بھی رکوع وسجود سے غافل نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ ڈسپلن کے مخصوص طور واطوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن کا ماحول فراہم کیا، قانون کی علمداری قائم کی اور معاشرے کو اخوت ومساوات کی بنیادوں پر استوار کیا۔

اخوت اسلامی تحریک کی جان ہے۔ اس کی مدد سے غیر اپنے اور مخالفت دوست بن جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اپنے اندر ایک ایسا نظام اخوت رکھتی ہے جو مسلمانوں کو بُنْیَانٌ مرصوص بنا دیتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں ایک ایک فرد کی ایک دوسرے سے باہمی محبت، شفقت، اخوت، خیر خواہی، گرویدگی اور پیوستگی اس درجہ ہوتی ہے جیسے کسی عمارت کی اینٹیں باہمی طور پر پیوست ہوتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے سہارے کا باعث بھی بنتی ہیں اور ایک دوسرے کا وجود بھی سہارتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خیر خواہی کا سبق دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[30]

اَلْمُؤمِنُ کالبُنیان یشدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا، ثُمَّ شبک بَیْنَ اَصَابِعِہٖ.

"مسلمان مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو قوت پہنچاتا ہے۔ پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی

Marfat.com

انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا۔''

باہمی اخوت واتحاد کے بغیر قوم خلفشار کا شکار ہو جاتی ہے۔اسی لیے قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے[۳۱] کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا یعنی ''سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

حضور نے فرمایا: ''جو مسلمان اپنی جماعت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا، اور اسی حالت میں مر گیا تو اس نے جہالت یعنی کفر کی موت پائی۔''

ایک اور مقام پر فرمایا: ''تو دیکھتا ہے مومن باہمی رحم دلی، محبت اور ارتباط کی وجہ سے ایک جسم کی مانند ہیں کہ جب کوئی عضو بیمار ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔''

ظہور اسلام سے قبل دنیا نسل، زبان اور رنگ کے تین دوائر میں منقسم تھی۔ بلحاظ نسل جو حقوق برہمنوں کو ہندوستان میں کھتری، ویش، شودر اور چنڈال لوگوں پر حاصل رہے ہیں یا اسرائیلیت میں بنی لادی کے لیے مختص حقوق یا اولاد یعقوب علیہ السلام میں بنی یہودا کے لیے حقوق سلطنت مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ ہندوؤں میں شودروں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا جیسا کہ شلوک میں درج ہے: ''یدی شودر آہنکار دسی کسی برہمن کو دھرم کا اُپدیش کرے تو راج اس کے منہ اور کان میں کھولتا ہوا تیل ڈلوائے۔''[۳۲] چھوت چھات کا یہ عالم تھا کہ برہمن پر اگر ہریجن کا سایہ پڑ جاتا تو اس کا دھرم بھرشٹ ہو جاتا۔

زبان کے اعتبار سے سنسکرت کا غلبہ اکرت اور تامل، عبرانی کا غلبہ دیگر لغات پر، لاطینی کا تفوق یورپ کی باقی زبانوں پر، فارسی کا دبدبہ اس وقت کے ہندوستان، افغانستان، خراسان اور ترکستان میں اور عربی کی فضیلت دنیا کی سب زبانوں پر اس وقت جب کہ عرب اپنے مقابلہ میں سب کو عجمی (گونگے) کہتے تھے: رہا ہے

تیسری تقسیم بلحاظ رنگ کے تھی۔ سرخ رنگ یا زرد رنگ یا مسی رنگ یا گندمی رنگ یا سفید رنگ یا سیاہ رنگ، انسانوں کے حقوق و مناصب میں ہمیشہ سے جو امتیازات رہے ہیں اور ہر فرمانروا نے اپنی رنگت کے سوا دوسری رنگت کے انسانوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے اس پر ایک دردمند آج بھی لہو کے آنسو بہاتا ہے۔

Marfat.com

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ایک نمایاں پہلو اخوت ہے۔ یہ وہ بھائی چارہ اور باہمی تعلق ہے جو اسلام نے مسلمانوں میں قائم کیا ہے۔ اسلام نے نسلی امتیاز کی نفی کرتے ہوئے حکم دیا ہے:

۱۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ [۳۳]

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلق کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

۲۔ اِنَّ اَکْرَمَکُم عِندَ اللّٰہِ اَتقٰکُمْ ط [۳۴]

"درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

ظہور اسلام سے قبل عربوں میں نہ کوئی وحدت تھی نہ اخوت بلکہ ہر طرف اختلاف، انتشار اور ظلم وستم کا دور دورہ تھا۔ وہ بے شمار قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ عرب بنیادی طور پر انارکسٹ اور انتہا پسند تھے۔ اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اس نے دنیا پر کیا، مساوات عام قائم کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات سے انتشار کو وحدت اور ظلم وستم کو اخوت اور مساوات میں بدلا۔ اسلام کی آواز پر لبیک کہنے والے معاشرے کے مظلوم اور پسے ہوئے افراد تھے۔ آپؐ کی تعلیمات کی بدولت مساوات اور جمہوریت نے جنم لیا جو اس سے پہلے دنیا میں موجود نہ تھی۔ اب دولت اور حسب ونسب کے پیدائشی دعووں کی کوئی اہمیت نہ رہی۔ غلام مسلمان ہو کر آزاد ہو جاتا اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی بدولت دھتکارے ہوئے غلام آقا بن جاتے۔ قریش نے اسلام کے اس مساویانہ انداز فکر کی بھرپور مخالفت کی کیونکہ اسلام نے ان کے اس تفوق کا بھی خاتمہ کیا جو اسے دیگر قبائل پر حاصل رہا تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے، اپنے گھر سے بھی پہلے، خانہ خدا کی نیو ڈالی کہ مسجد میں اسلام کی میخ ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخاۃ کا ایک مثالی نظام قائم کیا۔ یہ اسلام کو ہر قسم کے قرابتی اور نسلی تار و پود سے بچانے کے سلسلہ کا پہلا مرحلہ تھا اور اس کی آخری کڑی فتح مکہ کے موقع پر ارشاد کیا گیا خطبہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

انصار کے ان قبائل کو، جو برسوں سے لڑتے چلے آ رہے تھے، شیر و شکر کر دیا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ یعنی بھائی چارہ کرا دیا مثلاً ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حذیفہ بن ایمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخی قرار پائے۔

اس طرح کم و بیش پینتالیس مہاجرین انصار مدینہ کے بھائی بن گئے۔ ایسا کرتے وقت عمر، مزاج، سماجی مرتبے کا بھی لحاظ رکھا گیا تاکہ یہ سب تسبیح وحدت کے دانے بن جائیں۔ انصار نے اس رشتے کا اس درجہ احترام کیا کہ اپنی ہر شے، مال و اسباب کاروبار، زمین، جائیداد وغیرہ اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ نصف نصف بانٹ لیے۔ جن انصاریوں کے ہاں ایک سے زائد بیویاں تھیں وہ ایک کو طلاق دینے اور اسے اپنے مواخاتی بھائی کے نکاح میں دینے کو تیار ہو گئے۔ سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور یہ پیش کش کی۔ انہوں نے ان کی شفقت کا شکریہ ادا کیا اور صرف بازار کا راستہ پوچھا اور تجارت شروع کر دی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت نے اس حد تک فروغ پایا کہ خود ان کا قول تھا کہ مٹی پر ہاتھ ڈالتا ہوں سونا بن جاتی ہے۔ ان کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا اور جس روز مدینہ منورہ پہنچتا تھا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔[۳۵] اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لے کر اپنا کاروبار شروع کیا اور جلد ہی وہ مدینہ منورہ کے متمول تاجروں میں شمار ہونے لگے۔ یہ تھی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کی جیتی جاگتی اور زندہ و جاوید عملی تصویر۔

اس مواخاۃ پر، اس اقتصادی تعاون و توازن پر، اس قلبی و نظریاتی یگانگت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست اور معاشرے کو استوار کیا۔ مدینہ منورہ کی چھوٹی سی بستی کے ہر ہر گھر نے اجڑے ہوئے مہاجرین کا بوجھ اٹھا لیا جس کے نتیجے میں اتنی بڑی مصیبت، معاشی، سیاسی اور معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہونے والی تھیں، مل بانٹ کر سب نے اپنے سر پر اٹھا لی اور بے شمار اجڑے ہوئے خاندانوں کا مسئلہ نہایت آسانی سے حل ہو گیا۔ درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔[۳۶] رشتہ اخوت استوار کرتے ہوئے اس نکتے کو ملحوظ خاطر رکھا گیا

Marfat.com

کہ مواخاتی بھائی میں اُستاد اور شاگرد کا رشتہ بھی قائم ہو۔ ایسا کرتے وقت ہر فرد کے مزاج اور طبیعت کا خیال رکھا گیا۔ سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کی ترغیب سے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تھے) کو ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مواخاتی بھائی بنایا گیا جنھوں نے یہ مرتبہ حاصل کیا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو سید المرسلین کہتے تھے۔ بارگاہ نبوت میں منصب انشاء پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوئے۔ فن قرأت کے امام کہلاتے ہیں۔ ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے رئیس اعظم عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے۔ اس مناسبت سے ان کو عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنایا گیا جو قبیلہ اشہل کے سردار تھے۔

اس مواخاۃ کا مقصد باہمی یگانگت میں ایک دوسرے کو مربوط کرنا تھا۔ بعد میں بعض لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ ان دینی بھائیوں کو حق توارث بھی مل گیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی: [۳۷]

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ

''مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔''

چنانچہ مواخات کی بناء پر قائم شدہ ورثہ رشتہ داری کی طرف پھیر دیا گیا۔ فتح خیبر کے بعد مہاجرین نے انصار کو ان کے پھلوں کے عطیے واپس کر دیئے۔

اس طرح اہل مدینہ نے خود ساختہ مخلوقات کے پنجوں سے آزاد ہو کر اپنے کھوئے ہوئے رب قیوم کو پالیا۔ اب منادی کرا دی گئی کہ دنیا ایک ہے اس کا معبود ایک ہے ان کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہے، ان کی کتاب ایک ہے اور ان کا کعبہ ایک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز ایسی عبادت پر لگایا جس میں رنگ، نسل، امارت، غربت اور ہر طرح کی اونچ نیچ ختم ہو جاتی ہے۔ ؏

نہ کوئی بندہ رہا، نہ کوئی بندہ نواز

جس معاشرے کی بنیاد اس نوعیت کے تصور مساوات پر قائم ہو کہ آقا اور غلام باری باری سواری کریں اس کی پرچھائیں بھی کسی دوسرے نظام میں نہیں مل سکتی۔ قرآن حکیم میں اس اخوت کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔ [۳۸]

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ

Marfat.com

مِّنهَا.ط

''اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔''

اس آیت کریمہ میں ان جنگوں کی طرف اشارہ ہے جو اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں جاری وساری تھیں اور اہل عرب ان میں بری طرح مبتلا رہتے تھے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت کی تعلیم دے کر ان تمام عداوتوں اور مخالفتوں کا خاتمہ کر دیا۔

غزوہ احزاب میں مسلمان محصور ہو کر رہ گئے۔ باہر سے ہر قسم کی امداد آنا بند ہوگئی۔ سامان رسد کی اتنی کمی ہوئی کہ لوگ فاقے کرنے لگے۔اسی دوران کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکایت کی اور اپنا کرتہ اٹھا کر دکھایا کہ پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اپنا دامن اٹھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔[۳۹]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات اور اخوت انسانی کی یہ عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام (زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنا متبنیٰ بنایا۔ بعد میں ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کر دی۔اسی طرح امی بنت عم صباد بنت زبیر بن عبدالمطلب کو غریب الوطن صحابی مقداد بن الاسود کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیاہ دیا۔سریہ موتہ کے لشکر کی سرداری زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی۔جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یکے بعد دیگرے ان کی شہادت کی شکل میں یہ منصب عطا ہوا۔اس پر کئی ایک افراد معترض ہوئے لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم کرنے کا داعی تھا یہ اس کا ایک عملی نمونہ تھا۔اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لشکر کا سردار مقرر فرمایا اور کوئی ایک جلیل القدر صحابہ کو ان کے ماتحت کیا تو بھی اعتراضات سننے میں آئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ ''تم لوگوں نے اس کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے۔''[۴۰]

ایک موقع پر جب کسی نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''حبشن کا بچہ'' کہہ کر پکارا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا: ''تم میں ابھی دور جاہلیت کی خو بو پائی

Marfat.com

جاتی ہے۔'' عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی اور کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی شریف تلوار کو ناپاک نہ کر دے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برملا فرمایا: ''لوگو! تم سب آدم علیہ السلام کے بیٹے ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ گورے کو کالے پر برتری۔ اللہ کے نزدیک شرافت اور بزرگی کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔''[۱۱] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ احسن سلوک کا حکم دیا اور خود بھی ان کا ہر دم پاس و لحاظ رکھا۔ ان کو وہی کھلانے کا حکم دیا جو آقا خود کھاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر غلاموں کو آزاد کرنے کے اقدام نے رواج پکڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تقویٰ کا درجہ دیا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سبھی آزاد کردہ غلام ہی تھے لیکن جلیل القدر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔

معلم اسلام نے عالمگیر محبت و اخوت کو محبت الٰہی کے نشان کے طور پر پیش کر کے ہزاروں مختلف طریقوں سے اس کی تلقین کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ و نسل، زبان، مادی مصلحتوں اور علاقوں کی گھٹیا عصبیتوں کی بجائے انسانی تکریم کو عزیز جاننے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ و دین کے رشتہ پر اسلامی معاشرے کی تعمیر کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مسلمان باہمی رحم دلی، شفقت اور ربط میں ایک جسم کی مانند ہیں جس کا کبھی ایک حصہ بیمار ہو تو سارا جسم بے داری اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشرے میں انہی صفات حسنہ کی بدولت انسان مطمئن و حسین اور طیب زندگی کا حسین و مثالی نمونہ بن گیا۔ اسلامی معاشرے میں تمام انسانی نسلوں کی اعلیٰ و ارفع صلاحیتیں داخل ہوتی رہیں کہ ایک قلیل مدت کے اندر ایک ایسی درخشاں تہذیب نے جنم لیا جس کے تمام عناصر کا مرنا جینا اللہ کے لیے تھا۔ خاندانی، نسبی اور نسلی امتیازات کا خاتمہ ہو گیا، اس کے ساتھ ہی معاشی ناہمواریاں بھی دور ہو گئیں۔ ہمدردی غمگساری، ایثار و احسان ایک دوسرے کے لیے رحمت بن گئے اور ایسی محبت اور دلداری پیدا ہو گئی کہ چشم فلک نے کبھی اس کی مثال نہ دیکھی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کیا کہ ''ہر

Marfat.com

مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔''

جمال یزلؒ نے دنیاوی زندگی میں عروج و خوشحالی کی نوید سنائی بشرطیکہ مسلمان محض انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ اجتماعی اعتبار سے باہمی دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوں اور اتحاد و اخوت کی لڑی میں پروئے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں عدل و مساوات، امن وسلامتی اور فلاح ونجات کی اساس پر ایک عظیم الشان معاشرہ قائم کیا جو''انسانی رشتہ'' پر قائم نہ تھا۔ بلکہ اس کے باسیوں کو نفسیاتی، اخلاقی، معاشرتی اور عملی لحاظ سے بھی ایک دوسرے کا ہمدرد اور بہی خواہ بنانے کا اہتمام کیا کہ عقل اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

دنیاوی خوشحالی اور عروج کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو آخرت میں بھی سرخرو ہونے کی نوید سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ باہم محبت رکھنے والے کہاں ہیں؟ مجھے اپنی عظمت کی قسم آج میں انہیں اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ اور آج میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لیتے وقت دوسرے مسلمان بھائیوں کی خیرخواہی کا بھی وعدہ لیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص اس وقت کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے وہ نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

اسلام انسان کی حیاتیاتی وحدت کے عقیدے کا علمبردار ہے۔ اس نے اپنے اس عقیدے کی بنا پر اخوت و مساوات کا عقیدہ پیش کیا اور ساتھ ہی معاشرے میں تقویٰ کو عزت و تکریم کا معیار قرار دیا۔ یہ روح کی گہرائیوں میں محبت کے بیج بوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کچھ انفرادی اور اجتماعی آداب سکھائے تاکہ وہ ایک دوسرے کے مدد و معاون بن سکیں۔ اجتماعی زندگی میں باہمی رضا اور سکون انہی آداب کے رہین منت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تمام افعال کی مخالفت کی جن سے دوسروں کے جذبات مجروح ہوتے ہوں۔ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں اچھی باتوں کی اشاعت پر زور دیا تاکہ باہمی محبت فروغ پائے۔ ارشاد ربانی ہے:[۴۳]

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ. ط

Marfat.com

''اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو۔''

مسلمانوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت ہی خود غرضانہ ماحول کے درمیان رہتے ہوئے بھی اپنے بہتر نظام کے باعث مسلمانوں کو اخوت کے ایک مثالی نظام میں منسلک کیا۔ایک مشہور عربی کہاوت ہے کہ اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الاعداء یعنی اصل کمال وہ ہے جس کا اعتراف کرنے پر دشمن بھی اپنے آپ کو مجبور کرے۔رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے متعلق ایچ جی ویلز جیسا بغض رکھنے والا مصنف بھی اپنی کتاب A Concise History of World میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ ''انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو اگرچہ دنیا میں پہلے بھی بہت کیے گئے تھے۔چنانچہ مسیح ناصری کے یہاں بھی ان کا بڑا ذخیرہ موجود ہے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نوع انسانی کی تاریخ میں پہلی بار ان اصولوں پر مبنی نظام عملاً قائم کر کے دکھا دیا۔''

اسلام سب سے پہلے فرد کے ضمیر میں امن و سلامتی برپا کرتا ہے پھر خاندانی دائرے میں، پھر امت وقوم کے اندر اور سب سے آخر میں مختلف قوموں کے اندر اسے برپا کرتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو تیار ہی اسی لیے کرتا ہے کہ وہ ظالم طاقتوں کا استیصال کر کے انسانیت پر فلاح کی راہیں کھول دیں۔گویا مسلمان ایک جماعت ہیں اور جہاد ایک انقلابی اقدام ہے۔ یہ ایک نظریاتی جدوجہد ہے۔اگر پوری امت مسلمہ کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو جائے تو پھر جہاد ایک بین الاقوامی کارروائی کی حیثیت رکھتا ہے جو وہ کفار کے خلاف بین الاقوامی سطح پر کرتی ہے تا کہ حق کا بول بالا ہو سکے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں فریضہ جہاد ادا کرنے کی تمنا اپنے دل میں بیدار رکھے اور اس کے لیے مناسب تیاری بھی کرتا رہے۔ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ فلسفہ جہاد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں دیکھ سکتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر، خود غرضی، نسلی تعصبات، قبائلی حسد اور قائدانہ تفاخر کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی مدد سے ہم اپنے طبقاتی، لسانی، علاقائی، قومی، معاشی، معاشرتی اور روحانی مسائل حل کر سکتے ہیں۔اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ختیار کرنے سے ہم زندگی کے مختلف شعبوں میں

Marfat.com

ترقی کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا.

''اس امت کے آخر کو اس چیز سے صلاح اور فلاح حاصل ہوگی جس چیز سے امت اول کو صلاح اور فلاح حاصل ہوگی۔''

اگر ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ سلامتی وامن اور اخوت کے رہنما اصولوں کو اپنی زندگی میں مرکزی حیثیت دیں تو معاشرے کی صورت مسخ نہیں ہوگی اور نسلی امتیازات نہیں ابھریں گے۔آج دنیا میں ایک طرف جنگ وجدل کے بادل منڈلا رہے ہیں تو دوسری طرف نسلی، علاقائی اور خاندانی وقبائلی تعصبات کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔خود غرض، طمع اور حرص کے بے شمار سانپ کلبلا رہے ہیں۔بلا شبہ آج بھی اگر ہم اپنے طور واطوار اور کردار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق ڈھال لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں امن وامان قائم نہ ہو اور اخوت ووحدت کی وہی فضا پیدا نہ ہو جو چودہ صدیاں پہلے قائم ہوئی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام تر تعلیمات کا نچوڑ حجۃ الوداع کے خطبے میں پیش کر دیا جو سب سے پہلا منشور آزادی تھا اور جس نے دنیا کو امن، آزادی، اخوت اور وحدت کا ابدی پیغام دیا۔اس کی پیروی میں ہی اس دکھی انسانیت کے لیے امن اور سکون کی ضمانت پائی جاتی ہے۔آج کی دنیا اس المیے سے صرف اسی صورت میں نجات حاصل کرسکتی ہے جب ہم روزمرہ کے کاموں کے بجالانے میں زیادہ سے زیادہ خوبصورتی اور عمدگی پیدا کریں۔اتباع سنت سے لطافت وپاکیزگی اور نظامت ونفاست کا ایسا دلنواز پہلو نمایاں ہوگا کہ زندگی کے موالات، باہمی مودت ومحبت اور باہمی الفت وموانست کا مظہر بن جائیں گے۔بقول حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم ۳۳:۲۱

۲۔ قرآن حکیم ۸:۲۴

۳۔ سنن ابن ماجہ

۴۔ قرآن حکیم ۲۴:۵۴

۵۔ قرآن حکیم ۲:۲۶۹

۶۔ قرآن حکیم ۴۸:۲۹

۷۔ قرآن حکیم ۵:۳۲

۸۔ قرآن حکیم ۲۷:۳۴

۹۔ قرآن حکیم ۴:۷۶

۱۰۔ ابوداؤد، جلد دوم، باب خبر بنی النفیر

۱۱۔ Life of Mahomed, Vol. 3, P.122, William Muir.

۱۲۔ قرآن حکیم ۷۶:۸

۱۳۔ بخاری، مسلم فتح مکہ

۱۴۔ قرآن حکیم ۱۲:۹۲

۱۵۔ قرطبی، احکام القران، ج ۹ ص ۲۵۸ تفسیر سورۃ یوسف۔ نیز ملاحظہ فرمائیں: ابن ہشام ج ۲، ص ۴۱۲

۱۶۔ زاد المعاد جلد دوم ص ۲۹۱، ۲۹۲ حافظ ابن قیم

۱۷۔ تفسیر ابن کثیر جلد دوم، ص ۳۵۲

۱۸۔ موطا، ترمذی

۱۹۔ اس سے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی کیونکہ علم ان کے فرزند کو مل گیا تھا

۲۰۔ واقدی بروایت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ارقم بسلسلہ غزوہ موتہ

۲۱۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج دوم، ص ۳ شبلی نعمانی

۲۲۔ قرآن حکیم ۸:۳۹

۲۳۔ بخاری باب علامات النبوۃ

۲۴۔ سیرت ابن ہشام، جلد دوم، ص ۵۸۱

۲۵۔ متی باب ۱۰، ص ۳۴، ۳۵

Marfat.com

۲۶ قرآن حکیم ۸:۶۰

۲۷ قرآن حکیم ۷:۵۶

۲۸ قرآن حکیم ۲:۲۵۶

۲۹ قرآن حکیم ۲:۲۰۸

۳۰ بخاری، مسلم، ابوموسیٰ

۳۱ قرآن حکیم ۳:۱۰۳

۳۲ باب ۸، شلوک ۲۷۲

۳۳ قرآن حکیم ۴۹:۱۰

۳۴ قرآن حکیم ۴۹:۱۳

۳۵ اسد الغابہ ج ۳، ص ۳۱۴، ۳۱۵ بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج اول، ص ۱۷۹، شبلی نعمانی

۳۶ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج اول، ص ۱۸۰

۳۷ قرآن حکیم ۸:۷۵

۳۸ قرآن حکیم ۳:۱۰۳

۳۹ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج اول، ص ۲۵۵، شبلی نعمانی

۴۰ بخاری باب المغازی

۴۱ مسند ابن حنبل

۴۲ مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۹۳

۴۳ قرآن حکیم ۱۷:۵۳

Marfat.com

Marfat.com

لسانی و گروہی اختلاف کا خاتمہ......
تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں

اس مسلمہ حقیقت سے ہم آپ بھی آشنا ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے صرف انسان کو ہی اس نرالی شان سے نوازا ہے کہ اسے نہ صرف دانش و عقل کی فراوانی سے مزین کیا بلکہ مرضی و ارادہ کی صلاحیتیں بھی عطا کیں۔ جس نے احکام ربانی کی جس قدر تعمیل کی وہ اتنا ہی بہتر انسان بنا۔ لیکن جو محض جبلتوں کا کہا مانتا رہا وہ اسفل السافلین کے درجے کو پہنچ گیا خواہ وہ کتنا ہی عالم و فاضل تھا۔ خالق حقیقی کو ہی بہتر طور پر معلوم ہے کہ انسان کن ضوابط و اسالیب کی تعمیل کرے اور کن باتوں کے نزدیک نہ جائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لیس شیءٌ اکرم علی اللہ من المومن.

''صاحب ایمان شخص سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی شے مکرم نہیں''

آپؐ کی بعثت کے وقت یہ عالم رنگ و بو اضطراب اور بے چینی کا گڑھا تھا، ہر سو شیطانیت و حیوانات کا راج تھا۔ عرب وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہ تھے بلکہ ان پر ہمیشہ ہی تاراج کا راج تھا۔ ان کی صلاحیتیں باہمی جنگوں میں صرف ہوتی تھیں۔ خود قرآن حکیم نے ان کو قوماً لدّاً کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کے معنی جھگڑالو قوم کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی وحدت و تنظیم کے بارے میں فرماتا ہے:[1]

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ.

''تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو اِن لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے۔''

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ برس کی قلیل مدت میں اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیری،

Marfat.com

وحدت انسانی، احترام آدمیت اور دین و دنیا کے معاملات میں ایسی ذاتی اور عملی مثالیں پیش کیں جن سے نوع انسانی کے فکر و تصور کے دھارے بدل گئے۔ ان کے صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسباب نزاع و اختلاف بھی ایک ایک کر کے دور ہو گئے۔ انسانی اخوت و مساوات کی یگانگت نے دشمنیوں اور کینوں کو نابود کر دیا اور کلمۂ کفر و ضلالت کی جگہ کلمہ حق و صداقت کی بادشاہت کا اعلان عام ہوا۔ قوتوں اور ذاتوں کے امتیازات مٹ گئے، فخر و غرور اور جبر و ظلم کا بازار سرد پڑ گیا۔ سب انسان باہم بھائی بھائی اور بحسب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں سے ایک نیا معاشرتی نظام، ایک نئی تہذیب اور ایک نیا معاشرہ معرض وجود میں آ گیا جس نے پوری انسانیت کو اتحاد و تنظیم کا پیغام دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی ضرب کاری شرک و بت پرستی پر لگائی اور انسانوں کو خالق حقیقی کی عبادت کی راہ بتائی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو اس طرح نکھار کر پیش کیا کہ شرک کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کے عقیدے کو عقلی توجیہات کے ساتھ پیش کیا اور بتایا کہ اُخروی زندگی میں ہر فرد کو اپنے اعمال کی بنیاد پر جزا اور سزا ملے گی۔ یہ عقیدہ مسلمانوں کے ایسا ذہن نشین ہوا کہ دنیا کی تمام نعمتیں انعامات اخروی کے تابع نظر آنے لگیں۔ خود غرضی اور جاہ طلبی کے جذبات مدہم پڑ گئے اور ایثار، مساوات اور اخوت کا وہ جذبہ جاگ اٹھا جس نے ایسی ملت کو جنم دیا جو تمام مادی حد بندیوں کو توڑ کر پورے عالم پر چھا گئی۔ جس نے تعاون کی وہ بنیاد رکھی جو تاریخ عالم میں بے نظیر ہونے کے علاوہ اتنی مستحکم ثابت ہوئی کہ ہزاروں انقلابات اور سینکڑوں متصادم عوامل کے باوجود ہمیشہ مائل بہ وحدت رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تنظیم قائم کی اُس کی تشکیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی، جغرافیائی تعصّبات سے کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ ہی ان کو دنیوی مفادات کے سبز باغ دکھائے۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ تمام مدبر اور سیاستدان اپنے سیاسی منصوبوں کی تکمیل کے لیے ایسے محرکات استعمال کرتے ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو بروئے کار لاتے تو یہ لوگوں کی توقعات کے عین مطابق ہوتا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قطعاً کوئی منفعت حاصل نہ کی بلکہ ان میں سے ہر چیز کو فتنہ قرار دیا اور ہر فتنے کے انسداد کے

Marfat.com

لیے اقدامات کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی نمایاں خصوصیات میں خدائے واحد کی بندگی، عالمگیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل وانصاف، اعلائے کلمۃ اللہ اور خوف آخرت سرفہرست ہیں۔ دورِ جاہلیت کے حوصلہ شکن حالات میں ایک بہترین امت کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا جس کے متعلق فرمایا گیا:[۲]

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو۔"

کسی بھی معاشرے میں معیار مقرر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ معاشرہ عقائد، روایات اور خیر وشر کے تصورات پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہو۔ اگر دل ایمان سے خالی ہے تو روایات اور عقیدے بے جان ہو کر سسکتے نظر آتے ہیں۔ اسلام ایک دائمی اور عالمگیر دین ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت ہمارے لیے ایک معیار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے عملی مثالیں چھوڑی ہیں جو امت مسلمہ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ قرآن حکیم جیسی جامع اور سحر آگیں کتاب ہمارے پاس ہے جو ایک ہدایت ہے، حقانیت ہے اور رحمت ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے:[۳]

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

"اور کیا اِن لوگوں کیلیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ درحقیقت اِس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں؟"

یہ ہدایت باران رحمت بن کر انسانیت کی مردہ روحوں میں نئی زندگی پھونک گئی کہ روحانی تروتازگی کا سامان ہو گیا۔ یہ تازگی مخلوق کو خالقِ کائنات کی ذات وصفات اور اُس کے برگزیدہ اسماء سے روشناس کر گئی کہ ان کے قلب وروح میں اس کی محبت ویگانگت کے چراغ روشن ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی کتاب کی اساس پر، جس کا ایک ایک لفظ قانون کی

Marfat.com

حیثیت رکھتا ہے، ایک ایسی قومیت کی بنیاد رکھی جس نے دنیا کی مختلف نسلوں اور زبانوں کے امتزاج سے ایک امت واحدہ کی تشکیل کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل وخون کے امتیازات کو ختم کر کے پستیوں میں گری ہوئی قوم کو ثریا کی رفعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔

عرب جن پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا　　پلٹ دی بس اک آن میں ان کی کایا

تمام جزیرہ نما عرب کو اسلام سے روشناس کرانے کے بعد اسلام غلبہ کاملہ، تسلط عام اور ظہور عام کا خواہاں تھا جو میزان عدل کو قائم رکھے، شعائر الٰہیہ کی حفاظت کرے، دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام سنائے۔ مساوات عامہ کی تعلیم دے، پرانے حقد وحسد کو مٹا کر نئے سرے سے الفت ومحبت کی بنیاد ڈالے اور معاملات ومناوضات کا صحیح اصول بتائے۔

قرآن حکیم مسلمانوں کی زندگیوں کو منضبط کرتا ہے۔ یہ دینی اور لادینی، روحانی اور رندانہ اور برتر اور ادنیٰ جیسی تقسیم کو انسان کی زندگی میں تسلیم نہیں کرتا۔ یہ انسان کی زندگی کو ایک ناقابل تقسیم وحدت خیال کرتا ہے۔ یہ فرد کو اللہ کے حسن اور طاقت سے مزین کرتا ہے۔ یہ ضراط مستقیم کو اختیار کرنے پر زور دیتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کو حبل اللہ قرار دیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہ کا حکم ہے۔ اس کی شرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی کہ اللہ کی یہ کتاب ہی درحقیقت اللہ کی وہ مضبوط رسی ہے جس سے اعتصام کا، چمٹ جانے کا، جڑ جانے کا اور تھام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھو حبل اللہ المتین۔ اِس مشہور حدیث کے راوی علی مرتضیٰ ہیں۔ اس میں قرآن حکیم کی عظمت وشوکت اس کے بلند مرتبہ اور اہمیت کا ذکر ہوا ہے۔

حجتہ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۴]

وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْ بِہٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا وَھُمْ کِتَابِ اللّٰہِ۔

"اور میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس کا سر رشتہ اگر تم مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تم تا ابد (کبھی) گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ چیز ہے کتاب (اللہ)۔"

بدقسمتی سے اسی حبل اللہ سے ہم اپنا تعلق توڑتے چلے گئے۔ جب تک ہم نے قرآن حکیم کو مضبوطی سے تھامے رکھا، اسی پر اپنے سارے اعمال، اخلاق اور معاملات کا انحصار رکھا تو

Marfat.com

انفرادی اور اجتماعی طور پر ہمارا رعب اور دبدبہ قائم رہا۔ ہم دنیا میں سربلند اور غالب رہے۔ لیکن اس سے بے پرواہ ہوتے ہی ہم فساد اور انحطاط میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔ ارشاد ربانی ہے: [۵]

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ۔

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔''

ارشاد ربانی ہے: [۶]

اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ کَبِیْرٌ ۝

''اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔''

لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو دنیا میں فتنہ و فساد پیدا ہو جائے گا، حق و باطل میں امتیاز باقی نہ رہے گا۔

ہم نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ سلم کے ارشاد کے مطابق قرآن حکیم کو مضبوطی سے نہیں تھاما اور انتشار کا شکار ہو گئے۔

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اقبالؔ

محاسن اخلاق کا دوسرا ماخذ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اگر ہمیں مسلمان بننے کے لیے قرآن حکیم کی تلاوت کی ضرورت ہے تو یقین کیجیے کہ اسے ایک عملی زندگی کی صورت میں دیکھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ [۷]

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا۔''

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [۸]

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

''اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو

Marfat.com

میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔''

لاریب رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کے امراض قلوب و ارواح کے لیے قرآن حکیم کے بعد صاحب قرآن کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے بڑھ کر کوئی علاج تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل قرآن حکیم اور حیات مطہرہ روحاً ایک ہی ہیں۔ قرآن حکیم متن ہے اور سیرۃ مطہرہ اس کی تشریح ہے۔ قرآن حکیم علم ہے تو سیرۃ مطہرہ اس کا عملی نقشہ ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے شیخ عماد الدین واسطی کو ایک روز نصیحت کی:

ساری چیزیں چھوڑ کر صرف سیرۃ نبویہ کے مطالعہ اور تدبر و فکر کو اپنے اُوپر لازم ٹھہرالو۔ یقین اور ایمان کی تمام بیماریوں کے لیے یہی نسخہ شفاء ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ آج بھی ہم میں موجود ہے۔ یہاں سے ہمیں دینی احکام اور تمدن و تہذیب و شائستگی کا سبق ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی معیار حق کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی میں دین اور دنیوی کامرانیوں کی ضمانت موجود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت ہمارے قومی اتحاد کا روحانی سرچشمہ ہے۔ آج بھی اگر ہم خلوص نیت سے اپنی اصلاح کے خواہاں ہیں تو اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے ہدایت اور روشنی حاصل کریں۔ اگر ہم انسانی اور گروہی اختلافات کا خاتمہ چاہتے ہیں تو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے سرمو انحراف نہیں کا وہ چاہے ہمیں کیسی ہی طاغوتی طاقتوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ اگر یہ اتباع نہیں تو پھر ہمارا زوال ہے، موت ہے۔ اگر ہمارے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سچے ہیں تو پھر ہم لوگوں کا اپنے اوپر کتنا صریح ظلم ہے کہ دیدہ دانستہ ہم خود اپنے افعال سے ہلاکت میں پڑتے ہیں۔ اس وقت ہم جن پُرآشوب حالات سے گذر رہے ہیں اس کے لیے ایک انقلاب ناگزیر ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اگر محبت اور یقین قلبی کے بغیر اطاعت ہو رہی ہے تو اس میں منافقین کے ساتھ ایک مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے ہیں لیکن اطاعت نہیں، فرائض کی ادائیگی نہیں، اوامر و نواہی کی

Marfat.com

پرواہ نہیں، احکام کا سرے سے کوئی لحاظ نہیں تو یہ طرزِ عمل سراسر معصیت ہے۔ عصیان و نافرمانی کا نتیجہ ہمیشہ ہلاکت ہی کی صورت میں نکلتا ہے۔ دکھاوے کے عمل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قبولیت نہیں۔ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنائے گا وہ دنیوی اور اُخروی فلاح سے ہمکنار ہوگا۔ ارشادِ خداوندی ہے:[9]

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا○

''جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:[10]

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج

''جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اُس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔''

اسلام کے ظہور سے دنیا نے جاہلانہ تعصبات اور علاقائی، لسانی اور تہذیبی عصبیتوں کی لعنت سے نجات پائی۔ ''انسانیت، جو قعرِ معزلت میں گری ہوئی تھی، نے قاب قوسین کی بلندی پا لی اور کائنات کی تاریکیاں سرمدی نور میں بدل گئیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے تدبر و دانش، ہمدردی و غمگساری، افہام و تفہیم اور عدل و احسان کے جو جوہر پیدا ہوئے ان میں پوری دنیا ایک سلسلۂ اتحاد میں منسلک ہوگئی۔ اس سلسلہ امن و مساوات کا نام اسلام رکھا گیا۔ اسلام نے کہا:[11]

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ○

''اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے۔''

اس فرمانِ الٰہی کے پیشِ نظر اسلامی ریاست میں بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کوئی فرق نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ۔ اسی لیے تمام تفرقے، تمام امتیازات اور تمام حد بندیاں دفعتہً ٹوٹ گئیں۔ ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان مسلمان

Marfat.com

باہم بھائی بھائی ہیں۔"[۱۲]

اسلام نے جن معاشرتی اقدار پر مبنی نظام قائم کیا، اخوت، مساوات اور باہمی اعتماد اس کی خصوصیات تھیں۔ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخاۃ کو تعمیر ملت کے سنگ بنیاد کے طور پر پیش کیا۔ اس نظام میں ہر فرد ریاست کے امن، خوشحالی اور وحدت کا ذمہ دار تھا۔ قبائل اور نسلی تفاخر پاؤں تلے روند دیئے گئے۔ اس کی روح کی رو سے تمام مسلمان بلا امتیاز رنگ ونسل، قبیلہ اور قوم، امیر وغریب، اعلیٰ وادنیٰ ایک برادری ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کے مصداق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ مواخاتی نظام کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔[۱۳]

وَاذْکُرُوا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ج وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ط

"اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔"[۱۴]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت کو ایک محکم عمارت سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبنیان یَشُدُّ بَعْضُہٗ وَشَبَّکَ بَیْنَ اصابعِہٖ۔

"مسلمان مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو قوت پہنچاتا ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا۔ اس طرح گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر پر زور دیا کہ جس طرح بکھری ہوئی اینٹیں باہم جڑ کر مضبوط عمارت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اسی طرح مسلمانوں کی قوت کا راز ان کے آپس میں جڑنے میں ہے۔ اگر وہ بکھری ہوئی اینٹوں کی مانند رہے تو ان کو ہوا کا ہر جھونکا اڑا لے جا سکتا ہے اور پانی کا ہر ریلا بہا لے جا سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اعلیٰ وادنیٰ کی تفریق ختم کر کے دکھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کی بارگاہ میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا دوسرے مساکین کا درجہ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کم نہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ غزوہ بدر میں وہ اسیر ہو کر آئے تو انصار نے اس بنا پر ان کا زرفدیہ معاف کر دینا چاہا کہ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد رشتے میں انصار کے بھانجے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہرگز نہیں ایک دام بھی معاف نہ کرو۔'' [۱۵]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ برابر کام میں حصہ لیا۔ غزوہ خندق کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باقی ساتھیوں کی معیت میں خندق کھودنے میں مصروف رہے۔ ایک دفعہ دوران سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں لانے کا فرض سنبھالا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی کہ یہ کام ہم کر لیں گے تو معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں پسند نہیں کرتا کہ اپنے آپ کو تم سے ممتاز رکھوں۔ خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو ہمراہیوں میں ممتاز رہے۔'' [۱۶]

مسلمانوں کی محبت کی بنیاد صرف دین ہے۔ خونی رشتہ اور مالی لین دین نے ان کو آپس میں نہیں جوڑا بلکہ اسلام اور اسلامی زندگی پیدا کرنے کے جذبہ نے ان کو ایک دوسرے کا دوست اور رفیق بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [۱۷]

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِهِم وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهرِ وَالْحُمّٰى.

''تو مسلمانوں کو آپس میں رحم کرنے، محبت کرنے اور ایک دوسرے کی طرف جھکنے میں ایسا دیکھے گا جیسا کہ جسم کا حال ہوتا ہے کہ اگر ایک عضو کو کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے تو جسم کے بقیہ اعضاء بے خوابی اور بخار کے ساتھ اس کا ساتھ دیتے ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت فی سبیل اللہ کو پسند فرمایا ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۱۸]

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھ پر واجب ہے کہ میں ان لوگوں سے محبت کروں جو میری خاطر آپس میں محبت اور دوستی کرتے ہیں اور میرے ذکر کے لیے ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھتے ہیں اور

Marfat.com

میری محبت کے سبب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میری خوشنودی چاہنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔''

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک شخص گذرا۔ کچھ لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مجھے اس شخص سے محض اللہ کی خاطر محبت ہے۔'' یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تو کیا تم نے اس شخص کو یہ بات بتا دی ہے۔'' وہ شخص بولا۔ ''نہیں۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ اور اس پر ظاہر کر دو کہ تم اللہ کے لیے اُس سے محبت کرتے ہو۔'' چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا تو اس کے جواب میں اس دوسرے شخص نے کہا:

''مجھ سے وہ ذات محبت کرے جس کی خاطر تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔''[۱۹]

ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: محض خوشنودی خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کرنے والوں کے چہرے قیامت کے روز نورانی ہوں گے۔[۲۰]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل انسانی کی مساوات کا اعلان فرمایا اور نسل و شرف کے تمام امتیازات کو تسلیم کرنے سے انکار فرمایا۔ یہ امتیازات لوگوں نے بنا رکھے تھے اور ان کی وجہ سے انسانی حقوق پامال ہو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کے لیے معیار عظمت نسب، نسل، خاندانی وجاہت، شان و شوکت اور مال و منصب کو قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا:

اتونی باعمالکم ولا تاتونی بانسابکم۔

یعنی ''میرے پاس اپنے نسب نامے مت لاؤ۔ مجھے اپنے اعمال نامے دکھاؤ۔''

عرب اپنے اسلاف کے کارناموں کا ذکر نہایت بلند آہنگی سے کرنے کے عادی تھے۔ حج کے موقع پر تو اس رسم پر جسے ''مناشرت'' کہا جاتا تھا، خصوصی طور پر عمل کیا جاتا تھا۔ فخر و غرور کے اظہار کا یہ طریقہ اکثر بڑے بڑے نزاع پیدا کر دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:[۲۱]

فَاِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ ط فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآئَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط

''پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو، تو جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے، اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو اس سے بھی بڑھ کر۔''

Marfat.com

اسلام نے اس رسم کو بالکل ہی مٹا دیا لیکن اس کا اثر لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔ اس کے اظہار کی ایک صورت یہ تھی کہ وہ باپ دادا کے نام کی قسم کھاتے تھے۔ ایک دفعہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ باپ دادا کے نام کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے۔ صرف اللہ کی قسم کھانی چاہیے ورنہ خاموشی بہتر ہے۔''[۲۲]

اسلام نے اس طرح ہر فرد کو اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے حسن عمل کو درجہ آدمیت قرار دیا۔ اس آدم ساز معیار نے بنی آدم کی ہر جھوٹی نمائش اور ہر فانی سروسامانی کو زیور عظمت کے طور پر ساقط الاعتبار کر دیا۔ اسلام نے انسانیت کا اکرام سکھایا۔ قرآن حکیم کی مختلف آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ o [۲۳]

''اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے۔''

۲۔ اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ o ج ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ o ج [۲۴]

''جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی۔ اُس نے انسان کی تخلیق گارے سے کی، پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔''

۳۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ o [۲۵]

''مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

۴۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ وَ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط [۲۶]

Marfat.com

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

بقول اقبالؒ

آدمیت احترام آدمی باخبر شو از مقام آدمی!

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اُس کا ایک ایک لفظ انسانی مساوات کا بین ثبوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے گروہ قریش! آج سے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت و برتری ختم کر دی۔ حسب ونسب کا غرور رخصت کر دیا گیا۔ سنو سب انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا گیا تھا۔''[۲۷]

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اس معیار (قرآن حکیم ۴۹:۱۳) یعنی تقویٰ کے سوا باقی ہر معیار یعنی دولت، عہدہ، رنگ وغیرہ میں حسد و رقابت کے جذبات ہی موجزن نظر آتے ہیں۔ جماعتی گھمنڈ، اسلام اور مساوات واخوت کے نظریات کے منافی ہے۔ کُنتُمْ خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاس کی تمام تر روح اخلاقی اور معنوی محاسن پر مبنی ہے۔ جس جماعت کا نصب العین یہ ہوگا کہ وہ سب سے اچھی اور نیک ہو وہ غرور اور نخوت و برتری کے مفاسد سے آلودہ نہیں ہو سکتی۔ چونکہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے اس لیے اس کے پیش نظر صرف اور صرف بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود ہے۔ یہ وحدت پر یقین رکھتا ہے اور قبائل اور اقوام کو محض پہچان کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔ اسلامی کلچر زبان اور ادب، آرٹ اور فن تعمیر، نام اور نام رکھنے کے اصولوں، رواجات اور روایات، عادات اور میلانات کے امتیاز کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ رواداری پر یقین رکھتا ہے۔

معلم انسانیت نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع، جو انسانیت کا منشور اعظم ہے، میں امت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:[۲۸]

''...... اے لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال (باہم دگر) حرام کر دیئے گئے ہیں تا

Marfat.com

آ نکہ تم اپنے رب کے حضور جا کے پیش ہو جاؤ، جیسے کہ تمہارے لینے میں اور تمہارے اس شہر میں تمہارا یہ دن حرام ہے۔"

......اے لوگو! مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کا مال (لینا) اس کی رضا مندی کے بغیر جائز نہیں۔ سو میرے بعد کہیں (اس اخوت کو ترک کر کے) پھر کافرانہ ڈھنگ ختیار کر کے ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگنا۔ میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ جب تک اس پر کاربند رہو گے۔ کبھی راہ راست سے نہ ہٹو گے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب! آگاہ رہو کہ میں نے بات پہنچادی۔ اے اللہ! تو خود بھی گواہ رہیو!

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے اور تمہارا ابوالاباء بھی ایک ہے۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت مند وہ ہے جو زیادہ تقویٰ دکھانے والا ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی کے مقابلے میں کوئی برتری حاصل نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کے لیے عربی کے مقابلے میں برتری ہے۔ کوئی برتری ہے تو تقویٰ کی بنا پر)۔"

اسلام کا نظریۂ توحید انسانوں کو رنگ و نسل کی بنیاد پر تقسیم کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ وحدت کی بجائے کثرت کا تناظر شرک کی سرحدوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی لیے اس کی قومیت کی اساس رنگ و نسل یا زبان و وطن نہیں ہے بلکہ یہ ان تنگ دامانیوں سے یکسر پاک ہے۔ اس میں کسی قسم کی نسلیت، لسانیت یا وطنیت نہیں ہے۔ البتہ رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشانی ضرور تسلیم کرتا ہے۔ [۲۹] لیکن اس کو یہ کسی انسانی تفریق و تقسیم کی حد قرار نہیں دیتا۔

ارشادات ربانی اور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مسلمان دریاؤں، پہاڑوں یا صحراؤں کی شمالاً جنوباً یا شرقاً غرباً موجودگی سے اپنے وطن کی حدود قائم نہیں کرتا۔ وہ ان حد بندیوں کی نشاندھی یا ان حدود کا دفاع صرف اس لیے کرتا ہے کہ ان میں اس کے مخصوص نظریئے کی آبیاری کا موقع ملتا ہے۔ اسی لیے نسلی تفاخر اور لسانی برتری کے احساس کی نفی کی گئی ہے کیونکہ یہ معاشرے میں نفرت کا باعث بنتے ہیں۔ انسانوں کے تمام دنیوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصل رشتہ صرف ایک ہے اور یہ وہ ہے جو انسان کو اس کے

Marfat.com

خالق سے متصل کرتا ہے۔ خدا کی زمین کو، جو محبت اور باہمی اتحاد کے لیے تھی، ہم نے باہمی اختلاف اور نزاعات کا گھر بنا دیا ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض احتساب میں سب سے اہم فرض رفع نزاع تھا۔ چنانچہ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شر و فساد کی خبر ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور اصلاح فرماتے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں باہم کچھ ناچاقی پیدا ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی معیت میں وہاں تشریف لے گئے اور معاملے کے سلجھانے میں اس قدر دیر لگی کہ نماز کا وقت آ گیا۔ چنانچہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درخواست کرنے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی۔[۳۰] اسی طرح عبداللہ بن ابی سلول ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت گستاخانہ پیش آیا۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ لڑنے بھڑنے پر تیار ہو گئے۔ اس پر عبداللہ بن ابی سلول کے حامی بھی اٹھے اور فریقین باہم دست و گریبان ہو گئے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سمجھا بجھا کر الگ کیا اور فرمایا کہ صلح فساد سے بہتر ہے۔[۳۱] واقعہ افک کے متعلق خود مسلمانوں کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں سخت نزاع قائم ہوگئی اور دونوں فریق آمادہ لڑائی ہو گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔

اس طرح لوگوں کے درمیان انس و محبت کا وہ رشتہ استوار ہوا جو انسانیت کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت کی حوصلہ شکنی فرمائی کیونکہ اس کا مطلب اس نظریہ کی دعوت دینا ہے کہ میری قوم چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر، وہ صحیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۳۲]

> لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّة، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّة، وَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةِ.
>
> ''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے، اور ہم میں سے وہ بھی نہیں ہے جو عصبیت کی حالت میں مرے۔''

Marfat.com

اسلام کی اساس ہی امن ہے اور اس پیغام کو اسلام کے ایک ہمہ گیر شعار ''السلام علیکم'' کے ذریعے پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ السلام علیکم کے معانی ہی تم پر اللہ کی سلامتی کے ہیں۔ اس مختصر سے دعائیہ جملہ میں ایک مستقل سلامتی کی ضمانت موجود ہے۔ اسلام کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ وہ مسلمان سے اس بات کی توقع کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے معاون و مددگار ثابت ہوں گے۔ مسلمان انسانوں کے لیے رحمت، شفقت اور سلامتی کا موجب ہوتا ہے۔ اس رشتہ اخوت کا تقاضا ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنی زبان اور ہاتھوں سے کسی دوسرے مسلمان کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

(بخاری، کتاب الایمان، باب موضوع ہذا)

ہمارے لیے باہمی الفت ایک ایسی نعمت ہے جسے خدا تعالیٰ نے اپنا خاص انعام قرار دیا ہے۔ افسوس کہ ہم اس نعمت سے محروم ہو گئے اور آج باہمی الفت کی جگہ باہمی مخاصمت ہماری پہچان ہو گئی ہے اور قرآن حکیم کے الفاظ میں یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ[۳۳] ''وہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے۔'' کے مصداق ہم نسلی علاقائی اور گروہی تعصبات کی آگ میں جل رہے ہیں۔ ہم نام کی حد تک اسلامی معاشرہ کے افراد ہیں لیکن ہمارے اندر دور دور تک یکجہتی نظر آتی ہے نہ اسلامی اخوت۔ یہ وہی اخوت ہے جس نے عربی اور عجمی، گورے اور کالے کا امتیاز مٹا دیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ ثانی نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشی کے متعلق فرمایا کہ ''بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور ہمارے آقا ہیں۔'' اسی طرح سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا کہ ''وہ اہل بیت میں سے ہیں۔''

اسلامی زندگی دراصل جماعتی زندگی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے الگ ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو، جو مربوط نہ ہو اور کسی امیر کے تابع نہ ہو، غیر اسلامی اور ابلیسی راہ قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۳۴]

قَالَ صلعم اِنِّی اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰہُ اَمَرَنِی بِھِنَّ. الجماعۃ و السمع

Marfat.com

والطّاعة والهجرة وَالْجِهادُ فِی سبیل اللّٰهِ. اِنَّهُ مَنْ خَرج مِنَ الجماعةِ قید شر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقہٖ الا ان یّراجع ومن و عابد حوی جاھلیّہ. فھو جثاء جھنّم. قالوا یا رسول اللہ وان صام وان صلی. قال ان صل و صام و زَعَمَ اِنَّهُ مُسْلِمٌ.

''فرمایا: تم کو پانچ باتوں کے لیے حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جماعت، سمع طاعت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بے قیدی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا۔ خواہ وہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو۔'' فرمایا ہاں۔ اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور بزعم خویش اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم قتال کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا:[۳۵]

عَنْ اَبِی بَکْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ بِسَفیْھِما فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الْقَاتِلُ فَما بَالَ الْمَقْتُوْلِ قَالَ اِنَّهُ کَانَ حَرِیْصًا عَلٰی قَتْلِ صَاحِبِهٖ.

''ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ملاقات کریں (یعنی قتال کریں) تو قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں ہیں۔'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ قاتل (کی نسبت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ظاہر ہے) مگر مقتول کا کیا حال (یعنی وہ کیوں دوزخ میں جائے گا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس لیے کہ وہ حریف کے قتل کا شائق تھا۔''

آپ کی بے شمار احادیث اخوت اور کینہ رکھنے کے بارے میں موجود ہیں۔ ان میں سے

Marfat.com

دو ملاحظہ ہوں:

۱۔ تاخو فی اللہ اخوین اخوین.

''اللہ کی راہ میں دو آدمی بھائی بھائی بن جائیں۔''

۲۔ وَلا تَغُلُّ اَفاکَ الْمُسلِم.

''اپنے مسلمان بھائیوں سے کینہ نہ رکھے۔''

جب ایک خاص مقصد افراد کی زندگیوں کی یکساں منزل گوہر بن جائے تو وہ ان کا مشترکہ نظریہ حیات بن جاتا ہے، اور اس نظریے کی وجہ سے مشترکہ مقاصد کے حامل افراد ایک نظریاتی رشتے کے بندھنوں میں بندھ کر ایک نظریاتی قوم بن جاتے ہیں۔ اس نظریے کی بدولت دنیا کے اندر ان کے قومی تشخص کی شناخت ہوتی ہے اور اس بندھن کی عدم موجودگی ان کے تعلقات کے ٹوٹنے کا باعث بن جاتی ہے اور بحیثیت ایک قوم ان کا وجود باقی نہیں رہتا۔ پاکستان کی تخلیق میں انفرادیت اور جدت کا پہلو یہ تھا کہ پاکستان زبان، نسل، علاقے یا کسی عصبیت کی بنا پر آزاد نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی اساس دین اسلام پر تھی۔ پاکستان کا قیام استدلال اور جمہوری لائحہ عمل کا نتیجہ تھا۔ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ صوبہ پرستی اور جاہلانہ گروہی نعرے ہیں۔ قوم کا شیرازہ بکھرنے کے قریب ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجر سے خزاں کے سوکھے اور زرد پتوں کی مانند جھڑ جھڑ کر گر رہے ہیں۔ کہاں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا...... ''بے شک یہ تیری ایک جماعت ہے''...... کہاں یہ کیفیت کہ ہم لسانی اور گروہی اختلافات میں بٹ کر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اس خون میں ڈوب گیا ہے جو کراچی اور حیدر آباد میں بھائی نے بھائی کا بہایا ہے۔ ماہ و سال آگے بڑھتے جا رہے ہیں لیکن ہم پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔ اسلامی روایات، معاشرتی اقدار اور قومی وقار سے ہم ہر سال کئی سال دور ہٹ جاتے ہیں۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

اقبالؔ

پاکستانی پاکستانی کا دشمن کیوں ہوا ہے؟

Marfat.com

اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ اقتدار کی ہوس نے بھائیوں کے ہاتھوں بھائیوں کا خون کر دیا ہے۔ ہم نے لسانی اور گروہی اختلاف میں پڑ کر خدا کے مقدس رشتے کی عزت کو اپنی بداعمالیوں کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ قومی تنزل کے معنی یہی ہیں کہ تمام قومی اور دینی اشقال بظاہر قائم رہیں لیکن ان کی روح مفقود ہو جاتی ہے۔ آج ہمارا معاشرہ ظہور اسلام سے قبل والی جاہلیت سے بھی زیادہ ناہموار ہے کیونکہ وہاں صرف جہالت تھی مگر یہاں تو عیار عقل بھی اپنا کردار خوب ادا کر رہی ہے۔ یہ نفرتیں اور تعصبات اسی عقل کی ہی کارستانی ہے۔ اس وقت جس قسم کے واقعات ہمارے ہاں رونما ہو رہے ہیں اگر ان کی شدت اور سنگینی کو محسوس نہ کیا گیا تو پورے ملک کی سالمیت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ جب معاشرے بے جان ہو جاتے ہیں تو سارا معاشرہ خود حفاظتی میں لگ جاتا ہے اور حکومت جیسے مقتدر ادارے سے لے کر ایک ادنیٰ شہری تک اس جذبے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کیا پاکستان کی تشکیل اس لیے ہوئی تھی کہ سندھی غیر سندھی کا گلا کاٹیں اور غیر سندھی سندھیوں کا جینا اجیرن کر دیں۔ شیعہ سنی ایک دوسرے کے دست و گریبان ہوں اور گھات لگا کر ایک دوسرے کو ختم کرنے کے درپے ہوں۔ مساجد کو بقعہ نور بنا کر محافل شبینہ منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے لیکن ہمارے دل اُجڑ گئے ہیں۔ اور قرآن حکیم کے الفاظ میں فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَ لٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ ۝ [۳۶] یعنی ''حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

ہمیں یہ شرف و عز حاصل ہے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں جو مقصود کائنات اور نازش کون و مکان ہیں۔ ان کے طفیل اور صدقے میں ہمیں یہ پیارا سا وطن ملا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہی ہمارے لیے سامان حیات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں حق کا وہ پرچم چھوڑ گئے ہیں کہ جو اس سے آگے بڑھے گا دین سے نکل جائے گا اور مٹ جائے گا۔ جو اس سے چمٹا رہے گا وہ حق کے ساتھ رہے گا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ کلمہ طیبہ وحدت الوہیت ہی کا پیغام نہیں، وحدت انسانیت کا پیغام بھی ہے۔ اسی ایک کلمے میں انتشار اور بدامنی سے دوچار پاکستان کے لیے امن، سلامتی اور یک جہتی کا راز مضمر ہے اور اس کے ذریعے آج بھی ہم ہم آہنگی سے معمور ہو سکتے ہیں۔ فیضان حق ہم سب میں برابر

Marfat.com

دیکساں ہے۔ زبان اور مزاج کا اختلاف اگر ہے تو کیا ہوا۔ ہمارا خدا ایک ہے، قرآن ایک ہے، رسول ایک ہے اور قبلہ ایک ہے۔ ہر زبان، ہر علاقے اور ہر مزاج سے مقصود خلق کی ہمدردی، عظمت اللہ اور حق کو ترقی۔ اس کے سوا کوئی چیز ہمارا مطمح نظر نہ ہونا چاہیے۔ اس تیرہ بختی کے دور میں قرآن حکیم ہی سے اپنے مسائل کا حل تلاش کریں۔ اس کی تعلیم کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پیش کریں تو ہمیں سامان زیست وارتقاء مل سکتا ہے۔ ہم حالات کی پیدا کردہ اندھیری راہوں میں قرآن حکیم کو مشعل راہ بنائیں۔ یاد رکھیں کہ اندھیری شب میں شہد کی مکھیاں ان تھک جدوجہد سے جو سرمایہ جمع کرتی ہیں وہ ان کے لیے چاندنی راتوں میں عید شیریں کا خوان نعمت بن جاتا ہے۔ اگر دنیا انسانی مزاجوں، انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری، دائمی اور عالمگیر رہنما نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے اعلان فرمایا:[۳۷] اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' اس پیروی کا فائدہ اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:[۳۸] وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ف یعنی ''ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

ایک مغربی مفکر کا خیال ہے کہ ''ہم نے ہوا میں پرندوں کی طرح اڑنا اور سمندر میں مچھلیوں کی طرح تیرنا سیکھ لیا ہے لیکن ابھی تک زمین پر انسانوں کی طرح رہنا اور چلنا نہیں آیا۔''

پس اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہماری پریشانی کا مداوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انسانیت سے مراد شرف انسانیت اور آدمیت سے مراد احترام آدم علیہ السلام ہے۔ بدامنی اور انتشار کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ سیادت وقیادت کا معیار حسب ونسب، رنگ ونسل اور زمین ووطن خیال کیا جاتا ہے اور یہی تصور تمام برائیوں اور فتنوں کی جڑ ہے۔ اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کوئی کالا کلوٹا، کان کٹا حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔''

ہمارے موجودہ گوناگوں مسائل منافقت کی پیداوار ہیں۔ یہ روگ ہماری حیات اخلاق کو اس طرح کھا گیا ہے۔ جیسے لکڑی کو دیمک۔ بسا اوقات ہمارے قول اور فعل میں یکسانیت

Marfat.com

نہیں ہوتی۔ ہم نئی نسل کو اخلاق سکھانا چاہتے ہیں لیکن خود معروف اخلاقی ضابطوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہم اپنی ذات سے بلند ہو کر اندازِ فکر اختیار نہیں کرتے قانون سب کے لیے یکساں نہیں۔ عدم مساوات نے معاشرے کو ادھ موا کر دیا ہے۔ حقیقی معنوں میں عدل و انصاف نہ ہونے کی وجہ سے معاشرے کی صورت مسخ ہو گئی ہے۔ عوام اور خواص کے طبقے الگ الگ ہیں اور موخر الذکر کا استحصال کر رہے ہیں۔

ارتکاز دولت نے کئی ایک برائیوں کو جنم دیا ہے۔ گزشتہ کئی دہائیوں میں پاکستانی معاشرے نے سیاست، معاشرت، تہذیب اور ثقافت کی دنیا میں جو تماشے دیکھے ہیں اس کی تہہ میں اس طبقاتی تفریق اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے استحصال کا ہاتھ ہے۔ مجموعی طور پر ہمارا معاشرہ دو طبقوں میں منقسم ہے، ایک طبقہ خواص اور ایک طبقہ عوام۔ طبقہ خواص جو آبادی کا کم و بیش ایک فی صد ہے ہمارے اختیار اور ملکی وسائل پر قابض ہے۔ اس کے علی الرغم طبقہ عوام، جو آبادی کا ۹۹ فی صد ہے، بے اختیار اور جبر کا شکار ہے۔ سندھ میں معاشرتی ڈھانچہ ابھی تک جاگیردارانہ زیست کا حامل ہے۔ ہاری مکمل طور پر وڈیروں پر انحصار کرتے ہیں جن کو یہ خدشہ ہے کہ اگر ان کی گرفت ہاریوں پر ڈھیلی ہوئی تو ان کا وقار خاک میں مل جائے گا۔ اس لیے انہوں نے تشدد اور لاقانونیت کی راہ اختیار کر لی ہے، دوسری طرف محرومیوں کے شکار نوجوان طبقے کی ان کے بزرگ لاقانونیت اختیار کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

یہ سب چیزیں وہ ہیں جن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفت فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود آغازِ شب سے قبل ہی گھر میں رکھی ضرورت کی چیزیں حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ جب ہم ایثار، مساوات اور قول و فعل کی ہم آہنگی پیدا نہیں کریں گے تو نسلی امتیازات کا ابھرنا ایک ناگزیر عمل ہے۔ جب انصاف سب کے لیے یکساں نہیں ہو گا تو گروہی تعصّبات اور اختلافات جنم لیں گے۔ جب مساوات کا عمل باقی نہ رہے اور معاشرہ زر پرستی اور لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو جائے تو پھر معاشرہ میں وحدت اور یکجہتی کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟

اپنے منافقانہ رویے کی وجہ سے ہم سیرت مطہرہ کے متعلق بہت کچھ جاننے کے باوجود صحیح معنوں میں مسلمان نہیں بن سکتے۔ آج ہم ایک تاریکی سے نکلنے کے لیے دوسری تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں اور تاریکیوں کا یہ عالم ہے کہ خود اپنا ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ کیا ایسے میں اپنے ہی

Marfat.com

جیسے کھوئے ہوؤں کا دامن پکڑنا چاہیے، جہاں طالب بھی درماندہ ہے اور مطلوب بھی درماندہ۔ اگر ہمارے فکر وعمل اور ظاہر و باطن میں صداقت کا رشتہ استوار ہو جائے تو ہماری بقا یقینی ہو جائے گی۔ موجودہ نسلی وگروہی تعصبات سے جنم لینے والے بحران کا ایک ہی حل ہے کہ ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں تاکہ ہمارے قلوب میں کچھ جنبش ہو، کچھ خلش اور فکر پیدا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو سچائی تھی اس کو اپنا قیمتی اثاثہ سمجھ کر اختیار کریں۔ حقدار کو اس کا حق دیں اور احساس فرض کو عزیز جانیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطان عادل کو خدا کا سایہ قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی ایک عورت کی چوری کا مقدمہ پیش ہوا۔ چونکہ اس کا تعلق ایک بااثر قبیلے سے تھا اس لیے اس کی بریت کی سفارش کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر سفارش مسترد کر دی کہ "اگر اس کی جگہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس جرم کی مرتکب ہوئی ہوتی تو میں اُسے بھی یہ سزا ضرور دیتا۔ یاد رکھو کہ تم سے پہلی امتوں پر اس لیے عذاب نازل ہوتے تھے کہ وہ بااثر مجرموں کو چھوڑ دیتے تھے اور عام لوگوں کو سزا دیتے تھے۔" [۴۰]

دنیا عدل وانصاف کے اس اعلیٰ معیار سے آشنا ہوئی جس نے رنگ ونسل اور قوم ووطن کے تمام امتیازات کو مٹا کر رکھ دیا۔ اسوۂ الرسول کی روشنی میں اگر ہم عدالتی نظام اس طرح تشکیل دیں کہ سستا اور فوری انصاف ممکن ہو تو معاشرے میں عدل ومساوات قائم کرنے میں بے حد مدد مل سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات اور انسانی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی کہ اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی کی بیٹی اور قریش زادی زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کروایا کیونکہ! قول اقبالؒ

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اسلام کا مطمح نظر چونکہ انسانیت کی فلاح و بہبود ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ روحانی، مادی، فکری اور طبعی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا جائے۔ لیکن یہ استعمال عین اسلامی ہدایات کے مطابق کیا جائے کہ مختلف النوع صلاحیتوں کے ارتقاء میں توازن برقرار رہ سکے اور کاروان حیات افراط وتفریط کی کشمکش سے نکل کر صحیح معنوں میں فلاح کی راہ اختیار کر سکے۔ ہمیں نسلی،

Marfat.com

لسانی و علاقائی تعصبات پر مبنی لایعنی محاذ آرائیوں کی بجائے اپنی توانائیاں ملک و ملت کی تعمیر و ترقی پر صرف کرنی چاہئیں۔ اسلامی ضوابط کی غرض و غایت یہی ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی ہر قسم کے اختلال سے محفوظ رہے اور معاشرے میں فتنہ و فساد پیدا نہ ہونے پائے جو اجتماعی زندگی کے نظام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے۔ قوانین وضع کرتے وقت جائز انفرادی انسانی حقوق کا پورا پورا خیال رکھا جائے اور کسی بھی انفرادی حقوق اور اجتماعی قوانین میں تصادم پیدا نہ ہونے پائے۔ مزید براں اجتماعی قوانین سے افراد کے درمیان باہم محبت کو فروغ ہو کیونکہ ایک اچھی اور باسلیقہ زندگی کے لیے اتحاد، افہام و تفہیم اور بھائی چارہ ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی موجودگی میں اجتماعی زندگی کی بنیادیں زیادہ سے زیادہ مستحکم ہو جائیں گی لیکن اس کی عدم موجودگی میں پرامن انسانی زندگی پر منفی اثرات مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی بدولت افراد اجتماعی نظام کے عقیل، فہیم اور حق شناس کارکن بن جائیں گے۔ بردباری اور اخوت اسلامی تعلیمات کی ممتاز خصوصیات ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مسجد، مکتب اور دارالعلوم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

ان نسلی اور گروہی اختلافات کو دور کرنا کوئی جوئے شیر لانے کے مترادف نہیں ہے۔ اس کے لیے ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے لبرل نکتہ نگاہ اختیار کرنا ہوگا۔ ہمارا معاشرہ ایک روادار معاشرہ ہونا چاہیے۔ صرف اور صرف اسی صورت ہی ہم آزاد اور ایک باعزت قوم کی حیثیت میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ وقت ہماری حمایت میں نہیں ہے اس لیے جس قدر جلد ہو سکے ہمیں اس دلدل سے نکلنا ہوگا۔ کچھ اندرونی اور بیرونی قوتیں اس وقت پاکستان میں انتشار و نزاع کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ہمیں جمہوری انداز فکر اپنانا چاہیے اور ساتھ ہی چوکنا بھی رہنا ہوگا۔ اسلام اجارہ داری کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے اس لیے عوام اور صوبے آپس میں کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر عمل کریں کیونکہ کسی بھی خطے کے عوام اکیلے اپنے طور پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ صرف وہ ہی محب وطن اور پاکستان کے محافظ ہیں۔ ہمیں ہر بات کو من حیث القوم سوچنا چاہیے نہ کہ چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں کیونکہ اس طرح شکوک اور بداعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ہمیں بغیر کسی تردد اور بغض کے حقدار علاقوں اور لوگوں کی اعانت کرنا ہوگی۔

Marfat.com

اب کچھ باتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اجتہاد کے حوالے سے بھی ہو جائیں۔
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت کیا کہ کس طرح احکام دیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: ''اللہ کی کتاب کے مطابق۔'' فرمایا: ''اگر تم قرآن حکیم میں مطلوبہ چیز نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟'' عرض کیا کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق احکام دیا کروں گا۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ: ''اگر سنت میں بھی مطلوبہ چیز نہ ملی تو کیا کرو گے؟'' عرض کیا: ''میں اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا اور کوئی دقیقہ نہیں چھوڑوں گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو نہ صرف پسند فرمایا بلکہ ان کے حق میں دعا بھی فرمائی۔''[۱۲]

اس حدیث مبارک کی روشنی میں ہم لسانی اور گروہی اختلاف کے خاتمے کے لیے کچھ ایسی تجاویز جن کو ہم اجتہاد کے اصولوں پر رکھ سکتے ہیں، پیش کرتے ہیں جیسے:

۱۔ ملک کا مستقبل صرف اس بات میں پایا جاتا ہے کہ باقاعدگی سے تمام انتخابات کا انعقاد عمل میں آئے۔ کوئی بھی ایسا نظام ہمارے لیے موزوں نہیں ہے جس میں عوام کو احساس شرکت حاصل نہ ہو۔ جمہوری عمل کسی نہ کسی طرح جاری رہنا چاہیے۔ سیاسی آزادیاں اور بنیادی حقوق بحال رہیں۔ سیاسی جماعتوں کو بھرپور کام کرنے کا موقع ملے۔ وقت کے ساتھ ساتھ پیشہ ور اور خودغرض سیاستدان خود بخود منظر سے ہٹتے چلے جائیں گے اور ایک نئے دور کا آغاز ہو گا جس میں نفرت اور شک کے بادل چھٹ جائیں گے۔ جس طرح ایک ویران مکان میں بدروحیں ڈیرا جما لیتی ہیں۔ اسی طرح فرقہ واریت اور نسل پرستی کی برائیاں بھی اس ملک کے سیاسی ڈھانچے میں رچ بس جاتی ہیں۔ جہاں جمہوریت نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ صوبائی خودمختاری کا دائرہ وسیع کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔

۲۔ ہم کسی ایسی تحریک کو پنپنے نہ دیں جو اسلام کے بنیادی عقائد...... توحید رسالت اور آخرت...... سے منحرف کرنے والی ہو۔ جس طرح بھی ممکن ہو ایسی ہر تحریک کا مقابلہ کرنا پاکستان کی بقا کے لیے ضروری ہے۔

۳۔ ہم آئندہ نسلوں تک انتقال میراث کا اہتمام کریں کیونکہ پاکستان دراصل اس زمین کا

Marfat.com

نام نہیں ہے، اس کے پہاڑوں اور دریاؤں کا نام نہیں بلکہ یہ ان انسانوں کا نام ہے جو اس سرزمین میں رہتے ہیں۔ ہماری تہذیب، ثقافت، تمدن اور نظام زندگی اگر باقی رہ سکتا ہے تو صرف اسی صورت میں کہ اپنے اسلاف سے حاصل کردہ میراث نہایت دیانتداری سے اگلی نسلوں کو منتقل کریں۔

۴۔ حدیث نبوی ہے کہ ''علم حاصل کرو خواہ اس کے لیے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔''

تعلیم کی بدولت فرقہ وارانہ تعصبات ختم ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ ہمدردی، شفقت، تعاون اور یکجہتی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ یہ انتظامی، معاشرتی اور سیاسی اُمور میں دلچسپی لینے کا رجحان پیدا کرتی اور انہیں حقوق و فرائض سے آگاہ کرتی ہے۔ اس کو عام کیا جائے اور خصوصاً تعلیم نسواں اور تعلیم بالغاں پر توجہ دی جائے۔

۵۔ قانون کا نفاذ بغیر کسی رو رعایت کے ہونا چاہیے (ہمارے پاس قبیلہ بنی مخزوم کی ایک مجرمہ کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال موجود ہے)۔ اس کے بعد ہی حکومت اپنی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے دہشت گردوں اور تخریب کاروں کی موثر طریقے سے سرکوبی کر سکتی ہے۔

۶۔ سیاسی جماعتوں کو کسی طرح بھی دہشت گردوں کی پشت پناہی نہیں کرنی چاہیے۔ ان پر یہ لازم ہے کہ وہ کارکنوں اور جرائم پیشہ افراد میں تمیز پیدا کریں۔ ان کو طلباء کو اپنی مطلب براری کے لیے اپنا آلہ کار نہیں بنانا چاہیے۔ کتنے ہی نوجوان ایک دوسرے پر فائرنگ سے ہلاک ہو چکے ہیں اور ایک مسلمان کا عمداً قتل گویا پوری انسانیت کا قتل ہے (حدیث نبویؐ)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی رو سے کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔

۷۔ ملکی مفادات اور معاشرے کی، احتیاجات کی خاطر نسلی اور علاقائی امتیازات کو ختم کیا جانا چاہیے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم نے سیاسی، معاشی اور لسانی مفادات کی آڑ میں سیاسی جماعتوں کی تشکیل شروع کر دی ہے۔ مدبر کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مختلف نام پیدا کرنے اور

Marfat.com

دولت اکٹھی کرنے کے لیے بیرونی آقاؤں کے اشارہ پر نہ ناچیں، یہ راستہ کھلم کھلا تباہی کا راستہ ہے۔

۸۔ حکومت کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ ملک کو اس کے اساسی نظریات کے مطابق چلائے۔ معاشرے کی اصلاح کی ابتداء حکمران کی ذات اور ایوان حکومت سے ہونی چاہیے کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ رعایا اپنے حکمرانوں کی تقلید کرتی ہے۔ حکومت چاہے تو اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر معاشرے کے کسی بھی طبقے کے ساتھ ہونے والے استحصال کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

۹۔ موجودہ جمہوری نظام میں کامیابی کے ضامن روپیہ، غنڈے، انتظامیہ کو رشوت اور جعلی ووٹ جیسے عناصر ہیں۔ اس طرح فرقہ وارانہ تعصبات اور جوڑ توڑ کی سیاست جیسے فتنے پرورش پاتے ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلفِتنَۃُ اَشَدُ مِن القَتل یعنی قتل بڑی چیز ہے مگر اس سے زیادہ بری چیز فتنہ فساد ہے۔

رائے دہی کے موجودہ نظام کی جگہ متناسب نمائندگی کے طریقے کو رواج دیا جائے تاکہ مختلف گروہوں کے درمیان تعصب نہ پھیلے اور ووٹ بھی ضائع نہ ہوں۔ اس طریقے سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں اور جعلی ووٹنگ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کا اہتمام کیا جائے تاکہ مذہبی اور اسلامی اخوت کے جذبات کے تحت فرقہ واریت کی حوصلہ شکنی ہو۔ برادری، ذات پات اور قبائلی نظام قوم میں باہمی منافرت کے بیج بوتے ہیں، اس لیے ان کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔ ہماری تربیت کا عمل جاری رہنا چاہیے۔ حقیقی تربیت یہ ہے کہ تربیت یافتہ فرد اپنے مربی کے اوصاف اور صفات کا آئینہ دار بن جائے۔ ہمارے مربی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ہمارے سادہ لوح پاکستانی مسلمان خود کو مسلمان کہلوانے کی بجائے شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی وغیرہ کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان فقہی اختلافات کو کم کرنے میں علماء کرام ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس لیے ان کو اپنے صحیح وارث ہونے کا ثبوت دینا چاہیے۔

Marfat.com

۱۱۔ قومی زبان اردو کی اہمیت اپنی جگہ لیکن ہم علاقائی زبانوں اور تہذیبوں کی اہمیت سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ ملک کی تمام ادبیات چاہے وہ اس ملک کی کسی بھی زبان میں کیوں نہ ہوں کو قومی ادب قرار دینا چاہیے۔ ادب چاہے چترالی، کشمیری، بلتی یا ارمڑی زبان کا ہو یا پنجابی، سیدھی، پشتو، بلوچی اور براہوی زبانوں میں سے کسی ایک زبان کا ہو لیکن جو پاکستان کی جغرافیائی حدود کے اندر تخلیق کیا گیا ہو وہ سب ہمارا قومی ورثہ ہے۔ زبانوں کی ترقی اور باہمی قرب و یگانگت کی فضا بھی وجود میں آئے گی۔

۱۲۔ ذرائع آمد و رفت و مواصلات کو ترقی دی جائے۔ کم ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی کی طرف خصوصی توجہ دی جائے تاکہ معاشرتی تفاوت معاشرتی منافرت کی وجہ نہ بنے۔ کھیلوں، ثقافت اور ذرائع ابلاغ کو ترقی دی جائے۔

۱۳۔ بین الصوبائی سطح پر طلباء اساتذہ اور صحافیوں کا تبادلہ کیا جائے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ مشرقی پاکستان کی ۸۸ فی صد مسلم آبادی کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی بیشتر تعداد ہندوؤں پر مشتمل تھی، جنہوں نے طالب علموں کے دلوں میں اسلام اور ملک سے نفرت کے جذبات کی آبیاری کی اور صوبائی، لسانی اور ثقافتی عصبیت کو ابھارا۔ انجام ہمارے سامنے ہے۔

اب سندھ میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے جہاں ہندو اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے جو ہماری نئی نسل کے ذہنوں کو زہر آلود کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کا واضح حکم سورۃ الکافرون کی صورت میں موجود ہے کہ کافر تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ ان ہندو اساتذہ پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں حکومت، مسلمان اساتذہ اور سیاستدان نہایت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

مختصراً نسلی اور گروہی اختلافات کے خاتمے کے لیے ہمیں ان تاریخی غلطیوں کا ازالہ کرنا ہوگا جو ماضی میں ہم سے سرزد ہوئیں۔ اس کے لیے دو پیشگی تقاضے ضروری ہیں:

اولاً: معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے بامعنی مستقبل کے لیے بصیرت کی تشکیل جس کی قوت بصارت سے زیادہ ہوتی ہے۔

ثانیاً: اس بصیرت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سیاسی پابندی۔

Marfat.com

اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہوئے اپنی اصلاح کرلیں تو تائید ایزدی بھی ہمیں حاصل ہوگی، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:[۴۲]

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔''

بصورت دیگر:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ[۴۳]

''یہ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔''

یہاں یہ بات ذہن میں کھٹکتی ہے کہ بہتر سے بہتر ارادے ہمارے اذہان میں پروان پا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات بھی ہمارے پاس ہیں لیکن پھر بھی ہم رو بہ زوال کیوں ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اپنے دلوں میں وہ گرمی موجود نہیں ہے؟ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے پیدا ہونی چاہیے تھی۔ وہ تپش مفقود ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو گرما گئی تھی۔ حالانکہ ہم بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

وہ زمانہ کیا ہوا جب مری آہ میں اثر تھا
یہی چشم خوں فشاں تھی یہی دل یہی جگر تھا

دل آشیانہ محبت ہے اور مومن اس کی آرائش سے غافل نہیں ہوتا۔ اگر ہم اپنے وطن کے چمن کو سجانا اور اسے ہر طرح کی بادسموم سے بچانا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ یہاں سے اٹھنے والی ہوائیں محبت ورفاقت کے پیغام لے کر ابھریں:

جز محبت ہر چہ بُردم، سود در محشر نداشت
دین و دانش عرضہ کردم، کس بہ چیزے برنداشت

(نظیری)

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم ۸:۶۳
۲۔ قرآن حکیم ۳:۱۱۰
۳۔ قرآن حکیم ۲۹:۵۱
۴۔ مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۵۔ قرآن حکیم ۸:۴۶
۶۔ قرآن حکیم ۸:۷۳
۷۔ قرآن حکیم ۳۳:۲۱
۸۔ قرآن حکیم ۳:۳۱
۹۔ قرآن حکیم ۳۳:۷۱
۱۰۔ قرآن حکیم ۴:۸۰
۱۱۔ قرآن حکیم ۳۰:۲۲
۱۲۔ مستدرک حاکم ج ۲، ص ۹۳
۱۳۔ قرآن حکیم ۳:۱۰۳
۱۴۔ بخاری کتاب الادب، باب تعاون المومنین بعضهم بعضا، مسلم کتاب البر والصلة باب تراحم المومنین و تعاطفهم وتعاضدهم (الفاظ بخاری کے ہیں)۔
۱۵۔ رسول رحمت ص ۶۸۷ مولانا ابوالکلام
۱۶۔ بحوالہ ایضاً
۱۷۔ بخاری کتاب الادب رحمة الناس والبهائم
۱۸۔ موطا امام مالک کتاب الشعر باب ماجاء فی المتحابین فی
۱۹۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب اخبار الرجل بحبته اباه
۲۰۔ ترمذی کتاب الزہد باب ما جاء فی الحب فی الله
۲۱۔ قران حکیم ۲:۲۰۰
۲۲۔ سنن ابن ماجہ ص ۳۹۷
۲۳۔ قرآن حکیم ۳۰:۲۲
۲۴۔ قرآن حکیم ۳۲:۷۔۸

Marfat.com

۲۵۔ قرآن حکیم ۴۹:۱۰

۲۶۔ قرآن حکیم ۴۹:۱۳

۲۷۔ ابن ہشام حصہ دوم ص ۴۷۸

۲۸۔ بخاری، مسلم باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۹۔ قرآن حکیم ۳۰:۲۲

۳۰۔ ابوداؤد ج ۲، ص ۲۱۸

۳۱۔ ابوداؤد، ج ۲ ص ۲۱۱، سیرت ابن ہشام حصہ دوم ص ۳۴۵۔۳۴۶

۳۲۔ ابوداؤد کتاب الادب، باب فی العصبیہ عن جبیر بن مطعم

۳۳۔ قرآن حکیم ۵۹:۲

۳۴۔ مسند احمد ج ۵، ص ۳۴۴

۳۵۔ بخاری کتاب الایمان، باب وان طائفتان من المومنین اقتلوا فاصلحوا بینهما

۳۶۔ قرآن حکیم ۸:۴۶

۳۷۔ قرآن حکیم ۳:۳۱

۳۸۔ قرآن حکیم ۶۲:۲

۳۹۔ مسلم جلد ۵، ص ۱۲۶، کتاب الامارت

۴۰۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، کتاب الحدود و کتاب بدء الخلق

۴۱۔ ابوداؤد کتاب الاقضیہ، باب اجتہاد امران فی القضاء

۴۲۔ قرآن حکیم ۴۷:۷

۴۳۔ قرآن حکیم ۸:۵۳

Marfat.com

Marfat.com

اسلامی فلاحی ریاست اور اس کے تقاضے

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔اس کا تعلق صرف دنیاوی امور سے ہی نہیں بلکہ اخروی زندگی سے بھی ہے۔اسلامی ریاست کا قیام ان اعلیٰ اقدار کے حصول کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے پسند فرمائی ہیں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رہنما، حاکم اور معلم بھی تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے قانون الٰہی کی تشریح کرنا اور اس کی منشاء کے مطابق افراد کی تربیت کرنا تھا۔ پھر ان تربیت یافتہ افراد کو ایک منظم جماعت کی شکل دے کر معاشرے کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرنا بھی تھا۔پھر اس اصلاح شدہ معاشرے کو ایک صالح و مصلح ریاست کی صورت دے کر یہ دکھانا بھی مقصود تھا کہ اسلام کے اصولوں پر ایک مکمل تہذیب کا نظام کس طرح قائم ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ برس تک شب و روز محنت کر کے ایک عظیم الشان تحریک برپا کی اور اپنی قیادت و رہنمائی میں ایک نیا معاشرہ اور ایک نئی ریاست قائم کی۔اس معاشرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہر وقت ایک مستقل نمونہ ہدایت بنی رہی۔اسلام نے انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں توازن پیدا کر کے اسے کامل زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ایسا صرف اسی صورت میں ممکن ہوا جب طرز حکومت اس سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ دین کا جزو بھی ہوئی۔اسلام کے نزدیک ریاست کا مقصد محض دفاع اور امن و امان برقرار رکھنا ہی نہیں بلکہ اس کے اعلیٰ مقاصد میں اجتماعی عدل اور معاشرتی فلاح بھی داخل ہیں۔ بالفاظ دیگر ریاست کو صحیح معنوں میں فلاحی اور خادم خلق ہونا چاہیے۔اسلام نے ریاست کے فلاحی ہونے کو نہ صرف نظریاتی طور پر تسلیم کیا ہے بلکہ اس کے لیے عملی بنیادیں بھی فراہم کی ہیں۔

اسلام میں ریاست کے فلاحی تصور کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم ہے کہ مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان روئے زمین پر اس کا نائب ہے۔اس کا اولین فرض اپنے آقا کی منشاء کی تکمیل ہے۔اس لیے ریاست کو نظریاتی طور پر اللہ کے دین کا عکاس ہونا چاہیے کیونکہ اگر

Marfat.com

ریاست کی اساس اسلامی اقدار پر ہوگی تو فلاح کا تصور بھی انہیں اقدار سے جنم لے گا۔ قدرتی امر ہے کہ یہ تصور بھی احکام ربانی کے تابع ہوگا۔ ریاست افراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے حقوق نہ تو منسوخ کر سکتی ہے نہ معطل، محض انسانی عقل معاشرہ کی فلاح کی ضامن نہیں ہو سکتی کیونکہ انسانی فلاح کے پیمانے ہر لحظہ تبدیل ہوتے رہیں گے۔

اسلامی عقائد میں دنیا اور آخرت لازم وملزوم ہیں جیسا کہ اس قرآنی دعا سے معلوم ہوتا ہے:[1]

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔''

اسلام دنیاوی فلاح کو بھی آخرت کی فلاح کے تابع رکھنے کا خواہاں ہے۔ مادی ترقی اور خوشحالی نہ مقصود بالذات ہے اور نہ ناپسندیدہ شے۔ ہماری کاوشوں کا منتہائے مقصود یہ ہونا چاہیے کہ ایسے انفرادی اور اجتماعی حالات واسباب پیدا ہو جائیں اور ایسا ماحول قائم ہو جائے جو انسان کی اخلاقی طاقت کی ترقی میں معاون ثابت ہو۔ اس اصول کے مطابق اسلام ہر مسلمان کے دل میں ہر چھوٹے بڑے کام کے موقع پر اخلاق ذمہ داری کا احساس جاگزیں کرنا چاہتا ہے۔ فلاحی ریاست کا اسلامی تصور بنیادی طور پر ریاست کو اس امر کا پابند بناتا ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی نہ صرف جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرے بلکہ اس کے عقائد وعبادات، اخلاق اور مادی وروحانی ارتقاء کی صورت گری کا فریضہ بھی اُس کا ہی ہے۔ اسلام نے ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔[2]

اِنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔''

اسلامی فلاحی ریاست میں ہر فرد ایک دوسرے کی زندگی کے بقا وتحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان و مال کے ساتھ حرمت و

آبرو کا بھی حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا ہے۔''[۳]

نیز فرمایا: ''لوگو! تمہارے مال اور خون ایک دوسرے پر ایسے حرام ہیں جیسے آج کے دن، اس شہر اور اس ماہ کی حرمت ہے تا آنکہ تم اپنے رب سے جا ملو۔''[۴]

انفرادی کردار، خانگی معاشرت، تمدنی زندگی، سیاست، کاروبار، عدالت، میدان کارزار، بین الاقوامی امور غرض زندگی کے ہر پہلو کا اخلاقی اقدار نے احاطہ کیا ہوا ہے اور ان تمام کا مقصد اخوت پر مبنی ایک فلاحی معاشرے کی تشکیل ہے۔ اگر ریاست کا کوئی قانون یا اقدام مخرب الاخلاق ہو یا اس سے دین زاری پیدا ہوتی ہو، تو وہ ریاست دیگر فلاحی کام ہی کیوں نہ کر رہی ہو، فلاحی ریاست کے اسلامی تصور پر ہرگز پوری نہیں اتر سکتی۔ اسی طرح اگر وہ اپنے ہاں لادین نظام تعلیم نافذ کرتی ہے تو وہ زندگی کے بعض دوسرے دوائر میں کئی ایک مفید اُمور کی انجام دہی کے باوصف فلاحی ریاست کے اسلامی تصور کی ہرگز نمائندگی نہیں کرتی۔ بالفاظ دیگر ریاست صرف اور صرف اسی صورت میں ہی اسلامی فلاحی ریاست کہلانے کی مستحق ہو گی جب اس کی اجتماعی قوت اسلام کے زیرنگیں ہو۔ اس کی حکمت عملی اور ہر اقدام اسلام کے نفاذ کے لیے ہو۔ محض زبانی دعوے کافی نہیں ہوں گے۔ چونکہ اسلام دین کامل ہے اور مکمل ضابطہ حیات ہے اس لیے اسلامی ریاست کا فلاحی تصور نظم حکومت، دیوانی اور فوجداری قانون، ضابطہ اخلاق و اعمال اور نظام تعلقات خارجہ سب پر حاوی ہے۔

فلاحی ریاست کے اسلامی تصور کی اس تمہید کے بعد اس کی جزئیات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا درجہ عدل و انصاف کا ہے۔ اسلامی نظام عدل کی مثال آج بھی کسی جدید ترین نظام حکومت میں بھی تلاش نہیں کی جا سکتی۔ اسلام قومی تنظیم کی بنیاد ایک متوازن عدل اجتماعی پر رکھتا ہے وہ معاشرے کو Haves and haves not میں تقسیم نہیں کرتا۔ وہ چند ہاتھوں ارتکاز دولت کا مخالف ہے تاکہ ملت کی اکثریت نان ونفقہ کی محتاج نہ رہے۔ اسلام کے نزدیک عدل سے مراد زندگی کے معاملات کی صحیح عقائد ونظریات پر بالکل توازن سے استوار کرنا، افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی راہ پر گامزن ہونا حرام کی جگہ حرام اور حلال کو حلال کی جگہ رکھنا، زیادہ اہم کو زیادہ اہم اور کم اہم کو کم اہم سمجھنا، جو اس کے حقوق ہیں

Marfat.com

وہی اس کے حقوق قرار دینا، نہ ان کو گھٹانا اور نہ بڑھانا ہے۔ عدل کے بارے میں ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں:

۱۔ اِنَّا اَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىکَ اللّٰہُ ؕ وَ لَا تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا ۙ[۵]

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تا کہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔'' تم بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو۔''

۲۔ وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ[۶]

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔''

۳۔ اِنَّمَا کَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ.[۷]

''ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف لائے جائیں تا کہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کریں تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

۴۔ فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ۝[۸]

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلاف میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔''

۵۔ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ[۹]

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔''

۶۔ وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا

Marfat.com

بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ [۱۰]

''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

ایک مقام پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حکومت اُس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔'' [۱۱]

اسلام نے ذمہ داریوں کے تعین کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم کیا ہے تاکہ ہر کوئی عدل اجتماعی کے قیام میں اپنا کردار ادا کرے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی حیثیت گڈریا کی سی ہے۔''

عدل تمام محاسن اعمال کی اصل ہے۔ اسلامی فلاحی ریاست کا یہ فریضہ ہے کہ وہ انسان کو غیر فطری رجحانات سے ہٹا کر فطرۃ اللہ یا نقطہ عدل پر کھڑا کرے۔ عدل کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اس میں حقوق اللہ بھی آجاتے ہیں اور حقوق العباد بھی کہ ہر صاحب حق کا پورا پورا حق ادا کیا جائے، کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ اگر کوئی ظلم کرتا ہے تو اس کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کی حمایت کی جائے۔ اگر ظلم کو سزا دینے کے لیے گواہی کی ضرورت پڑے تو اس سے گریز نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۱۲]

عن ابی بکر انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الناس اذا راؤ الظالم فلم یاخذوا علی ایدیه اوشک ان یعمهم الله بعذاب منه.

''ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کو ظلم سے منع نہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔''

اسلام میں عدل کا قیام تمام بنی نوع انسان کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اسلامی فلاحی

Marfat.com

ریاست کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ کتاب الٰہی و سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں لوگوں کے درمیان بلا امتیاز رنگ و نسل، زبان و ثقافت سے کام لے اور اپنی قاہرانہ قوت کا ناجائز استعمال نہ کرے، کسی کو کسی کی حق تلفی نہ کرنے دے۔ عدل اجتماعی کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ حکومت کی پوری انتظامی مشینری اس کام کے لیے وقف ہو جائے۔ شہریوں میں رضا کارانہ تعاون کے جذبات پیدا کرنے کے لیے نظام تعلیم اور ذرائع ابلاغ سے کام لیا جا سکتا ہے تا کہ لوگوں کے اذہان میں تبدیلی پیدا کی جا سکے، اس طرح ہر شہری حقوق کے حصول اور فرائض کی ادائیگی میں قرآنی عدل کے تقاضوں کا مکمل احترام کرے گا اور قدرتی طور پر ہر شہری آزادی، امن، عافیت اور خوشحالی کی دولت سے بہرہ ور ہو گا۔ یہ عدل کے تقاضوں کے پیش نظر ہی ہے کہ اسلام نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ تھلگ اور ممتاز درجہ دے کر ہر دباؤ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ایسی ان گنت مثالیں موجود ہیں کہ خلیفہ کو قاضی کی عدالت میں مدعی، مدعا علیہ یا گواہ کے طور پر پیش ہونا پڑا۔

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین تھے تو قاضی کے سامنے پیش ہوئے۔ مقدمہ ابی بن کعب کے خلاف تھا۔ قاضی زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جنہوں نے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قسم لینے میں تامل کیا تو انہوں نے خود قسم کھائی اور کہا: ''زید قاضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ عمر اور ایک عام مسلمان ان کے نزدیک برابر نہ ہوں۔'' اسی طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین تھے۔ ایک مرتبہ کسی ذمی کے خلاف ایک فریق کے طور پر پیش ہوئے۔ قاضی نے اُٹھ کر آپ کا استقبال کیا تو آپ نے کہا: ''یہ آپ کی پہلی ناانصافی ہے۔''

یہ دو مثالیں اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ جب قانون کی عمل داری پوری طرح رائج ہو تو وہ فلاحی مملکت کے قیام میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔

فلاحی ریاست کے اسلامی تصور میں ریاست کے ذمہ یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کی نہ صرف ضمانت دے بلکہ اپنے تمام ذرائع بروئے کار لا کر دکھی انسانیت کے مداوے کا باعث بنے۔ اپنے شہریوں کے لیے روزگار اور ترقی کے یکساں مواقع فراہم کرنا اس کا اولین فرض ہے۔ اسلامی فلاحی ریاست میں ہر شہری کو روٹی، کپڑا، مکان، بچوں کی تعلیم و تربیت اور علاج معالجہ وغیرہ کے غم سے نجات ملتی ہے۔ آدم علیہ السلام کو

Marfat.com

عطائے جنت کے وقت یہی کہا گیا تھا کہ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی o وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی o [13]

"یہاں تو تمہیں یہ آسائشیں حاصل ہیں کہ نہ بھوکے ننگے رہتے ہو، نہ پیاس اور دھوپ تمہیں ستاتی ہے۔"

چونکہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [14] (یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں) کے مصداق انسان کے ذمہ ارضی خلافت ہوئی ہے اس لیے اسے زمین کو اپنے لیے اس طرح جنت بنانا ہے اور یہاں خوراک، لباس اور مکان کے ذرائع انسانوں کے لیے پیدا اور مہیا کرنے ہیں۔ یہاں ایسا تصور کرنا بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے کہ ایک طبقہ خوشحال زندگی بسر کرے اور دوسرا لحہ لحہ روٹی، کپڑے اور مکان کو ترستا رہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جب بحرین کا رئیس مسلمان ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک خط کے ذریعہ یہ ہدایت فرمائی: [15]

"بعض لوگوں کے پاس زمین نہیں ہے ان میں سے ہر ایک کو خزانۂ عامرہ میں سے چار درہم اور لباس گزارے کے لیے دیا جایا کرے۔"

اس کے برعکس ہندوؤں کی مذہبی کتاب "سام وید" میں یہ ہدایت درج ہے:

"اے ویدک دھرمی راجاؤ! اور دوسرے ویدک دھرمیو! تم شیر بن کر رعیتوں کو کھاؤ اور چیتے جیسے بن کر اپنے دشمنوں کو باندھ کر جکڑ لو۔ پھر اس کے بعد اپنی مخالفت کرنے والوں کے سامنے سے ان کے کھانے تک اٹھا لو۔"

لیکن اسلام نے ہر فرد کو ایسے تمام کام کرنے کی آزادی دی ہے جن سے اجتماعی مفاد کو نقصان نہ پہنچتا ہو کیونکہ حقوق العباد کو اسلامی تعلیمات میں خاص مقام حاصل ہے۔ اسلام محنت اور کسب حلال کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے اسی لیے اجارہ داری، منشیات کا کاروبار، چور بازاری اور سود وغیرہ کی اسلامی احکام کی رو سے ممانعت ہے۔ دولت اور حسب ونسب کے امتیاز کو ختم کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں معاشی، معاشرتی، روحانی اور اخلاقی شعبوں میں کسی قسم کی درجہ بندی نہیں ہوتی۔

لیکن اس کے لیے فرد کو بھی اپنی اصلاح کرنا پڑتی ہے کیونکہ اگر وہ اپنی خواہشات کے

Marfat.com

بت کا پجاری بنے گا تو اس سے معاشرے میں معاشی بگاڑ پیدا ہوگا۔ اس طرح معاشرتی کردار بگڑتا ہے اور یہ سلسلہ فروغ پاتے پاتے مکمل تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اسی لیے فرمان الٰہی ہے:[۱۶]
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ط یعنی ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف نہیں بدل دیتی۔'' اگر اسلام ایک طرف اہل ثروت کو یہ کہتا ہے:[۱۷]

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ.

''اور سائل کو نہ جھڑکو۔''

تو دوسری طرف وہ خوددار اور بے نیاز نوا کی طرح اس لاتا ہے۔[۱۸]

یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمٰھُمْ ج لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا. ط

''ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں۔ تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو۔ مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں۔''

اگر اہل ثروت کو حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جو تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اس کو خالی مت لوٹاؤ: ولو بشق ثمرۃ ''اگرچہ چھوہارے کی ایک پھانک ہی کیوں نہ ہو'' تو دوسری طرف حاجتمندوں کو فرمایا کہ تمہاری خودداری یہی ہونی چاہیے کہ کسی کے سامنے کبھی ہاتھ نہ پھیلاؤ کہ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی [۱۹] ''اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی فلاحی ریاست میں اسلام کا یہ مقصد قطعاً نہیں کہ حاجت مندوں کی بھیڑ لگا لی جائے بلکہ اسلام ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانے والوں کی مذمت کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی معاشرہ کے ضرورت مند اور محتاج و نادار اور معذور لوگوں کی کفایت کو ریاست کا فریضہ قرار دیتا ہے۔ طبقاتی تقسیم کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب ضرورت مندوں کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں اور ان کے دلوں میں امیروں کے لیے منافرت، بغض اور حسد کے جذبات پروان پانے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے اقتصادی نظام کو محض انفرادی کوششوں کے حوالے نہیں کیا بلکہ اس کے لیے حکومت کو کفیل قرار دیا ہے۔ اس ضرورت کے لیے

Marfat.com

بیت المال قائم کیا جاتا ہے جس میں مختلف جائز ذرائع سے مال جمع ہوتا ہے اور ضرورت مندوں کی جائز ضرورت پر صرف ہوتا ہے۔ ان ذرائع آمدنی میں زکوٰۃ، اموال غنائم، اموال فئے، خمس، صدقات، جزیہ، خراج، عشر، عشور (کسٹم ڈیوٹی)، سرکاری زمینوں کا لگان، وقف اور خرائب (امراء پر جبری ٹیکس) اور اموال زائدہ شامل ہیں۔

اسلام نے بیت المال کو حکمرانوں کی ملکیت قرار دینے کی بجائے اسے تمام رعایا کی اجتماعی ملکیت قرار دیا۔ یہ محتاجوں، غریبوں، غلاموں، مسافروں، مصیبت زدہ انسانوں، یتیموں، بیواؤں کے لیے ابر بہار تھا، اس سے فقر و افلاس اور فاقہ و غربت کی بیخ کنی کی جاتی تھی۔ غریب افراد کی اولاد کی شادی کے موقع پر مالی امداد، بیماری کی صورت میں مالی اعانت اور ہنگامی حالات میں عوام کی دستگیری یہ سب اسلامی مملکت میں حکومت کی ذمہ داری ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر بنیادی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ بنیادی سہولتیں اور مناسب معاشرتی تحفظ قائم ہو تو اس سے بہتر فلاحی نظام اور کیا ہو سکتا ہے؟ اسلامی ریاست میں حکمران بیت المال سے اتنا ہی وصول کر سکتے تھے جتنا رعایا ان کے لیے مقرر کرتی تھی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المال سے صرف اتنی ہی رقم لیتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے گزارہ کے لیے کافی ہو سکے۔ بعض دفعہ ناگزیر حالات کے تحت اگر وہ وظیفہ ناکافی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرض بھی لینا پڑتا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک مقدار جو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے لیے خریدے تھے۔ [۲۰]

مسند امام احمد میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس بستی مین کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے خدا کی نگرانی اور حفاظت کا ذمہ ختم ہو گیا۔''

اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی کو محسوس نہ ہونے دے کہ وہ تنہا یا لاوارث اور یتیم ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول یعنی اسلامی نظام حکومت ہے۔'' [۲۱] یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک یتیم کے پرورش کے لیے کئی کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیار رہتے تھے۔ عبداللہ بن عمر

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ کسی یتیم بچہ کو ساتھ لیے بغیر کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے۔ [۲۲]
اگر کوئی شخص مقروض ہو کر مرے اور اس نے ترکہ نہ چھوڑا ہو کہ جس سے اس کا قرضہ ادا ہو سکے تو اس کے قرض کی ادائیگی بھی ریاست کے ذمہ ہوگی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا تھا: ''میں مسلمانوں سے ان کے اپنے افراد خاندان کی نسبت زیادہ قریب ہوں۔ سو ان میں سے جو وفات پا جائے تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمے ہے۔'' [۲۳]

دیگر روایات میں ہے (مسلم، ترمذی وغیرہ) کہ ایسے شخص کے قرض کی ادائیگی تو حکومت کے ذمے ہوگی لیکن جو کچھ وہ ترکہ چھوڑ جائے وہ اس کے ورثا کا حق ہوگا۔ اسی سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنا دے اور وہ لوگوں کی ضروریات کی طرف سے لاپروائی برتے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور اختیارات کی طرف سے لاپروائی برتے گا۔'' [۲۴]

یہی روایت ترمذی میں ان الفاظ میں آئی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو امام ضرورت مندوں، محتاجوں اور مسکینوں پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور احتیاجات کے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیتا ہے۔'' امام کی ذمہ داریوں میں متوفی کے قرضوں کی ادائیگی بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات نماز جنازہ پڑھانے سے قبل دریافت فرما لیتے تھے کہ میت پر کوئی قرض تو نہیں؟ مراد یہ تھی کہ اگر ہے تو فوراً ادا کر دیا جائے۔ اسی رقم سے قرض بھی دیا جاتا تھا۔ [۲۵] طبری نے ۲۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ہند بنت عتبہ نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تجارت کے لیے چار ہزار درہم قرض مانگے جو بیت المال سے دیا گیا۔ [۲۶]

منجملہ دیگر مقاصد کے اس مقصد کے لیے زکوٰۃ کا نظام رائج کیا گیا اور اس کے لیے اہل کار مقرر کیے گئے، اسلام نے یہ انتظام کیا ہے کہ اندوختہ پر ڈھائی فی صد سال کے حساب سے زکوٰۃ عائد کی گئی ہے۔ جو شخص اپنے اندوختہ کو نفع آور کام میں نہیں لگائے گا زکوٰۃ اُس کے مال کو آہستہ آہستہ کھا جائے گی۔ پس زکوٰۃ میں اس کے لیے یہ تحریک موجود ہے کہ وہ اپنے سرمایہ کو نفع آور کاموں میں لگائے اور کنز (خزانہ) کر کے نہ رکھے۔ گویا اُس کا ایک بڑا فائدہ گھوڑے کے بھاگ جانے کے بعد اصطبل کا دروازہ بند کر کے خطرے سے بچنا ہے۔ یہ حقیقی معاشی بہبود کا

Marfat.com

معاشرتی سرچشمہ ہے۔ اس لیے اسے بیک وقت اخلاقی اور روحانی مقصد بنایا گیا ہے۔ زکوٰۃ کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ جب کسی معاشرے میں ایسے افراد ہوں جن کو اپنی کوششوں کے باوجود کافی ذرائع حاصل نہ ہوتے ہوں پھر اس معاشرے کا مجموعی اعتبار سے یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان کو ضروریات زندگی بہم پہنچائے۔ زکوٰۃ باہمی بغض وعناد کو دور کرنے اور محبت وتعلق کو بڑھانے کا بہترین سامان ہے۔ تنگدستی اور غربت وہ بری بلا ہے کہ جس سے انسان ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور قتل وخون ریزی سے بھی نہیں چوکتا۔ ایسے معاشرے میں جہاں زکوٰۃ کا خدائی قانون رائج ہے محض ناداری کی وجہ سے جرائم کا ارتکاب محال ہے۔ نظام زکوٰۃ کا ایک اور بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ عالم اسلام کی تمام کڑیاں مربوط اور منظم رہیں۔ ایک ایسی جمہوریت تشکیل پائے جس کو انفرادیت کا منتشر تخیل درہم برہم نہ کر سکے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرین زکوٰۃ سے باقاعدہ جہاد کیا۔

کسی بھی فلاحی معاشرہ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس میں دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور سرمایہ چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہونے پائے۔ اسلامی مملکت اس تقسیم کو عادلانہ بنیادوں پر کرنے کا پورا پورا بندوبست کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام سرمایہ داروں کی عیش پرستی اور ان کی خوشحالی کے خلاف ایک اصلاحی اور تردیدی صدائے احتجاج ہے جو اسلام نے چودہ سو برس قبل بلند کی تھی۔

زکوٰۃ کے علاوہ اسلام نے اختیاری صدقہ پر بھی ترغیب دی ہے۔ صدقہ سے مراد خیرات نہیں ہے۔ خیرات کے لفظ میں "محبت" اور "ہمدردی" کا مفہوم پایا جاتا ہے جب کہ صدقہ لینے والے کی تالیف قلوب مدعا ہوتی ہے نہ کہ اس کے احساسات کو ہمدردی سے ٹھیس پہنچانا۔ جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ آتے ان کے لیے روزگار کی کوئی سبیل نہ تھی۔ علاوہ بریں اس وقت اسلامی ریاست ابھی تکوینی مراحل سے گذر رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے افراد کو مسجد میں ٹھہرنے کا حکم فرماتے چنانچہ ان کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی۔

یہ غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ہوتے اور بعد میں پھر مسجد میں چلے جاتے۔ لوگ ان کے اخراجات برداشت کرتے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت

Marfat.com

کے دوران میں جب اسلامی ریاست کی حدود وسیع ہوئیں تو ان کے لیے روزگار کے بے شمار راستے کھل گئے اس لیے ان کو وہاں سے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

صدقہ معاشی توازن برقرار رکھنے کے لیے ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے۔[۲۷] اِنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْہِمْ صَدَقَۃً تُؤخَذُ مِنْ اغنیاءَ ھم فترد عَلٰی فُقَراءِ ھِم.

''بے شک اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لیا جائے گا اور اسے ان کے ضرورت مندوں کو لوٹایا جائے گا۔''

صدقہ اللہ تعالیٰ کے لیے دیا جاتا ہے۔ اسے چھپا کر دیا جائے تاکہ لینے والے کی غیرت پر حرف نہ آئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۲۸] ''بہتر صدقہ وہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے دو تو بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔''

لیکن اگر دوسروں کو بھی ترغیب دلانا مقصد ہو یا خود سائل دوسروں کے سامنے مانگ لے تو فرمایا:[۲۹]

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ ج وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ط

''اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔''

اسی طرح زکوٰۃ کے مصارف کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:[۳۰]

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ o

''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضہ داروں کی مدد کرنے میں راہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا بینا ہے۔''

Marfat.com

جہاں تک ابن سبیل کی صراحت کا تعلق ہے وہ تمام کام جو نیکی اور خیرات کے ہوں اس میں داخل ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج کے باب الصدقات کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

''اور ابن السبیل میں مسلمانوں کی ذاتی مدد کے علاوہ مسافروں کی راحت رسانی کے سامان کی تیاری مثلاً راستوں کی درستی، پلوں اور مسافر خانوں کی تعمیر بھی داخل ہوسکتی ہے۔'' [۳۱]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا قعر مذلت میں گری ہوئی تھی۔ انسان کی قدر ومنزلت مال و دولت اقتدار واختیار اور جاہ ومرتبہ کی بنا پر کی جاتی تھی۔ لیکن یہ ایک چراغ سحری تھا جو طلوع اسلام کے ساتھ ہی گل ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بھرپور احساس تھا کہ معاشرے کی اٹھان معاشی، ثقافتی اور مذہبی کردار پر ہوتی ہے اور اقتصادیات اس میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور اس کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کر کے ہی ہم اس کی نعمتوں سے فیض یاب ہو سکتے ہیں اور یہی صراط مستقیم ہے۔ اسی طرح ہم سماجی انصاف کے ذریعہ مسرتوں کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ ہمارے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے حتی کہ ہمارے اعضاء بھی مطیع ہونے کے لیے ایک امانت کے طور پر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح کوئی بھی فرد بیک وقت مالک اور امین نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کے پیش نظر مسلمانوں کی طبیعتوں میں جو زبردست انقلاب برپا ہوا وہ انسانی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ہے۔ مسلمان انصاف کے علمبردار بن گئے۔ وہ تجسیم فقر بن گئے جن میں بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ تھا۔ ان کے سینوں میں صرف آخرت میں جوابدہی کا خوف جاگزیں ہو گیا۔

اسلام بنی نوع انسان کی برابری اور برادری کا داعی ہے۔ یہ ایک ایسے معاشی نظام کا خواہاں ہے جس میں دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ اس کی بھرپور سعی ہے کہ ارتکازِ دولت نہ ہونے پائے۔ قرآن حکیم میں اس کی واضح طور پر ممانعت آئی ہے: [۳۲]

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

Marfat.com

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝

''جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

جماعتی خوشحالی سے بڑھ کر کوئی مبارک چیز نہیں ہے، اس میں برکت پائی جاتی ہے۔ لیکن یہ اس وقت فتنہ بن جاتی ہے جب یہ چند افراد میں سمٹی ہوئی ہو۔ کیونکہ جب دولت چند افراد کے قبضے میں آ گئی اور باقی افراد محروم رہ گئے تو قدرتی طور پر ہر طرح کا غلبہ وتسلط چند افراد کے ہاتھ میں آ جائے گا۔ ایسے غلبہ وتسلط کا نتیجہ غرور باطل اور استکبار عن الحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم انفرادی حالت میں اسے فتنہ بھی کہتا ہے اور عذاب الٰہی کی نوید سناتا ہے: [۳۳] وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝ ''درد ناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''دو خونی بھیڑیوں کا کسی زخم کو چاٹنا انسان کے لیے اتنا خطرناک نہیں جتنا کہ ایک مسلمان کے لیے اس کا دولت سے محبت (ابن عمر کی روایت)۔ ایک اور حدیث میں کعب بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر قوم کے لیے ایک آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کے لیے یہ آزمائش دولت ہے۔'' [۳۴]

ان احکام کی روشنی میں ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی عام ضروریات سے زیادہ نہ رکھے بلکہ غربا میں تقسیم کر دے۔ قران حکیم نے اکتساب کا معاملہ انفاق مال کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے کوئی کمائی جائز تسلیم نہیں کی جا سکتی اگر انفاق سے انکار کرتی ہو۔ ہر وہ کمائی جو محض اکتناز کے لیے ہو اور انفاق کے لیے دروازہ کھلا نہ رکھے تو قرآن کے نزدیک ناجائز، ناپاک اور مستحق عقوبت ہے۔ لانفاق فی سبیل اللہ کو اللہ نے صرف دین کی حمایت تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہر اس کام کو جو خدا کی رضا جوئی کے لیے کیا جائے اس میں شامل فرمایا اور ساتھ ان باتوں سے پرہیز

Marfat.com

کرنے کی ہدایت فرمادی جن سے فی سبیل اللہ کی شرط پوری نہیں ہوتی۔ ارشاد خداوندی ہے:[۳۵]

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○

''جولوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے۔ افزونی عطا کرتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔''

• از روئے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معاشی تخلیق کی جدوجہد میں تعطل کو دور کرنے کا عمل اسلامی معیشت ہے اور جن لوگوں کی زندگی میں تعطل موجود ہے ان کو وسائل تخلیق مہیا کرنا ہی اسلامی نظام معیشت ہے۔ زندگی کی ضروریات سے محروم افراد کی ضروریات پوری نہ کرنا تکذیب دین ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:[۳۶] لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ○ ''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔'' انفاق کرنے والے کی نیکی اور اس انفاق سے استفادہ کرنے والے کی معیشت باہمی طور پر مربوط ہیں۔ اس لیے صرف فرائض کو بجالانے سے ہی ایسا معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جو حقوق کے تصادم سے محفوظ ہو۔ آدمی مدنی الطبع بھی ہے اور معاشرتی وجود بھی وہ اپنے کمال کو معاشرتی زندگی کے بغیر نہیں پہنچتا۔ بہترین معاشرتی زندگی وہی ہے جس میں سب افراد ایک دوسرے کے معین و مددگار ہوں۔ اسی لیے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خیر النّاس انفسھم للنّاس ''لوگوں میں بہترین وہ فرد ہے جو لوگوں کے حق میں سب سے زیادہ نفع رساں ہے۔'' ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۳۷] ''تو مسلمانوں کو باہم رحم، محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی طرح دیکھے گا۔ جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کے لیے پورا جسم بے خوابی اور بخار کے ساتھ پکارتا ہے۔''

اسلام انسانوں میں محبت و ہمدردی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے خیرات کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ہر انسان دوسرے کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے۔ سود خور کی ذہنیت بالکل اس کی

Marfat.com

ضد ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی احتیاج سے خود انتہائی فائدہ اٹھائے اور محتاج کو دولت جمع کرنے کا ذریعہ بنائے۔ گویا اس میں ہمدردی و اخوت کے جذبات مفقود ہوتے ہیں۔ چونکہ سود انسانوں کا معاشی قتل ہے اس لیے اسلام نے اس سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ ساتھ ہی اسلام نے اسراف سے پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کیونکہ اس طرح اس کے ہر قول و فعل کی جزا و سزا ملے گی۔ اس کے ساتھ ہی ریاست پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ ہر فرد کی ضروریات کو پورا کرے۔ قرآن حکیم میں معاشی تحفظ کی ضمانت کے ذیل میں افلاس و ناداری کی روک تھام کے لیے واضح نصوص موجود ہیں:

۱۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ O [۳۸]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔''

۲۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ O [۳۹]

''پوچھتے ہیں ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ کہو: جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔ شاید کہ تم دنیا اور آخرت دونوں کی فکر کرو۔''

۳۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ O [۴۰]

''اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے۔''

۴۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ لا کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ط وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ق وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ج [۴۱]

''جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے

Marfat.com

تا کہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔“

اس کے ساتھ ساتھ معاشی تحفظ اور خوشحالی کے لیے عملی تدابیر بھی بیان کی گئی ہیں:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ؁ [۴۲]

”اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔“

جس معاشرے میں اہل ایمان اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں وہاں کوئی آدمی محتاج نہیں رہ سکتا، بلکہ وہ معاشرہ فی الواقع معاشی اعتبار سے بہتر اور خوشحال ہو جاتا ہے کیونکہ جذبۂ ایثار و قربانی ہی حقیقی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے جب کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: [۴۳]

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ؁

”(نیز وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ یہی راستباز لوگ ہیں۔“

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست کی نیو ڈالی تو حکومت کے ذرائع نہایت محدود تھے۔ اسی لیے اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر یہ دعا رہتی تھی ”پروردگار! یہ بھوکے ہیں تو انہیں پیٹ بھر کر کھلا، یہ ننگے ہیں تو انہیں کپڑے پہنا۔ یہ پیدل سفر کرتے ہیں تو انہیں سواری عطا فرما۔“ ظاہر ہے کہ ان دعاؤں کا مقصد یہ تھا کہ ریاست کے ذرائع اتنے کثیر ہو جائیں کہ وہ ان ناداروں کی تمام ضروریات پوری کر سکے۔ اس پروگرام کا پہلا انفرادی طور پر خوشحال لوگوں کے صدقات کی رو سے ضروریات کا پورا کرنا تھا۔ چنانچہ اس نظام پر عمل کرنے سے ایک وقت ایسا آیا جو فلاح و بہبود کی مثالی تصویر نظر آتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایک دور ایسا آیا کہ مسلمان

Marfat.com

زکوٰۃ کی رقم ہاتھ میں لیے گلیوں اور بازاروں میں پھرتے تھے لیکن لینے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ غربت، بھیک اور حاجت مندی ختم ہوگئی تھی اور ہر کوئی باعزت انداز میں زندگی گذارنے کے مواقع حاصل کر چکا تھا۔

قرآن حکیم معاشرے پر مجموعی اعتبار سے ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ ضرورت مند افراد کی ضروریات خاص طور پر یتیم بچوں کے مفاد کی حفاظت کرے۔ وہ معاشرے پر زیر تولیت افراد کا دفاع کرنے کا فرض بھی عائد کرتا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ [۴۴]

''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کردے۔''

خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ایک ارشادات بھی ہمارے لیے رشد وہدایت کا سامان بہم پہنچاتے ہیں:

۱۔ جو کہ محتاج یا غریب کی طرف سے جدوجہد کرتا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے کی مثل ہے یا اس کی مثال شب میں عبادت اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔'' [۴۵]

۲۔ ''جو کہ جانتے ہوئے بھی برداشت کرتا ہے کہ ان میں کوئی شخص بھوکا ہے ان پر سے اللہ کی حفاظت اٹھالی جاتی ہے۔'' [۴۶]

۳۔ جس کسی کے پاس بہت سی دولت ہے وہ اس میں سے محروم افراد کو شامل کرے۔'' [۴۷]

۴۔ ''جس کے پاس دو افراد کے لیے کھانا ہے وہ تیسرے کو بھی اس میں شامل کرے اور جس کے پاس تین افراد کے لیے کھانا ہے وہ اس میں چوتھے کو بھی شامل کرے۔''

Marfat.com

۵۔ اس کا مجھ پر ایمان نہیں ہے جو اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہے بھرپور نیند سوتا ہے۔''

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی خیرات وصدقات سے پیدا ہونے والے نفسیاتی اثرات سے بھی بخوبی واقف تھے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کا اپنی پشت پر بوجھ لاد دینا بہتر ہے اس سے کہ وہ دوسروں سے سوال کرے۔''[۴۸] ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت مندوں کو مستقل روزگار پر لگنے کا مشورہ دیا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ''تمہارے پاس کچھ ہے؟'' عرض کیا ''ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منگوا کر نیلام کیا اور ان کی قیمت سے اسے ایک کلہاڑی خریدنے کا فرمایا۔ پھر اسے جنگل کی راہ سجھائی۔ اس طرح ایک بیکار آدمی معاشرے کا نہایت فعال رکن بن گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اچھا ہے یا یہ کہ اپنے چہرے پر گدائی کا داغ لگا کر روز قیامت حاضر ہوتے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی خیرات وصدقات سے پیدا ہونے والے نفسیاتی اثرات سے معاشرے کو بچانے کے لیے وظائف کا سلسلہ شروع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دولت مندوں اور غریبوں کو برابر نہیں دیتے تھے، نہ ہی میراث کے قاعدے کے مطابق تقسیم فرماتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے مطابق عطا فرماتے تھے۔ یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے۔ مقروضوں کے قرض ادا کرتے تھے اور غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی مسائل کے حل کے لیے ایک ایسا علاج اختیار فرمایا جس سے جسم کے تمام فاسد مادے کی اصلاح ہو جاتی ہے اور تمام پھوڑے خود بخود اپنی جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ.

''تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق جواب طلبی ہوگی۔''

سربراہ ریاست حاکم نہیں بلکہ خادم قوم کہلاتا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر خلفاء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر مکمل طور پر عمل کیا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

Marfat.com

راتوں کو گلیوں کے چکر لگائے تاکہ عوام کی پریشانیوں اور تکالیف کا خود جائزہ لے سکیں۔ انہوں نے اپنی پیٹھ پر غلہ کی بوری لاد کر ضرورت مند کے گھر تک پہنچائی اور ملک بھر کے ضرورت مندوں، یتیموں، بوڑھوں اور حاجت مندوں کے رجسٹر تیار کروائے۔ انہوں نے وفات سے کچھ عرصہ قبل فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا تو ایسا نظام قائم کروں گا کہ صفا کی پہاڑیوں میں رہنے والا گڈریا بھی اجتماعی دولت سے اپنا حصہ وصول کرے۔''

یہ معاشی تحفظ صرف مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص نہیں تھا بلکہ تالیف قلب اور غیر مسلموں کی اعانت کے لیے یکساں طور پر اقدامات کیے گئے۔ جہاں تک غیر مسلموں کے مذہبی، معاشرتی اور شہری حقوق کا تعلق ہے اسیولیبان کا یہ قول کفایت کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے ماتحت غیر مسلموں (ذمیوں) کو وہ سب کچھ حاصل تھا جو کسی قوم کو حاصل ہو سکتا ہے۔ البتہ صرف ایک بات کا حق نہ تھا یعنی وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ذمی کے خون کی قیمت مسلمانوں کے خون کے برابر ہے اور یہ کہ جو ہمارا ذمی ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح اور دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔''

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں انہوں نے جب ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اسے گھر لے گئے۔ پہلے اپنے گھر سے کچھ دیا پھر بیت المال کے خزانچی کو بلا کر ہدایت کی کہ اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا روزینہ مقرر کیا جائے۔ پھر فرمایا: ''خدا کی قسم! یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے فدیہ لے کر کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔''[۴۹]

اسلامی فلاحی ریاست کی تعمیر عقیدے نے کی۔ یہ عقیدہ بخشنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اس عمارت کی ٹھوس بنیاد رکھی۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزینے مقرر کیے تو شروع دور میں شیر خوار بچوں کو نہ ان کا روزینہ ملتا تھا اور نہ خوراک، جب تک کہ وہ دودھ چھوڑ نہ دیتے۔ اس طرح کئی ایک ماؤں نے وقت سے پہلے اپنے بچوں کا دودھ چھڑانا شروع کر دیا تاکہ ان کا روزینہ مقرر ہو سکے۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو اعلان کیا کہ بچوں کا دودھ چھڑانے میں مائیں جلدی نہ کریں ہم نے ہر مولود فی الاسلام کا روزینہ مقرر کر دیا ہے۔[۵۰] وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اولاد کی خاطر

Marfat.com

لوگ غلط کام کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے بیت المال پر ہر شخص کی ابتدائی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں اور بیوی کے ابتدائی اخراجات کی کفایت بھی ڈالی۔ ان تنخواہوں کے علاوہ ہر فرد کو (بچہ، بڑا، آزاد یا غلام) کو دو جریب ماہانہ گندم، دو سیر سرکہ اور چار سیر زیتون فی کس اس کے علاوہ دیا جاتا۔[۵۱]

مال کی تقسیم کے لیے جب دیوان مرتب کیا جانے لگا تو خلیفہ ہونے کے باوجود عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا نام سرفہرست نہ آنے دیا اور اس کا آغاز بنی ہاشم سے کروایا۔ اس طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک استفسار پر بڑے غصے کے ساتھ لکھا:[۵۲]

فان العجب کل العجب منک اذا تری لنفسک فی بیت مال الله اکثر ممالرجل من المسلمین.

''تمہارے اس خیال پر مجھے حد درجہ حیرت ہوئی ہے کہ تم سمجھتے ہو بیت المال میں تمہارا حق، مسلمانوں کے عام آدمی کی نسبت زائد ہے۔''

ان دونوں حضرات کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یقیناً یہ ارشاد تھا کہ ''سربراہ ریاست کی حیثیت محض ایک خزانچی کی ہوتی ہے۔ اس کے پاس ڈھیروں مال جمع رہتا ہے لیکن سب اس لیے کہ جہاں تقسیم کرنے کا اسے حکم دیا جائے وہاں تقسیم کر دے۔''[۵۳]

فلاحی ریاست کے اسلامی تصور میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ریاست اپنے شہریوں کی تعلیم کا مناسب بندوبست کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں ساری دنیا کے لیے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا روحانی نظام قائم کیا جس کی بنیاد میں توحید، رسالت، خلافت، آخرت، عالمگیر اخوت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسے عقائد شامل ہیں۔

ان عقائد کی اساس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا تعلیمی انقلاب برپا کیا جو سراسر عوامی علمی تحریک بن کر ابھرا۔ تعلیم کے نظام میں اولیت دینی علوم کو دی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان تمام علوم کی تدریس بھی شامل ہے جو دین اور دنیا دونوں کے لیے ضروری ہیں۔ اس نظام نے تعلیم کے استحصال کے سارے طلسم توڑ ڈالے اور انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ علم کی فضیلت،

Marfat.com

اہمیت اور اس کی عمومیت کی ایسی داغ بیل ڈالی کہ علم کا حصول بلا امتیاز رنگ و نسل یا جنس ہر ایک کی بنیادی ضرورت اور حق بن کر سامنے آیا۔ واضح رہے کہ اسلام کے ہر اچھے اور برے دور میں تعلیم بالکل مفت رہی اور اس کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی تحریک کا مخاطب ہر دور کا انسان ہے لہٰذا اس تحریک کے مقاصد بھی نہایت وسیع اور جامع تھے۔ ان مقاصد کا حصول دنیوی زندگی کی بہبود کا باعث بنتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اُخروی اصلاح کا خالق بھی۔ ان مقاصد میں رضائے الٰہی کا حصول، ملت کی تربیت اور پوری انسانیت کی تعمیر و ترقی شامل ہے۔ اسلام میں علم کو ''فرض'' کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا سیکھنا ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے اور فرض کی حیثیت کلی و دائمی ہے (اَلْعِلْمُ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَۃٌ)۔ چنانچہ ہر مسلمان مہد سے لحد تک علم حاصل کرنے کا مکلف ہے (اُطْلُبُوْ الْعِلْمَ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحدِ) ۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''تعلیم حاصل کرو خواہ تمہیں اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔علم کا نور ہی جہالت کا گھٹاٹوپ اندھیرا دور کرسکتا ہے۔غزوۂ بدر میں جو کفار قید ہوئے تھے ان کی رہائی کے لیے بطور تاوان مسلمان بچوں کو تعلیم دینے کی شرط مقرر کی گئی تھی۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صوبائی عمال کو اسلامی تعلیمات کی درس و تدریس کا فریضہ سونپ رکھا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ مدینہ فی الواقعہ مدینۃ العلم بن گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی تعمیر کی جو بیک وقت سجدہ گاہ بھی تھی اور درس گاہ بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے معلم اول اور تلامذۂ اصحاب صُفّہ تھے۔ وہ عرب جو لکھنے پڑھنے کو ایک عیب خیال کرتے تھے ان کا ایک ایک گھر فقہ، حدیث اور تفسیر کے دارالعلم میں تبدیل ہوگیا۔

فلاحی ریاست کے اسلامی تصور میں مفت طبی امداد کی سہولت بھی داخل ہے۔ یہ امر ایک فلاحی ریاست کے لیے نہایت اہم ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی اصلاحی اور روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کی طرف بھی توجہ دیتی ہے کیونکہ بیمار جسم بیمار ذہن پیدا کرتا ہے۔ بیماریوں کی روک تھام کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنا، ہسپتالوں اور طبی تعلیم کے اداروں کا قیام اور ان کے لیے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانا، حفظان صحت کے اصولوں کا نفاذ اور اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کی روک تھام یہ سب معاملات اسلامی حکومت اپنے فرائض میں شامل خیال کرتی

Marfat.com

تھی۔ عوام کو علاج معالجہ کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے یہ لازم ہے کہ مارکیٹ میں اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول ہو، دھوکہ دہی کی وارداتیں نہ ہوں، مال کے لین دین میں دیانتداری کے تمام تقاضے پورے کیے جائیں۔ اس امر کا سارا انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے ہمیں خلاف راشدہ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادوار میں اس کی عملی مثالیں ملتی ہیں کہ کس طرح انہوں نے اشیاء کی قیمتوں کو بڑھنے سے روکنے کے لیے کامیاب اقدامات کیے اور معاشرہ میں توازن قائم کیا۔

اسلامی ریاست اگر یہ محسوس کرے کہ ملی مقاصد کے لیے انفرادی ذرائع اور وسائل کو اجتماعی ملکیت میں لینا ضروری ہے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ متاثر افراد کو مناسب اور فوری معاوضہ ادا کرے۔ علاوہ بریں وہ اجتماعی مفادات کی خاطر قومیانے کی پالیسی بھی رائج کر سکتی ہے لیکن ایسا اقدام صرف اس صورت میں ہونا چاہیے جب اس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کا بھلا ہو۔ دراصل زمین کا مالک خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا نظام اس کی منشا کے مطابق چلایا جانا چاہیے اور اسلامی ریاست میں زمین کا بہترین استعمال یہی ہو سکتا ہے کہ اس سے زیادہ انسانوں کو فائدہ پہنچے۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام اور عراق کی فتح کے بعد زیر کاشت اراضی غیر مسلم کاشتکاروں کے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا۔ جس کا مقصد جاگیردارانہ نظام کی حوصلہ شکنی تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاہی خاندان کی ساری ناجائز املاک اور خزانہ بیت المال میں جمع کرا دیا اور اسے اجتماعی ملکیت قرار دیا۔

اب اسلامی فلاحی ریاست کے حکمران کا کردار ملاحظہ ہو۔ ریاست کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر ہونی چاہیے کہ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار تھا۔ وہ حاکم اعلیٰ بننے کی کوشش نہ کرے بلکہ عدل کے دائرہ میں رہ کر ملی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے قوانین وضع کرے، ان پر خود بھی عمل کرے اور ان پر عوام سے بھی عمل کروائے۔ امور ریاست میں عوام کو شریک کرے اور باہمی مشاورت کے اُصول پر عمل کرے کہ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعار تھا۔ پیغمبر ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو کبھی بھی قانون سے بالاتر خیال نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ایک مواقع پر خود کو دیت کے لیے پیش کیا۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ ابن اسحاق ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔

Marfat.com

میرے پاؤں میں بھاری جوتے تھے اور غلطی سے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹانگ پر سے گذر گیا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک تازیانہ رسید کیا۔ اگلے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور اسی بکریاں بطور دیت عنایت فرمائیں اور فرمایا کہ اب تمہارا اور میرا احساب بے باق ہے۔

احتساب ایک سنہری زنجیر ہے جس میں تمدن، اخلاق، مذہب اور معاشرت کی تمام جزئیات جکڑی ہوئی تھیں۔ اگر اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے تو دفعتہً نظام عالم کی ایک ایک کڑی درہم برہم ہو جائے۔ احتساب سے ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جاتا ہے جہاں کسی فرد کے ساتھ کوئی بڑی سے بڑی طاقت اور کوئی بڑے سے بڑا حاکم اور عامل بے انصافی نہ کر پائے۔ ہمارے پاس عہد فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتساب کی مثالیں موجود نہیں۔ وہ اپنے عمال اور اپنا احتساب ایک ہی طرح کرتے تھے اور اس کا مقصد محض اصلاح احوال اور عوامی فلاح و بہبود تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر عمال ذاتی تعیش میں پڑ جائیں گے تو وہ عوامی فلاح کو یکسر فراموش کر بیٹھیں گے۔ اسلامی فلاحی ریاست صرف وہی ہو سکتی ہے جو عدل اور احتساب ذات کے ہر معیار پر پوری اترے، جو عوام کو ہر طرح کی آسودگی و خوشحالی بہم پہنچائے اور جس کے کارکن اپنے نفس امارہ پر پوری طرح قابو پا لیں۔ اسلام نے رنگ و نسل کو جس طرح یکسر ختم کیا اور احتساب کو رواج دیا، وہ اپنی جگہ ایک منفرد واقعہ ہے۔ کل کے غلام بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشی اتنے باہمت ہو گئے کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جرنیل کے سر سے ان کا عمامہ اتار کر ان کے دونوں ہاتھ ان کی پشت سے باندھ دیتے ہیں۔ اس واقعہ کا پس منظر ملاحظہ ہو:

- عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نامور شاعر الاشعث کو دس ہزار درہم ایک قصیدہ پڑھنے پر انعام میں دیئے ہیں تو انہوں نے شام کے گورنر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے ایک فرمان بھیجا کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کی موجودگی میں استفسار کیا جائے کہ یہ رقم انہوں نے کہاں سے لی ہے؟ اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی ہے اور اگر اپنی جیب سے دی ہے تو اسراف کیا ہے۔ دونوں حالتوں میں انہیں معزول کر دو۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا البتہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ بالا طریقہ اختیار کیا اور جب خالد

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ وہ رقم انہوں نے اپنے مال سے دی ہے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ہاتھ کھول دیئے۔ ان کی ٹوپی ان کے سر پر رکھی اور ان کی پگڑی اس کے گرد لپیٹی اور بلند آواز سے اعلان کیا:[۵۴]

فسمع ونطیع لولاتنا ونظم و نحذم موالینا

''ہم اپنے حکام کی بات سنتے اور ان کی اطاعت کرتے ہیں اور اپنے موالی کے خادم ہیں۔''

اسلام اس بات کا خواہاں ہے کہ سمع و طاعت کے ایسے نظم میں انسانی معاشرہ ڈھل جائے جس میں اصل اطاعت خدا کی ہو۔ اس کی اطاعت کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے اور اس سے نچلے درجے پر جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت میں نظام زندگی کو چلانے والے ہوں ان کی اطاعت ''معروف'' کی حد تک جائے۔ ان تینوں لڑیوں کا باہم رابطہ قرآنی نظام کے قیام کے لیے از حد ضروری ہے ورنہ اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں نہیں آ سکتا۔ قرآن حکیم ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جو نوع انسان کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو جیسا کہ اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے۔[۵۵]

یہ معاشرہ اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے[۵۶]

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

یہ ایسے افراد ہوں کہ جن کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہیں۔ اسلام نے ان نظریوں کی صرف تعلیم ہی نہیں دی بلکہ اس نے مسلمانوں کو عمل پر ابھارا ہے۔ مسلمانوں نے اس اخوت کو آزما کر دیکھا اور اس مساوات کو اچھی طرح چھو کر دیکھا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ہی فیضان تھا کہ ایک مومن نے عمر فاروق رضی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ عنہ کو برملا کہا تھا کہ ''اگر ہم نے تم میں کوئی کمی دیکھی تو ہم تمہیں تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔'' اسی طرح جب فاقے سے آپ کو بھوک ستاتی تو آپ فرماتے:

''اے میرے پیٹ! تم اس وقت تک خوراک کے بغیر رہو گے جب تک کہ تمام لوگ سیر ہو کر نہ کھائیں۔''

اسلامی حکومت پر خوراک کی فراہمی کی ذمہ داری کس طرح عقائد ہوتی ہے، اسے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ ہی نے ایک فقرے میں جامعیت سے سمو دیا ہے کہ اس سے زیادہ بلیغ انداز ذہن میں نہیں آ سکتا۔ فرمایا:

''اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو قیامت کے دن عمر سے اس کی بھی باز پرس ہوگی۔''

اسلامی فلاحی ریاست میں نظام اقتدار نہیں بلکہ نظام اطاعت الٰہی ہے۔ یہاں حاکم احکام الٰہی کو پہلے اپنی ذات پر نافذ کرتا ہے پھر دوسروں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں راعی اور رعیت کے درمیان نفرت کی بجائے اخوت، ہمدردی اور مساوات جیسے ارفع جذبات فروغ پاتے ہیں۔ کیونکہ دونوں کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہوتا ہے کہ ''خبردار رہو۔ تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمران ہو وہ بھی راعی ہے اور اپنی رعیت کے معاملے میں جوابدہ ہے۔''

اسلامی فلاحی ریاست میں شہریوں کے حقوق کے پیمانے بھی دوسرے نظام ہائے حکومت سے الگ ہوتے ہیں۔ یہ حقوق اسلام نے انسان کو بحیثیت انسان عطا کیے ہیں اور اسلامی ریاست کے دستور میں انہیں بنیادی جگہ حاصل ہے۔ اسی طرح اسلامی فلاحی ریاست کی ذمہداریاں بھی دوسری ریاستوں سے بہت زیادہ ہیں۔ یہاں قانون کی بجائے اخلاقی اقدار پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کیونکہ اخلاق سے ماورا ہو کر اچھی سے اچھی حکومت بھی مثبت نتائج برآمد نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ انسانوں سے پیار کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ بہتر ماحول میں رہ سکیں۔ اسلامی فلاحی ریاست اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق انسانوں کی بھلائی کا بھرپور خیال رکھتی ہے۔ یہ ان کی بنیادی ضروریات چاہے وہ معاشی ہوں یا معاشرتی، اخلاقی ہوں یا سیاسی،

Marfat.com

بدرجہ اتم پورا کرتی ہے۔ یہ ان کو وقار اور عزت سے جینے کا ڈھنگ سکھاتی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے پورے معاشرے میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو گیا۔ ہر کسی نے رضائے الٰہی کے لیے جینے کا ڈھنگ سیکھا۔ سربراہ ریاست کی مثال یتیم کے سرپرست کی سی ہو گی۔ اگر وہ صاحب استطاعت ہوتا تو قومی دولت صرف کرنے میں احتیاط کرتا اور اگر حاجت مند ہوتا تو بقدر ضرورت لے لیتا۔ یہ انقلاب انقلاب فرانس سے بہت اعلیٰ وارفع ہے کیونکہ اہل فرانس کا انقلاب ان کے مابین مساوات نہ لا سکا لیکن اسلامی انقلاب نے ان کو یہ اصول نشین کرایا کہ جو جس کا حقدار ہو اسے وہ چیز ملنی چاہیے اس طرح خاندانی، طبقاتی، اور مادی بالاتری ختم ہو کر رہ گئی۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم ۲:۲۰۱
۲۔ قرآن حکیم ۵:۳۲
۳۔ ابوداؤد
۴۔ بخاری، مسلم، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۵۔ قرآن حکیم ۴:۱۰۵
۶۔ قرآن حکیم ۴۲:۵۱
۷۔ قرآن حکیم ۲۴:۵۱
۸۔ قرآن حکیم ۴:۶۵
۹۔ قرآن حکیم ۴:۵۸
۱۰۔ قرآن حکیم ۴۹:۹
۱۱۔ ابوداؤد، ترمذی
۱۲۔ ترمذی، سیرۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، محمد فاروق، ص ۳۰۴
۱۳۔ قرآن حکیم ۲۰:۱۱۸۔۱۱۹
۱۴۔ قرآن حکیم ۲:۳۰
۱۵۔ حاشیہ سیرت حلبیہ ج ۳، ص ۶۹
۱۶۔ قرآن حکیم ۱۳:۱۱
۱۷۔ قرآن حکیم ۹۳:۱۰
۱۸۔ قرآن حکیم ۲:۲۷۳
۱۹۔ بخاری، کتاب الزکوۃ، باب اتقوا النار و بشق تمرۃ
۲۰۔ بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیئۃ
۲۱۔ ترمذی
۲۲۔ تذکرہ الحفاظ ذہبی ذکر مسروق بن اجدع تابعی او مسند ج ۲، ص ۳۲، بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۶، ص ۱۵۰ شبلی نعمانی
۲۳۔ ابوعبید، کتاب الاموال
۲۴۔ ابوداؤد

Marfat.com

۲۵۔ تفسیر کبیر ج ۴، ص ۶۸۱، بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۵، ص ۱۵۱، شبلی نعمانی

۲۶۔ بحوالہ چند معاشی مسائل اور اسلام ص ۱۸۵، سید یعقوب شاہ

۲۷۔ متفق علیہ

۲۸۔ مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل اخفاء الصدقہ

۲۹۔ قرآن حکیم ۲:۲۷۱

۳۰۔ قرآن حکیم ۹:۶۰

۳۱۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۵، ص ۲۳۷

۳۲۔ قرآن حکیم ۵۹:۷

۳۳۔ قران حکیم ۹:۳۴

۳۴۔ ترمذی

۳۵۔ قرآن حکیم ۲:۲۶۱

۳۶۔ قرآن حکیم ۳:۹۲

۳۷۔ بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ للناس

۳۸۔ قرآن حکیم ۲: ۱۷۷

۳۹۔ قرآن حکیم ۲:۲۱۹

۴۰۔ قرآن حکیم ۵۱:۱۹

۴۱۔ قرآن حکیم ۵۹:۷

۴۲۔ قرآن حکیم ۵۳:۳۹

۴۳۔ قرآن حکیم ۵۹:۸

۴۴۔ قران حکیم ۴:۷۵

۴۵۔ بخاری، ترمذی، نسائی

۴۶۔ احمد بن حنبل

۴۷۔ مسلم، ابوداؤد

۴۸۔ بخاری، کتاب الزکوۃ

۴۹۔ کتاب الخراج، فصل من تجب علیہ الجزیۃ، ص ۷۲، قاضی ابو یوسف

۵۰۔ طبقات، ج ۳، ص ۳۱۷، ابن سعد

۵۱۔ بحوالہ اسلام میں مرکزی حکومت کا تصور اور اس کی معاشی اور اقتصادی ذمہ داریاں، ص ۲۴۶، رشید اختر ندوی

Marfat.com

۲ عقد الفرید، ج۳، ص۱۲۲

۵۳ زاد المعاد، ج۲ حافظ ابن قیم

۵۴ طبری ج۴، ص۲۰۵

۵۵ قرآن حکیم ۴:۱

۵۶ ۳:۱۱۰

Marfat.com

اسلام کا معاشی نظام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد فوری طور پر اردگرد کے قبائل کے ساتھ میثاق مدینہ طے فرمایا جس کی رو سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں ایک اجتماعی انشورنس کا انتظام کیا گیا۔[۱] اس سے پیشتر اگر کوئی شخص غلطی سے کسی کو قتل کر دیتا تو اسے ایک سو اونٹ خون بہا ادا کرنا پڑتا۔ اس ذاتی ذمہ داری سے نکال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ادائیگی اجتماعی طور پر فرما دی۔ اسی طرح دشمن کے ہاتھوں پکڑے جانے والے فرد کی رہائی کے لیے ایک سو اونٹ فدیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ غریب رہائی پانے کے بجائے دشمن کے غلام بن کر رہ جاتے۔ اس کی رہائی کی ذمہ داری ہر قبیلے میں قائم کیے گئے انشورنس یونٹ پر ڈال دی گئی۔ اگر اس یونٹ کے وسائل محدود ہوتے تو اس کو قریبی آبادی اس کی اعانت کرتی۔ ممکن ہے کہ ساری آبادی کی انشورنس یونینیں بھی یہ بار نہ اٹھا سکیں تو ایسی صورت میں مرکزی حکومت پر مدد دینا فرض قرار دیا گیا۔[۲]

۹ ھ کے بعد حصول دولت کے پر امن طریقوں کے دروازے کھل چکے تھے۔ اسی بنا پر فرضیت زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ اس سے قبل خیرات، صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا عام حکم ہی نافذ تھا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ ''سارے مومن بھائی بھائی ہیں۔''[۳] اس لیے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ انفاق محبت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تاسیس ریاست کے بعد تو نادار افراد کی کفالت کی ذمہ داری ریاست کی ٹھہری ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آغاز سے ہی یتیموں اور فقراء کی خبر گیری کرتے آئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ''فترت'' کے تین سال بعد یہ نہ فرماتا کہ ''لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو۔''[۴] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اجتماعی اور اقتصادی پہلو میں بھی ہمہ گیر تھی۔ اس اعتبار سے معاشی طور پر جو پروگرام پیش کیا گیا اس کے آگے محض نصف صدی میں دنیا کی تین بڑی سلطنتیں (ایران، مصر اور شام) سرنگوں ہو گئیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے قوانین کو

Marfat.com

مذاہب تک ہی محدود رکھتے تو اسلام اتنی سرعت سے نہیں پھیل سکتا تھا۔

اس نظام کی اساس ربوبیت ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی رزّاق ہے۔ اس نے انسان کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ کسب حلال کے حصول کے لیے ان کا بھرپور استعمال از حد ضروری ہے تاکہ وہ قومی پیداوار یا دولت میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ اس حقیقت سے سب آشنا ہیں کہ معاشرہ میں معاشی عدم توازن انتشار اور افتراق کو جنم دیتا ہے۔ اس طرح مجرمانہ اقدار فروغ پاتی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حل مواخاۃ کی شکل میں نکالا۔ مہاجرین مکہ سے مدینہ آئے تو تہی دست بھی تھے اور غریب الدیار بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے معاشی مسائل کا حل مواخاۃ میں تلاش کیا۔ ہم اس عظیم نظام کو کفالت قومی کا معاشی نظام بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے نسبتاً خوشحال انصار اور مکی مہاجرین کے نمائندوں کا اجلاس طلب فرمایا اور انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ تمہارے بھائی ہیں، تمہارے ہی دین والے ہیں اور اس دین ہی کی خاطر اپنے وطن، اپنے ملک اور اپنی ہر چیز کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ اس لیے تمہارا یہ فریضہ ہے کہ ان کی مدد کرو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز پیش کی کہ ہر ایک مدنی مسلمان ایک مکی مسلمان سے عہد اخوت باندھے اور اس کو اپنے گھر میں جگہ دے۔ وہ اکٹھے حصول معاش کے لیے کوشش کریں تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکیں۔'' یاد رہے کہ مواخات کا مقصد کسی کو مفت خور یا طفیلی بنانا ہرگز نہ تھا بلکہ معاشی وسائل کو بڑھانا تھا۔ جہاں یہ بھائی چارہ ایک حکیمانہ سیاست اور مسلمانوں کو درپیش بہت سے مسائل کا بہترین حل تھا وہاں اس بھائی چارہ نے مسلمانوں میں اخوت، ہمدردی اور الفت و محبت کی جو فضا پیدا کی وہ حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر تھی۔ مواخاۃ کی تجویز منظور کر لینے پر مدنی مسلمان انصار کہلائے۔ ان کے متعلق ارشاد ربانی ہے:[۵]

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔''

Marfat.com

مواخات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''کئی سو خاندان ایک لمحے میں گزر بسر کے انتظامات حاصل کرنے کے قابل ہو گئے اور پھر اس کے بعد کبھی یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوا کہ کون خوشحال ہے، کون بے روزگار ہے، کون پناہ دہندہ ہے اور کون باہر سے آیا ہوا مہاجر ہے۔''[۶] اس نے طرفۃ العین مہاجرین کی ساری مشکلات کو ختم کر دیا۔

انسان کی معاشی زندگی سے متعلق دولت کی تقسیم ایک اہم ترین اور نہایت ہی متنازعہ مسئلہ رہا ہے۔ اس نے عصر حاضر کی دنیا میں عالمی انقلابات کو بھی جنم دیا ہے۔ علاوہ بریں اس نے فرد کی نجی زندگی سے لے کر عالمی سیاست تک انسانی سرگرمیوں کے ہر شعبہ کو متاثر کیا ہے۔ اس پر نہ صرف زبانی اور تحریری بیان بازی ہوتی رہی ہے بلکہ مسلح تصادم تک کی بھی نوبت آتی رہی ہے۔ اسلام میں اگر توحید الوہیت شجر حیات کی اصل ہے تو معاشیات اس کا ثمر ہے کیونکہ روزی زندگی کے قیام کے لیے ناگزیر ہے۔ زندگی ہو گی تو انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کر سکتا ہے۔ اسلام فرد کے ذرائع معاش کو جائز اور قانونی ہونے کے ساتھ ساتھ لازمی بھی قرار دیتا ہے۔ یہ کسب حلال پر بہت زور دیتا ہے لیکن یہ معاش اور معاشی ترقی کو انسانی زندگی کا منتہائے مقصود قرار نہیں دیتا۔ رزق کمانے کا ایک ذریعہ تجارت ہے جس کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دس میں سے نو حصے رزق تجارت میں ہے۔

ارشاد ربانی ہے:[۷]

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ.

''یعنی اللہ کا فضل تلاش کرو۔''

مال سے محبت خیر کے لیے ہو تو درست ہے۔ جیسے فرمایا:

فَقَالَ اِنِّيْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ.

''یعنی میں نے اس مال کی محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے اختیار کی ہے۔''

ورنہ:[۹]

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۝

یعنی ''اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔''

جائز طریقے سے زیادہ سے زیادہ دولت کمانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بغیر محنت کے

Marfat.com

حصول زر کے ہر طریقے کی ممانعت کی گئی ہے۔ قمار کو تو قرآن حکیم میں ''میسر'' یعنی آسانی سے ہاتھ آنے والی دولت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسے رجس من عمل الشیطان کہا ہے۔ محض دنیاوی مقاصد کے حصول کو ناپسند کیا گیا ہے۔ [۱۰]

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ o

''رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔''

ایسی شکل میں مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا گیا ہے: [۱۱]

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ.

''اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں۔''

اگر ذرائع معاش کو اخروی زندگی کو سامنے رکھ کر اختیار کیا جائے گا تو یہ فضل اللہ ہیں ورنہ ارشاد ربانی ہے: [۱۲]

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ط

''جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر۔''

دولت کی کوئی بھی قسم ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں:

۱۔ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اٰتٰىكُمْ ط [۱۳]

''اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔''

۲۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ o [۱۴]

''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے اور اب یہ ان کے مالک ہیں۔''

۳۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ o ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ o [۱۵]

''کبھی تم نے سوچا، یہ بیج جو تم بوتے ہو ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے

Marfat.com

اگانے والے ہم ہیں۔''

لیکن اللہ تعالیٰ نے دولت کی ہر قسم کا خود مالک ہونے کے باوجود انسانوں کو اپنے قوانین کے مطابق استعمال کا حق دیا ہے چنانچہ حق جائیداد بعض قیود کے ساتھ عطا کیا گیا ہے۔ ہمیں اس کے استعمال کی اجازت ہے لیکن جہاں وہ کہتا ہے۔ [16] یہ آیت ہمارے لیے درج ذیل رہنما اصول وضع کرتی ہے:

۱۔ دولت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔

۲۔ انسان کو اس کے استعمال کرتے وقت آخرت کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

۳۔ اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت ہونا چاہیے۔

۴۔ دولت کا ایک مخصوص حصہ دوسروں کو دینا چاہیے۔

۵۔ اس کے استعمال سے اجتماعی برائیاں پیدا نہیں ہونی چاہئیں نہ ہی انسان زمین میں فساد برپا کرے۔

یہی چیز اسلامی نکتہ نظر کو سرمایہ دارانہ اور اشتراکی فلسفہ ہائے حیات سے امتیاز کرتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام فرد کو مطلق اور غیر مشروط حق جائیداد دیتا ہے۔ وہ اس کا جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ اسلام کا معاشی نظام ہم آہنگی کے اس تصور پر قائم ہے جو سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کی انتہاؤں کے درمیان ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اعتدال والی راہ ہے اسلام نجی املاک کا مخالف ہے نہیں ہے لیکن اس کے مطلق اور غیر مشروط استعمال کی اجازت نہیں دیتا۔ [17]

اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَایَعْبُدُ اٰبَآءُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَانَشٰٓؤُا ؕ

''کیا تمہاری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو۔''

اسلام نے مال اللہ [18] کہہ کر سرمایہ دارانہ نظریہ پر ضرب کاری لگائی ہے اور یہ کہہ کر کہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے اس نے اشتراکی فکر کی جڑیں کاٹ دی ہیں جس کا آغاز فرد کے نجی جائیداد کے انکار سے ہی ہوتا ہے۔ سورۃ یٰسین کی ایک آیت [19] نہایت ہی واضح طور پر نجی

Marfat.com

جائیداد کے حق کو اللہ کا ایک تحفہ قرار دیتی ہے۔ عملی معاشیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اہتمام کیا کہ دولت چند ہاتھوں میں جمع ہونے کی بجائے زیادہ سے زیادہ افراد کے درمیان گردش کرتی ہے اور اس کی روح کو برقرار رکھنے کے لیے صاحب امر کو یہ اختیار دیا کہ وہ ارتکاز دولت کو روکنے کے لیے اقدامات کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر بنی نضیر کی فئے کو تمام تر فقراء اور مہاجرین میں تقسیم کر دیا تھا تاکہ معاشی توازن برقرار رہے۔ اور یہی قرآن حکیم کا بھی حکم ہے یعنی ''تاکہ دولت صرف تم میں سے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے۔''

اسلام دولت کی تقسیم کے لیے تین مقاصد قرار دیتا ہے۔

(ا) معیشت کے قابل عمل نظام کا قیام جو فطری ہو۔ اس میں فرد کو اپنی صلاحیتوں اور پسند کے مطابق کام کرنے کی اجازت ہے۔ یہ آجر اور اجیر کے درمیان صحت مند تعلقات اور رسد اور طلب کی فطری قوت کے مناسب استعمال کے بغیر ناممکن ہے۔ اسلام ان عوامل کو تسلیم کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس اصول کا جامع اشارہ موجود ہے:[20]

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سخريا ط

''دنیا کی زندگی میں ان کے گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔''

(ب) ہر کسی کو اس قابل بنانا کہ وہ لے سکے جس کا وہ حقدار ہے۔ دوسرے نظام صرف اسی کو ہی اس کا حقدار بناتے ہیں جنہوں نے براہ راست دولت کی پیدائش میں حصہ لیا ہو لیکن اسلام دولت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کو قرار دیتا ہے، اس لیے اس کے استعمال کے لیے اسی کے احکام کی پیروی کرنا ہوگی۔ اسلام ضرورت مندوں، مساکین اور محتاجوں کو بھی اس میں شریک ٹھہراتا ہے اور اہل ثروت پر یہ لازم ہے کہ وہ انہیں حصہ دار بنائیں۔ ارشاد ربانی ہے:[21]

وَالَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ ۙ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ۝

Marfat.com

''جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے۔''

بعض آیات میں اس حق کو اللہ تعالیٰ کا حق قرار دیا گیا ہے جیسے فرمایا: [۲۲]

وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔

''اور اللہ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو۔''

پس اسلام دولت کی تقسیم اس طرح چاہتا ہے کہ وہ تمام افراد جنہوں نے دولت کی پیدائش میں حصہ لیا ہے ان کو اس کا اجر ضرور ملنا چاہیے۔

(ج) ارتکاز دولت کے انسداد کے لیے یہ ضروری ہے کہ دولت کی گردش ہونی چاہیے تاکہ امیر اور غریب کے درمیان امتیاز فطری اور قابل عمل حد تک کم کیا جا سکے۔ اس لیے اسلام نے کسی فرد یا گروہ کو دولت کے بنیادی ذرائع پر اجارہ داری نہیں دی اور معاشرے کے ہر فرد کو اس سے استفادہ کرنے کا مساوی حق عطا کیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ من احتكر فهو خاطی.

''اجارہ داری کرنے والا گناہگار ہے۔''

۲۔ الجالب مرزوق والمستكر ملعون.

''وہ شخص جو اشیاءِ ضرورت کو روکتا نہیں بلکہ وقت پر بازار لاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رزق دیتا ہے اور احتکار کرنے والا لعنت کا مستحق ہے۔''

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص مسلمانوں کے لیے اشیاء کے نرخ گراں کرنے کی غرض سے ذخیرہ کرے وہ غلط کار ہے۔''

۴۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

''جو شخص مسلمانوں کے بازار کے نرخ میں اس لیے دخل دے کہ اسے گراں کر دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ پر ضروری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے زبردست آگ میں جھونک دے۔''

کانیں، جنگلات، غیر ملکیتی، بنجر زمینیں، شکار اور مچھلی پکڑنا، خودرو گھاس، دریا، سمندر،

Marfat.com

مال غنیمت وغیرہ دولت کے بنیادی ذرائع ہیں۔ ہر فرد کو اپنی محنت اور صلاحیتوں کے مطابق ان کے استعمال کی اجازت ہے۔

لَا یَکُوْنَ دَوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ. ط [23]

''تا کہ وہ (مال) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔''

البتہ ہر فرد کو محنت اور اپنے استعمال شدہ ذرائع کے مطابق اپنا حصہ لینے کی اجازت ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا. ط [24]

''دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تا کہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔''

قرآن حکیم میں [illegible] پر ارشاد فرمایا گیا ہے:[25]

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ۝

''بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فرامین سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص کسی سے اجرت پر کام کرائے تو واضح طور پر اس کی اجرت بتا دے۔[26] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کام شروع کرنے سے پہلے اجرت اور نوعیت واضح کر دی جائے۔ محنت کشوں کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ کام زیادہ محنت طلب ہو تو محنت کش کو آرام کا وقفہ دیا جائے۔ نیز اوقات کار کا خیال رکھا جائے اور اس کی کسی طور پر بھی اہانت نہ کی جائے۔ معاوضہ طے کرتے وقت یا ادا کرتے وقت محنت کش کے کنبے کی بنیادی ضروریات بھی مدنظر رکھی جائیں۔ محنت کش پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ کسی قسم کی غفلت کا ثبوت نہ دے یا کام چور نہ بنے۔ اسی طرح محنت کش کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل مزدوری ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''تین آدمی ہیں جن سے میں جھگڑا کروں گا۔ ان میں سے ایک وہ جس نے

Marfat.com

مزدور کے کام لیا تو پورا پورا مگر اُسے اس کی اجرت ادا نہ کی۔"

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ تو اجیر کو آجر کے ساتھ منافع میں برابر کے حصہ کا حقدار سمجھتے ہیں کیونکہ منافع کمانے میں جتنا اجر کے سرمایہ کا حصہ ہے اتنا ہی محنت کش کی محنت شاقہ کو بھی دخل ہے۔ لہذا ان کے خیال میں دونوں کا منافع میں مساوی حصہ ہونا چاہیے۔ اس طرح اسلام نے پرامن بقائے باہمی کی دعوت دی ہے۔ کیونکہ وہ تو طبقاتی کشمکش کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم سرمایہ دارانہ نظام کے لیے موت ہے۔

قرآن حکیم معاشی ناانصافی کو خسار سے تعبیر کرتا ہے کیونکہ اس سے معاشرے کا توازن درہم برہم ہو جاتا ہے اور نتیجہ افتراق کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ دولت جمع کرنے والوں کو اس طرح تنبیہ کی گئی ہے:[۲۷]

> وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝
>
> "دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی سانسوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا...... یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔"

زکوٰۃ:

اسلام صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو نظام کی دو بنیادیں قرار دیتا ہے یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو نظام کا حسن بھی برقرار نہ رہے۔ اگر صلوٰۃ انسان کی جمالیاتی اور اخلاقی اقدار کا نظام ہے تو زکوٰۃ اس کی معاشی اقدار کا نظام ہے۔ فتح مکہ (رمضان ۸ ھ) کے بعد زکوٰۃ فرض ہوئی اور محرم ۹ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے

Marfat.com

ملک بھر میں محصلین مقرر فرمائے۔[۲۸] صلوٰۃ کی اساس توحید الوہیت ہے جب کہ زکوٰۃ کی بنیاد توحید ربوبیت ہے۔

پہلے زکوٰۃ ان اصناف پر مقرر ہوئی جو کچھ عرصہ تک محفوظ رہ سکتی ہیں (جیسے زمین، جانوں سونا چاندی یا ان کے سکے اور تجارتی مال) تاکہ ان سے خانگی اور تجارتی فوائد حاصل کیے جا سکیں۔ اس کے برعکس ضائع ہو جانے والی اشیاء (Perishable goods) پر زکوٰۃ عائد نہیں کی گئی۔ جن اشیاء میں نشوونما اور ترقی کی صلاحیت موجود نہیں مثلاً آلات، مکان، سامان، اسباب سواری اور قیمتی پتھر وغیرہ ان پر بھی زکوٰۃ عائد نہیں کی گئی۔ (زکوٰۃ کے مصارف سورۃ توبہ رکوع ۸ میں مذکور ہیں) صرف آٹھ مصارف کی شرح مقدار ۱/۵ کا ۱/۸ حصہ یعنی ۱/۴۰ مقرر ہوا۔ یعنی سونا چاندی کی زکوٰۃ ان آٹھ مصرفوں کے لیے مجموعی رقم کا چالیسواں حصہ رکھی گئی۔ جہاں تک جانوروں کا تعلق ہے بے نسل یا کم نسل کے جانوروں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ غربا، نادار، مقروضوں اور ان غلاموں کو جو سرمایہ نہیں رکھتے یا اپنی آزادی کے لیے رقم جمع کر رہے ہیں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ اسی طرح کم سرمائے والوں پر بھی کوئی باقاعدہ زکوٰۃ عائد نہیں کی گئی۔

زکوٰۃ کے نظام کے قیام و انصرام کی ذمہ داری ریاست کی ہے البتہ اگر کسی جگہ حکومت کفالت اجتماعی کے نظام کے اہتمام سے قاصر رہتی ہے یا ان کی اپنی ریاست ہی نہ ہو تو مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ کا نظام خود سنبھال لیں۔

زکوٰۃ کے نظام کو رواج دینے سے درج ذیل ثمرات حاصل ہوں گے:

نادار افراد کی کفالت کرنے سے افراد کا افراد کے ہاتھوں استحصال ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایک لحاظ سے معاشرے میں اخوت و مساوات اور یگانگت و یکجہتی کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ جب ضرورت مندوں کو معاشی تحفظ حاصل ہو جائے گا تو دفاعی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ پیدا ہو گا۔ اس کے ساتھ ساتھ زندگی کے باقی دوائر میں بھی ہمہ گیر ترقی کے امکانات روشن ہوں گے۔ جب ہر فرد کسی نہ کسی اعتبار سے مصروف کار ہو گا تو معاشرہ فتنہ و فساد سے محفوظ ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں معاشی نظام کی کارکردگی بہتر ہونے کے امکانات پیدا ہوں گے کیونکہ دولت کی گردش متوازن رہنے سے معیشت کے احیاء میں متوازن یکسانیت پیدا ہو گی۔ رعایا کی کفالت کرنا

Marfat.com

ریاست کی ذمہ داری ہے اور یہ زکوٰۃ کے نظام کو ہی رواج دینے سے ممکن ہے۔

۸ھ میں اسلام نے سود کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں:

۱۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَاسَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ ○ [29]

''مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھوڑ کر باؤلا کر دیا ہو اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں تجارت بھی آخرت سود ہی جیسی چیز ہے۔ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خواری سے باز آ جائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا ہو کھا چکا اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس حکم کے بعد پھر اس حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ سود کا لٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشو و نما دیتا ہے۔ اور اللہ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔''

۲۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○ [30]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو،

Marfat.com

نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

۳۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً ص وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ [۳۴]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔"

۱۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خور اور سود دینے والے پر نیز منشی اور گواہ پر لعنت فرمائی ہے۔ [۳۲]

۲۔ عبداللہ بن حنظلہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سود کا ایک درہم جس کو آدمی جانتے بوجھتے کھائے چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ گنا ہے۔[۳۳] البیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی روایت نقل کی ہے اور یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو گوشت مال حرام سے پیدا ہو وہ النار یا دوزخ کے لائق ہے۔" [۳۴]

۳۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سود کے ستر اجزا ہیں۔ ان میں سے ایک معمول سا جز بلحاظ گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے جماع کرے۔"

۴۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی شب میرا گزر ایک ایسی قوم پر سے ہوا جن کے پیٹ گھڑوں کے مانند تھے اور ان کے بڑے بڑے پیٹوں میں سانپ تھے جو باہر سے دکھائی دیتے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا: "یہ کون لوگ ہیں؟" اس نے کہا: "یہ سود خور لوگ ہیں۔" [۳۶]

۵۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی شخص کسی کو قرض دے تو اس سے ہدیہ قبول نہ کرے (اس لیے کہ یہ سود کا حکم رکھتا ہے)۔ [۳۷]

۶۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک ایسا زمانہ لوگوں پر آئے گا کہ سود خوروں کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا۔" اگر کوئی شخص ہوگا بھی تو اس کو سود کے بخارات یا اثرات پہنچیں گے۔ ایک روایت ہے کہ اس کو سود کا غبار پہنچے

Marfat.com

گا۔[۴۸]

سود حسن دولت کے لیے غارت گر ہے۔ سرمایہ کاری کا موجودہ نظام بھی محنت کشوں اور مزاروں کی معاشی مجبوری سے ناجائز فائدہ ہی تو ہے جس کا نام استحصال ہے۔ عصر حاضر کی سرمایہ کاری کی ہر شکل سود کاری ہے جو دراصل ''استحصال بالمال'' ہے۔ مزارعت، مضاربیت، دستار گیری (پگڑی لینا) اور معاوضہ نام وشہرت (good will) سود ہی کی اقسام ہیں۔

اسلام نے سود کی ممانعت فرمائی ہے کیونکہ اس میں اصلاحی معاشی انقلاب مستور ہے۔ اس طرح ایک فرد میں محنت کی لگن پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی وہ کفایت شعاری پر بھی آمادہ ہوتا ہے۔ اگر ممانعت کے اس حکم کو مدنظر رکھا جائے تو اسلامی ریاستیں عالمی سطح پر قرضے نہیں لیں گی اور اپنے ہاں کے بے مصرف سرمایہ کو صنعتوں کے قیام میں صرف کر سکیں گی۔

عشر:

باران زمین پر حاصل ہونے والی آمدنی پر عشر عائد کیا گیا اور نہری زمین پر بیسواں حصہ مقرر ہوا۔ تاجروں کے مقابلے میں کاشتکاری پر قانونی خیرات کی شرح کم رکھی گئی کیونکہ ان دونوں کے حالات میں یکسر فرق ہے۔ کاشتکاروں کو دیہاتوں سے منڈیوں تک اپنی اجناس لانے میں بڑی تگ ودو کرنی پڑتی ہے جب کہ تاجر اس سے مبرا ہوتے ہیں۔

خمس میں چونکہ حکومت کے تمام ذاتی وقومی مصارف شامل ہوتے ہیں اس لیے وہ ''کل'' کا (خمس) یعنی ۱/۵ حصہ مقرر ہوا۔

متمول افراد کے مال و دولت میں مفلوک الحال، حاجت مند اور محروم افراد کا حق یا حصہ قانوناً رکھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انفاق بالعفو (ضرورت سے زائد مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) کا درس دیا۔ اگر کوئی شخص انفاق سے انکار کرتا ہو تو اس کی کمائی جائز نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر انفاق بالعفو کے اصول پر عمل کیا حتی کہ وفات سے قبل کی ساعات میں بھی ایسا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحویل میں اس کے ضرورت سے زائد دینار خیرات کرا دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کی مشغولیت کی وجہ سے وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن سے محو ہو گئے تھے۔ یہی وجہ

Marfat.com

ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی صاحب نصاب نہ ہوئے۔ بحیثیت سربراہ ریاست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ مال و دولت آتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے معاشرے کی تعمیر و ترقی، فلاح و بہبود، نیز دفاعی امور اور اسلام کی تبلیغ پر خرچ کر ڈالتے تھے اور خود انتہائی سادگی اور عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔

ارتکاز دولت کو روکنے کے باقی طریقوں میں کفارات، صدقۃ الفطر، نفقات، وراثت اور خراج جزیہ شامل ہیں۔ کفارات میں جیسے روزہ یا قسم توڑنے کا کفارہ، صدقۃ الفطر پونے دو سیر گندم ہر فرد پر نقصانات میں ضرورت مند عزیز و اقربا کی امداد، وراثت میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کا بھی حصہ[۳۹] اور خراج و جزیہ وہ اہم مدات ہیں جو اس مقصد کے حصول میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ خراج زمین پر ٹیکس ہے جس کو حکومت کمیونٹی پر خرچ کر سکتی ہے۔

قرآن حکیم میں زر کے لین دین کے متعلق فرمایا گیا ہے:[۴۰]

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْیَكْتُبْ بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا یَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ یَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَكْتُبْ ۚ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی ؕ وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ كَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَكُمْ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ ۪ وَلَا یُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب کسی مقرر مدت کے لیے تم آپس میں قرض

Marfat.com

کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے۔ جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو، اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ وہ لکھے اور املا وہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہے۔ (یعنی قرض لینے والا) اور اسے اللہ، اپنے رب سے ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اگر قرض لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو یا املا نہ کرا سکتا ہو تو اس کا دلی انصاف کے ساتھ املا کرائے۔ پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں سے ہونے چاہیے جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو۔ گواہوں کو جب گواہ بننے کے لیے کہا جائے تو انہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا میعاد کی تعین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور تمہارے لیے شکوک و شبہات میں مبتلا ہوئے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔ ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ آپس میں کرتے ہو اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ مگر تجارتی معاملے طے کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔ کاتب اور گواہ کو ستایا جائے۔ ایسا کرو گے تو گناہ کا ارتکاب کرو گے۔ اللہ کے غضب سے بچو۔ وہ تم کو صحیح طریق عمل کی دعوت دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔''

قرضہ کی ادائیگی کی تاکید کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے لیکن قرضے معاف نہیں کرتا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقروض اشخاص کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی احتراز فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع و شریٰ کے قوانین واضح طور پر وضع کیے۔ ملامت (کپڑے

Marfat.com

کو چھو لینا) اور منابذت (کپڑے پر اپنا کپڑا پھینک دینا) کی شکل میں بیع کو حرام قرار دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (باغ کے تازہ پھل کو خشک پھلوں کے بدلے اس طرح فروخت کرنا کہ خشک پھل کا پیمانہ مقرر کیا جائے اور تازہ پھلوں کا اندازہ کیا جائے) سے بھی منع فرمایا۔ محاقلہ یعنی کھڑی فصل کے بدلے غلہ کی مقرر مقدار کی فروخت سے بھی منع فرمایا۔ مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی بنجر زمین کو جو کسی کی ملکیت نہ ہو قابل کاشت بنائے وہ اس کی ہے اور ناحق کسی کی زمین پر قبضہ کرنے پر سخت وعید فرمائی۔ ہمسائے اور شریک ملکیت کو شفع کا حق دیا گیا ہے تاکہ ہمسایوں میں منافرت پیدا نہ ہو۔

اسلامی ریاست معاشی عدل کے حصول کے لیے درج ذیل اقدامات کرے گی:[۴۱]

۱۔ معاشی بدعنوانیوں کا خاتمہ

۲۔ ہر قسم کے استحصال کا استیصال

۳۔ محنت و سرمایہ کی باہمی آویزش کا خاتمہ

۴۔ دولت کی منصفانہ تقسیم

۵۔ روزگار کے مواقع فراہم کرنا

۶۔ محتاجوں کی کفالت کرنا۔

ریاست کو نجی املاک کی تنظیم کی خاطر قانون سازی کا حق حاصل ہے جس کی رو سے وہ معاشرتی بہبود کے لیے ان میں حسب ضرورت تبدیلی کرنے یا لانے کا مکمل اختیار رکھتی ہے۔ اسلام نے دولت میں اسراف اور تبذیر سے منع کیا ہے۔ حصول دولت میں ناکام اور پیچھے رہ جانے والوں کے لیے اہل ثروت کے اموال میں حق رکھا۔ وَفِی اَمْوَالِهِم حَقٌّ لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ[۴۲] ''اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے۔'' اس کی عملی صورتوں

میں زکوٰۃ، صدقات واجبہ، نفقات، کفالات، وصیت اور وراثت شامل ہیں۔معاشرتی عدم مساوات کے اثرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح زائل کیے کہ زکوٰۃ،صدقات اور حقوق العباد کی ادائیگی کا ہمہ گیر نظام قائم کیا جس کے نتیجے میں ایک دن وہ بھی آیا کہ زکوٰۃ اور خیرات لینے والے مشکل سے ملتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی عوامی رویے نے معاشرے کے متمول طبقے کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ قرآن حکیم کی زبان میں یہ سوال خود پوچھیں کہ: مَاذَا یُنفِقُونَ ؟ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مستضعفین اور غریب طبقہ کے لوگوں پر کیا خرچ کریں؟ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دیں کہ ''اَلْعَفْو'' (البقرہ) یعنی اتنا تو ضرور دیا جائے جو خود انہیں تکلیف میں مبتلا نہ کردے اور ان پر بار نہ ہو۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ خطبات بہاول پور، ص ۵۵
۲۔ ایضاً
۳۔ قران حکیم ۴۹:۱۰
۴۔ قرآن حکیم ۹۳:۹۔۱۰
۵۔ قرآن حکیم ۸:۴۷
۶۔ خطبات بہاول پور، ص ۵۳، ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۷۔ قرآن حکیم ۶۲:۱۰
۸۔ قرآن حکیم ۳۸:۳۲
۹۔ قرآن حکیم ۱۰۰:۸
۱۰۔ قرآن حکیم ۳:۱۸۵
۱۱۔ قران حکیم ۸:۲۸
۱۲۔ قرآن حکیم ۲۸:۷۷
۱۳۔ قرآن حکیم ۲۴:۳۳
۱۴۔ قرآن حکیم ۳۶:۷۱
۱۵۔ قرآن حکیم ۵۶:۶۳۔۶۴
۱۶۔ قرآن حکیم ۲۸:۷۷
۱۷۔ قرآن حکیم ۱۱:۸۷
۱۸۔ قرآن حکیم ۲۴:۳۳
۱۹۔ قرآن حکیم ۳۶:۷۱
۲۰۔ قرآن حکیم ۴۳:۳۲
۲۱۔ قرآن حکیم ۷۰:۲۴۔۲۵
۲۲۔ قرآن حکیم ۶:۱۴۱
۲۳۔ قرآن حکیم ۵۹:۷
۲۴۔ قرآن حکیم ۴۳:۳۲
۲۵۔ قرآن حکیم ۲۸:۲۶

Marfat.com

۲۶۔ امام بیہقی، السنن الکبریٰ

۲۷۔ قرآن حکیم ۹: ۳۴۔۳۵

۲۸۔ طبری، ج ۴، ص ۱۷۲۲، مطبوعہ یورپ، ابن سعد جز مغازی، ص ۱۱۵، بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲، ص ۷۶، شبلی نعمانی

۲۹۔ قرآن حکیم ۲: ۲۷۵۔۲۷۶

۳۰۔ قرآن حکیم ۲: ۲۷۸۔۲۷۹

۳۱۔ قرآن حکیم ۳: ۱۳۰

۳۲۔ مسلم، دارالمشکوٰۃ، کتاب البیوع، باب لربوا، ح ۱

۳۳۔ احمد، دارقطنی

۳۴۔ دارالمشکوٰۃ، باب الربوا، ص ۱۹۲

۳۵۔ ابن ماجہ و بیہقی دارالمشکوٰۃ، باب الربوا، ح ۲۰

۳۶۔ احمد، ابن ماجہ، دارالمشکوٰۃ، موضوع مذکور، ح ۲۳

۳۷۔ بخاری دارالمشکوٰۃ، موضوع مذکور، ح ۲۶

۳۸۔ احمد، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، دارالمشکوٰۃ، موضوع مذکور، ح ۱۲

۳۹۔ اس سلسلہ میں ارشاد ربانی ملاحظہ ہو (قرآن حکیم ۴: ۷)

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ص وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ط نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ○ مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور ہر حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

۴۰۔ قرآن حکیم ۲: ۲۸۲

۴۱۔ طبقات ابن سعد: موطا بالمشور اہل الذمہ

۴۲۔ قرآن حکیم ۵۱: ۱۹

Marfat.com

Marfat.com

محسن نسواں

عورت بھی مرد کی طرح انسان، اشرف المخلوقات اور صاحب ارادہ واختیار ہے۔ اسے بھی خاطر ہستی نے بے پناہ حسی و قلبی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس کی ذات کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسے ان صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کا موقع دیا جائے۔ شرط یہ ہے کہ یہ آزادی صالح ہو۔ لیکن ظہور اسلام سے قبل عورت کے ساتھ نہایت ہی ناروا سلوک کیا جاتا تھا۔ منو عورت کو مرد کے لیے اولاد کی پیدائش کا ذریعہ خیال کرتا تھا۔ وہ خود کو مرد کی خدمت میں فنا کردے اور اس کی موت کے ساتھ ہی خود بھی ستی ہو جائے۔ قدیم ہندوستانی عورتوں کو محکومیت و غلامی کا درجہ حاصل تھا۔ عورتیں جوؤں میں ہاری جاتی تھیں۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے۔ راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی اور وہ باقاعدہ فروخت ہوتی تھیں۔ یہودی عورت کو مرد کی ملکیت خیال کرتے تھے۔ ان کے ہاں بیوہ عورت ایک بھائی کی وفات کے بعد اس کے دوسرے بھائی (یا متوفی کے وارثوں) کی ملکیت ہو جاتی تھی۔ وہ جس طرح چاہتا اس کے ساتھ معاملہ کر سکتا تھا۔ چاہتا تو اس سے وہ نکاح پڑھا لیتا، چاہتا تو کسی اور سے نکاح پڑھا دیتا، اور چاہتا تو اس کو یوں ہی رکھتا۔ عورت کے وارثوں کا کچھ حق نہ ہوتا تھا۔ مسیحیت بھی عورت اور مرد کو یکساں خیال نہیں کرتی تھی۔ انسان صرف مرد ہے اور عورت میں انسانی روح کی بجائے کوئی دوسری روح ہے۔ رومی قانون مغربی قانون کا ماخذ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی مرد کو عورت کے مقابلے میں نہایت ہی اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے۔ یہ محض اسلام ہی ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عورتوں کے بھی مردوں پر ایسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر، البتہ مردوں کو ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔

ظہور اسلام سے قبل بعض قبائل کے ہاں دختر کشی عام تھی۔ ان معصوم جانوں کے قتل کا نہ تو خون بہا کا کوئی خدشہ تھا اور نہ ان کا کوئی پرسان حال تھا۔ اس ظالمانہ رسم کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ اس کو ختم کرنے کے لیے زبردست مجاہدے اور بے پناہ سوز یقین کی ضرورت تھی۔ تاکہ

Marfat.com

خون ریزی کی اس سنگدلانہ رسم کو ختم کرنے کی لیے ان کے دلوں میں شفقت اور محبت کے جذبات پیدا کیے جاسکیں۔ عرب معاشرے میں شادی کی تعداد مقرر نہ تھی۔ آسودہ حال لوگ گھروں میں کثرت سے بیویاں بھر لیتے اور اسے شان امارت کی ایک ادا گردانتے۔ قبول اسلام سے پہلے وہب اسدی اور غیلان بن سلمہ ثقفی کے گھر میں دس دس بیویاں تھیں۔[۱] جنسی تسکین کے چار طریقے ہیں:[۲]

(ا) باقاعدہ نکاح

(ب) لوگ اپنی بیویوں کو نامور لوگوں سے ہم بستری کی اجازت دے دیتے (جیسے مزدک کے عقائد کی رو سے ایک شخص کی بیوی ہر شخص کے ساتھ ہم بستر ہوسکتی تھی)[۳]

(ج) آٹھ نو آدمی (دس سے کم) ایک عورت سے تعلق قائم کر لیتے۔ اس سے جو اولاد ہوتی اس کا فیصلہ عورت پر چھوڑ دیا جاتا۔ چنانچہ جس کی طرف وہ بچے کو منسوب کر دیتی وہی شخص اس کا باپ سمجھا جاتا۔

(د) باقاعدہ بیسوائیں، جن سے ہر آدمی کو تمتع کرنے کی اجازت تھی۔

بعض مرد بیک وقت دو دو سگی بہنوں سے شادی کر لیتے۔ نیز سوتیلی ماؤں سے باپ کے مرنے کے بعد حقیقی والدہ کے سوا باقی سے بلا روک ٹوک تمتع ہوتے۔ علاوہ ازیں وقتی اور ہنگامی نکاحوں کا عام رواج تھا۔ سفر ہو یا حضر ایسی بیویاں بکثرت مل جاتی تھیں جنہیں اپنی رنگینیوں کو قائم کرنے کے لیے ساتھ لیے پھرتے۔ یہاں یہ چیز قابل ذکر ہے کہ بعض ایسی عورتیں بھی تھیں جن کے بیک وقت کثیر شوہر ہوتے تھے۔ اس کی دو وجوہات ہوسکتی تھیں۔ ان کا حسن و جمال یا عورتوں کی کمی، جنگوں میں مفتوح خواتین کی عصمت دری کے بعد ان کے پیٹ چاک کر دیئے جاتے یا بچوں اور عورتوں کو فروخت کر دیتے۔ قحبہ گری عام تھی۔ لوگ اپنی لونڈیوں پر بھاری رقم عائد کر دیتے تھے۔ جو وہ بدکاری کرا کر ادا کرتیں۔ بعض لوگوں نے باقاعدہ چکلے کھول رکھے تھے۔ جنہیں مواخیر کہتے تھے اور ان عورتوں کو قلیقات کہتے تھے۔ عبداللہ بن ابی کے چکلے میں جو لونڈیاں تھیں ان میں سے ایک معازہ بھی تھی جس نے اسلام قبول کر لیا۔ قحبہ گری کا قلع قمع کرنے کے لیے اللہ نے فرمایا:[۴]

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ

Marfat.com

الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ؕ وَمَنْ یُّکْرِھْھُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنْۢ بَعْدِ اِکْرَاھِھِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

''اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور ورحیم ہے۔''

اس حکم کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الامساعاۃ فی الاسلام.

''اسلام میں قحبہ گری کی کوئی گنجائش نہیں۔''

اسی طرح مہر البغی یعنی زنا کی آمدنی کو خبیث اور شر المکاسب قرار دیا۔ نیز فرمایا کہ لونڈی سے صرف ہاتھ پاؤں کی خدمت لینا جائز ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متع کرنے اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔[۵]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ میں پہلی مرتبہ عورت کو وہ مقام دیا جو اس سے پہلے اسے حاصل نہ تھا۔ اس کو مناکحت بالرضا، عقد ثانی، طلاق وخلع اور ترکہ جیسے حقوق سے نوازا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لے لی جائے۔ اور کنواری لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کی مرضی دریافت نہ کر لی جائے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت[۶] کے مطابق اگر کنواری عورت انکار کر دے تو اس پر جبر جائز نہیں۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! وہ اذن کیونکر دے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا اذن یہی ہے کہ وہ سن کر چپ ہو جائے۔''[۷] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعار (کسی شخص کا اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص سے اس شرط پر کرنا کہ وہ بھی بدلے میں اپنی بیٹی کا نکاح بغیر مہر کے اس سے کر دے) سے منع فرمایا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس میں لڑکیوں کی رضامندی شامل نہیں ہوگی اور لڑکیوں کی رضامندی کا حق متاثر ہوتا ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی رضامندی حاصل کیے بغیر کسی سے کر دیا۔ لڑکی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استغاثہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر نکاح فسخ کرانا چاہا۔

Marfat.com

لڑکی نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں اب اس نکاح کو قبول کر لیتی ہوں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ ہماری بہنوں کے ذاتی حقوق کی توضیح کی جائے۔''[۸]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو غیر موزوں شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے خلع کا حق عطا فرمایا۔ خنسا بنت خذام کا نکاح ان کے والد نے کر دیا۔ وہ شیبہ تھیں نکاح کر چکی تھیں اور اس دوسرے نکاح سے ناراض تھیں۔ آخر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح جو والد نے کر دیا تھا، فسخ کر ڈالا۔[۹] اسلام نے ایک بیوہ عورت کا سوگ (عدت) چار ماہ دس روز مقرر کیا تا کہ اس کو اپنا غم فراموش کرنے کا موقع بھی مل سکے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ وہ حمل سے تو نہیں۔ اگر مرحوم خاوند نے اسے حق مہر ادا نہیں کیا تھا تو اس کے ترکہ میں سے اس کی ادائیگی سب سے اول ضروری قرار دی ہے۔ اگر شوہر کی اولاد ہو تو عورت کو آٹھواں حصہ اور نہ ہو تو چوتھا حصہ دینے کا حکم ہے۔ اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہتی ہے تو اسے مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس طرح اسلام نے اسے اپنے لیے مہر و عنایت کا سایہ دوبارہ حاصل کرنے کی مکمل آزادی عطا کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:[۱۰]

وَانۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ ؕ

''تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے نکاح کر دو۔''

صنف نازک پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا احسان کیا اس کا اندازہ اور کس بات سے ہو سکتا ہے کہ اپنی حیات کے آخری خطبہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر عورتوں کے حقوق کے بارے میں احکام اور وصیت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ میں پہلی مرتبہ عورت کو وہ مقام دیا جو اس سے پہلے اسے حاصل نہ تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی تمدن میں عورت کی اہمیت اور افادیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو قعر مذلت سے نکالا اور اور اس کی پیدائش کو موجب رحمت بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کی پرورش، اس کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا وسیلہ قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۱۱]

''جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاں فرشتے بھیجتا

Marfat.com

ہے۔ جو کہتے ہیں: اے اہل خانہ! تم پر سلامتی ہو۔ وہ لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ ایک ناتواں جان سے پیدا ہوئی ہے۔ جو اس بچی کی پرورش کرے گا قیامت تک اللہ کی مدد اس کے شامل حال رہے گی۔''

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۱۲]

فاتقوا اللہ فی النساء.

''عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔''

خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خاندان کی تاسیس کے لیے نکاح کا طریقہ مقرر فرمایا۔ اس بندھن کے لیے عورت کی رضا مندی کا حصول لازمی قرار دیا گیا ہے بلکہ وہ خود بھی شادی کا پیغام دے سکتی ہے۔ یہ معاہدہ مرد و زن کی باہمی محبت اور دائمی رفاقت کا اقرار نامہ ہے۔ تاکہ عائلی و قومی زندگی کی تعمیر ہو سکے۔ اس طرح صالح تمدن و معاشرت کے استحکام کا اہتمام ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس رشتے کی لطافتوں اور نزاکتوں کو اس طرح بیان کیا ہے:[۱۳]

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ

''وہ (عورتیں) تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔''

اسلام یہ یقین رکھتا ہے کہ عورتوں کے مردوں پر وہی حقوق ہیں جو ان پر مردوں کے ہیں۔ البتہ مردوں کی عورتوں پر فوقیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:[۱۴] اے لوگو! تمہارے لیے تمہاری بیویوں پر حق ہے اور ان کو تم پر وہی حق ہے جو تمہیں ان پر۔''

وجود زن سے ہے کائنات میں رنگ کے مصداق قرآن حکیم نے عورت کو مزرع یا کھیتی سے تشبیہ دی ہے۔[۱۵] (نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ. یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں)۔ شادی بقائے نسل انسانی کا ذریعہ ہے نہ کہ یہ محض جنسی تلذذ کی خاطر کی جاتی ہے۔ اسی لیے اسلام کے نزدیک کنیز داری اور بردہ فروشی کی طرح نکاح باطل (جو مندرجہ بالا نیت سے نہ کیا جائے) قانوناً ممنوع اور قابل تعزیر ہوتا ہے۔ اسلام نے نکاح کو مہر سے مشروط کیا ہے۔ اس طرح مرد پر

Marfat.com

اپنی منکوحہ کے لیے ایثار باکمال کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:[۱۶]

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْاط وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ O

''جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ۔''

اس حکم کے تحت عورتوں کو آزاد ہونا قرار پایا ورنہ اس سے قبل تو وہ خود ایک موروثی شے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے معاشی حقوق کا تعین فرمایا کیونکہ معاشی استقامت ہی کسی بھی تمدن میں کسی کی منزلت کا باعث بنتی ہے۔ ان حقوق میں وراثت اور حق مہر کی وصولی شامل ہے۔ بیوی چاہے کتنی ہی مالدار کیوں نہ ہو اس کا نفقہ بہرحال شوہر پر ہی فرض ہے۔ یاد رہے کہ برصغیر پاک وہند میں جہیز استحصال بالرواج کی ایک بھیانک شکل ہے۔ جس نے عورت کو ناانصافی اور حق تلفی کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ اس طرح اس کی جمالیاتی حیثیت اور معاشرتی مرتبت کم ہو کر رہ گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کی بڑی نعمت قرار دیا ہے۔ وہ قابل احترام ماں ہے اس کے پاؤں کے نیچے جنت قرار دی گئی ہے۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں) کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف لاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بے حد احترام فرماتے اور ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھا کر دیتے اور رخصتی کے وقت ان کو تحائف بھی پیش فرماتے:

عورت وفادار بیوی ہے۔ جس کی عصمت وعفت کا رکھوالا خاوند کو قرار دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۱۷] ''کسی مسلمان عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ اکیلے رات کا سفر کرے تاوقتیکہ اس کے ساتھ ایک محرم نہ ہو۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے کام کاج میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہاتھ بٹاتے۔ عورت ایک شفیق بہن ہے جس کے احترام کی ایک واضح مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو ہوازن کی شکست کے بعد رضاعی ہمشیرہ شیما کے بے حد احترام کی شکل میں موجود ہے۔ عورت عزیز بیٹی بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بنات مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انس مثال ہے۔ عام معاشروں میں جذباتی طور پر بھی والدین کا جھکاؤ بیٹوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور جائیداد کے بھی تقریباً وہی وارث ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ لیکن ارشاد ربانی اس کے برعکس ہے۔[۱۸]

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ ق لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ج

''تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ جگہ بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دینے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''جو شخص بازار سے کوئی نئی عمدہ چیز خرید کر اپنے بچوں کے لیے لائے تو اسے چاہیے بیٹوں سے پہلے بیٹیوں سے شروع کرے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ اگر عورت کو معاشرے میں صحیح مقام ملے تو انسانی تہذیب وتمدن اعتدال کی راہ پر گامزن ہو سکے گا۔ قرآن حکیم کی نظر میں مرد اور عورت میں کوئی تفریق بلحاظ فضائل و خصائل نہیں ہے۔ دونوں میں فضیلت رکھنے والے موجود ہوتے ہیں اور اللہ کا خوف رکھنے والے بھی۔ مردوں کے لیے قرآن حکیم فرماتا ہے:[۱۹]

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ O

''اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے، اس کی بندگی بجالانے والے، اس کی تعریف کے گن گانے والے، اس کی خاطر زمین گردش کرنے والے، اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے (اس شان کے ہوتے ہیں وہ مومن جو اللہ سے خرید وفروخت کا یہ معاملہ طے کرتے ہیں) اور اے نبی ان مومنوں کو خوشخبری دے دو۔''

عورتوں کے لیے فرمایا:[۲۰]

عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْکَارًا O

''بعید نہیں کہ اگر نبی تم سب بیویوں کو طلاق دے دے تو اللہ اسے ایسی بیویاں

Marfat.com

تمہارے بدلے میں عطا فرما دے جو تم سے بہترین ہوں مسلمان، باایمان، اطاعت گزار، توبہ گزار، عبادت گزار اور روزہ دار، خواہ شوہر دیدہ ہوں یا باکرہ۔"

منافقوں کا ذکر کیا تو دو جنسوں کا کیا:[۲۱]

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ط نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُم ط اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

"منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں۔ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں۔"

پھر فرمایا:[۲۲]

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ لا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○

"بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر وقت اسلامی تعلیمات حاصل کرنے والے مردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس طرح عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

Marfat.com

کچھ خواتین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ایک خاص دن اپنے لیے مقرر کر لینے کی درخواست کی جسے آپ نے شرف قبولیت بخشی۔ [۲۳] خواتین آتیں اور نہایت دلیری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر کوئی شکن تک نمودار نہیں ہوتی تھی۔ [۲۴]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی جسمانی ساخت اور فطری صلاحیتوں کے مطابق اس کا دائرہ کار متعین فرمایا۔ ایک بار ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہم سفر تھیں۔ انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خواں تھے یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے۔ اس طرح اونٹ دوڑنے لگے۔ معاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کا خیال آیا تو فرمایا: ''ذرا دیکھ کر! یہ آبگینے (خواتین) بھی ساتھ ہیں، ٹوٹنے نہ پائیں''۔ [۲۵] حقیقت یہ ہے کہ آپ نے زندگی بھر ان آبگینوں کی نزاکت کا پورا پورا خیال رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ماں کی گود بچے کا اولین مکتب ہوتا ہے اس لیے عورت کو بھی مرد کی طرح ہی علم کے حصول کا حق حاصل ہے۔ حتی کہ باندیوں کے متعلق بھی حکم دیا۔ [۲۶] ''جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو وہ اس کو خوب تعلیم دے اور عمدہ تہذیب و شائستگی سکھائے۔ پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر ے، اس کے لیے دوہرا اجر ہوگا۔'' اس طرح عورت علم کے زیور سے آراستہ ہو کر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے روحانیت اور اخلاقیات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج حاصل کر سکتی ہے۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم کی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اِسے مردوں کی جماعت میں تلاوت فرماتے پھر اس کے بعد اس عبارت کو عورتوں کی مخصوص محفل میں بھی سناتے۔ [۲۷]

آپؐ نے بیوی اور شوہر کے حقوق میں .... (دیکھیے پشت صفحہ ۸۵)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سیاست میں آنا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام نے خواتین کے حقوق کا دائرہ تنگ نہیں کیا ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔ [۲۸]

Marfat.com

پردے کے حکم سے پیشتر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضائی خالہ) غزوۂ احد میں زخمیوں کو پانی پلاتی رہی ہیں۔[۲۹] اسی طرح غزوہ احزاب میں وہ زنانہ قلعہ سے نکل کر لڑائی کی حالت دیکھتی تھیں۔[۳۰] اسی طرح ام سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی غزوات میں حصہ لیتی رہی ہیں۔ وہ مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، مردوں اور زخمیوں کو مدینہ تک لے کر جاتیں۔[۳۱]

یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ معاشرے میں عورت کو تحفظ اور توقیر ملی۔ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی ہوا کہ صنعاء سے مدینہ منورہ تک ایک عورت اکیلے سفر کرنے لگی اور کسی کو اس کی طرف نظر بد سے دیکھنے کی جسارت نہیں ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر شوہری نظام کی قطعاً ممانعت فرمائی۔ ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتی تمتع کو بھی ناجائز اور حرام قرار دیا۔ سوتیلی اور رضاعی ماؤں کا احترام بحال کیا۔ بیک وقت دو سگی بہنوں سے شادی کی ممانعت فرمائی۔ بیوی کو طلاق دینے اور پھر غصہ سرد ہو جانے کے بعد دوبارہ نکاح کر لینے کا عام رواج تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تماشہ پر اس طرح پابندی لگائی کہ حلالہ کی راہ تجویز فرمائی تاکہ مرد اس معاملے میں محتاط ہوں۔ زوجین میں ناچاقی کی صورت میں اگرچہ طلاق جائز ہے تاہم یہ اللہ کے ہاں سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔[۳۲] اگر کسی عورت کے ساتھ نباہ نہ ہو سکے تو خوبی کے ساتھ اس کو الگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے:[۳۳]

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط

''طلاق دوبارہ ہے۔ پھر یا تو سیدھی عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔''

اگر کسی منکوحہ کے ساتھ خلوت کے بغیر طلاق کو نوبت آ گئی ہو تو شوہر پر نصف مہر ادا کرنا واجب ہے۔ طلاق رجعی کے بارے میں ہدایت کی گئی: وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ[۳۴] ''اور ایسے آدمیوں کو گواہ بنا لو جو تم میں سے صاحب عدل ہوں۔'' گواہی کی ہدایت دی گئی:[۳۵] وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ط ''اور (اے گواہ بننے والو) گواہی ٹھیک اللہ کے لیے ادا کرو۔''

قذف یعنی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا ۵ھ میں نازل ہوئی (واقعہ افک

Marfat.com

اسی سال رونما ہوا تھا اور یہ اسی تعلق سے نازل ہوئی تھی)۔ ارشاد ربانی ملاحظہ ہو: [۳۶]

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ج

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔''

عربوں کے ہاں دختر کشی عام تھی۔ کسی کے ہاں لڑکی کی پیدائش کی قرآن حکیم نے اس طرح تصویر کشی کی ہے: [۳۷]

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ط

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے۔''

اسلام نے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دے کر اسے یہ احساس دلایا کہ بچیاں قتل ہوتی رہیں تو بیویاں کہاں سے آئیں گی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے: [۳۸]

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج

''جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔''

لیکن ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا: [۳۹]

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً.

''لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔''

پھر یہ بھی فرمایا: [۴۰]

Marfat.com

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

''لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔''

اور پھر ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ کہہ کر معتبر اور ثقہ افراد یعنی صاحبان عدل کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۴۱]

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بیویوں کا وہ شوہر جو ایک کا حق ادا کرتا اور دوسری سے غفلت برتتا تھا، قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گویا یا مفلوج ہو کر جھک گیا ہو۔[۴۲]

یہاں یہ نکتہ ملحوظ خاطر رہے کہ کثرت ازدواج کی اجازت میں ان عورتوں کی کفالت بھی مقصود تھی جن کے شوہر جنگوں میں مارے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ جنسی بے راہ روی کو نابود کرنے کا بھی ایک تیر بہدف علاج ہے۔ صرف اسے عدل کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ اس ذیل میں مشہور مستشرق پروفیسر منٹگمری واٹ رقمطراز ہے:[۴۳]

''کثرت ازدواج سے بعض ایسی اخلاقی خرابیاں جو رجحان انفرادیت کی پیداوار تھیں، ختم ہو گئیں اور زائد عورتوں کی کھپت کا قابل احترام بندوبست ہو گیا اور بے وسیلہ عورتیں وارثوں کے ناجائز دباؤ سے بچ گئیں۔ علاوہ ازیں وقتی شادی (متعہ) کا جس کا عرب میں عام رواج تھا، انسداد ہو گیا۔ عرب میں جو اخلاقی خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں ان کے پیش نظر یہ قابل تعریف اقدام تھا۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی شادیاں بھی کیں ان کی کوئی نہ کوئی خاص وجہ تھی۔ پروفیسر موصوف اس ضمن میں رقمطراز ہے:[۴۴]

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام شادیوں کی حیثیت سیاسی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکر معاش سے آزاد ہو گئے۔ نیز چونکہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکے میں اثر و رسوخ تھا اس لیے اس رشتے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکے کے معزز اور ذی اثر لوگوں میں شامل ہو گئے۔ دوسرے نمبر پر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں۔ وہ ایک مخلص صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوہ تھیں اور ان کا بھائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت مخالف تھا (اس تعلق سے دونوں مقاصد کی تکمیل ہو گئی)۔ تیسری بیوی کا نام زینب بنت

Marfat.com

خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا جن کا شوہر خاندان عبدالمطلب سے تھا۔ اس لحاظ سے ان کی خبر گیری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادیاں تھیں، جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھروسہ تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مخزومی تھیں جو قریش کا بااثر خاندان تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنو مصطلق سے تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش رشتے کی بہن تھیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مرضی کے خلاف حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیاہا تھا۔ جب نباہ نہ ہو سکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ناکام شادی کی تلافی کرنا چاہی۔ نیز عربوں کے اس فاسد خیال کی عملی تردید منظور تھی کہ متبنیٰ اور حقیقی بیٹے میں کوئی فرق نہیں۔ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہر نسبتی تھیں۔ اس شادی سے وہ رشتہ استوار ہو گیا۔ اس طرح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے سے یہود کی وحشت کو کم کرنا منظور نظر تھا۔''[45]

پروفیسر منٹگمری واٹ مزید لکھتا ہے:

''شادی اور خاندانی تعلقات کو سنوارنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحات پر دوررس نتائج مرتب ہوئے۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی عرب میں قبائلی نظام کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن عرب معاشرے پر اس کے اثرات غیر مفید نوعیت کے تھے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سوسائٹی کا جو عائلی ڈھانچہ تیار کیا وہ کئی لحاظ سے جاذب نظر اور مفید ثابت ہوا۔ چنانچہ اس طریق کار کی کامیابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت اور پیش بینی کی ممنون ہے۔''

مغربی دنیا حقوق نسواں پر بہت زیادہ اتراتی ہے لیکن حقیقت میں عورت کی اپنی پہچان ہی نہیں ہے۔ وہ یا تو مس لز ہے یا مسز تھامپسن۔ اس کے علی الرغم اسلام میں عورت خواہ وہ بیٹی ہو یا بیوی، ہمیشہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیثیت سے اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ تفسیر ابن کثیر، جلد چہارم، ص ۴۷۸، ابوداؤد کتاب النکاح

۲۔ بخاری، کتاب النکاح، روایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۳۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، طبع یازدہم، ج ۲۱، ص ۲۲۳

۴۔ قرآن حکیم ۲۴:۳۳

۵۔ بخاری، کتاب المغازی

۶۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی

۷۔ بخاری کتاب النکاح

۸۔ سنن نسائی، باب البکر یزدجہا ابوہادی کارہتہ وسنن دارقطنی، کتاب النکاح ومسند احمد

۹۔ بخاری، کتاب النکاح

۱۰۔ قرآن حکیم ۲۴:۳۲

۱۱۔ طبرانی

۱۲۔ ابوداؤد، مسلم

۱۳۔ قرآن حکیم ۲:۱۸۷

۱۴۔ طبری ابن ہشام وغیرہ

۱۵۔ قرآن حکیم ۲:۲۲۳

۱۶۔ قرآن حکیم ۴:۳۲

۱۷۔ ابوداؤد

۱۸۔ قرآن حکیم ۴:۱۱

۱۹۔ قرآن حکیم ۹:۱۱

۲۰۔ قرآن حکیم ۶۶:۵

۲۱۔ قرآن حکیم ۹:۶۷

۲۲۔ قرآن حکیم ۳۳:۳۵

۲۳۔ بخاری کتاب العلم

۲۴۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج دوم، ص ۲۳۰، شبلی نعمانی

۲۵۔ ایضاً

Marfat.com

۲۶۔ بخاری

۲۷۔ خطبات، بہاول پور، ص ۱۱، ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۲۸۔ بخاری کتاب الجہاد والسیر، باب حج النساء

۲۹۔ بخاری کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ احد

۳۰۔ مسند ابن حنبل، ج ۶، ص ۱۴۱

۳۱۔ بخاری کتاب الجہاد والسیر کتاب المغازی

۳۲۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق

۳۳۔ قرآن حکیم ۲:۲۲۹

۳۴۔ قرآن حکیم ۲:۶۵

۳۵۔ قرآن حکیم ۲:۶۵

۳۶۔ قرآن حکیم ۴:۲۴

۳۷۔ قرآن حکیم ۱۶:۵۸۔۵۹

۳۸۔ قرآن حکیم ۴:۳

۳۹۔ قرآن حکیم ۴:۳

۴۰۔ قرآن حکیم ۴:۱۵۳

۴۱۔ قرآن حکیم ۲:۶۵

۴۲۔ ترمذی

۴۳۔ Muhammad at Madina, P.277

۴۴۔ Ibid, PP.287-288

۴۵۔ Ibid, P.289

Marfat.com

Marfat.com

عصر حاضر کے مسائل اور تعلیمات نبویؐ

اسلام ہی وہ دین ہے جس نے تمام وقتوں کے تمام مسائل پر بحث کی ہے اور اس نے وہ قوانین اور ضوابط متعارف کرائے ہیں جو انسانی زندگی اور اس کے معاشرے اور دنیا کے ساتھ باہمی تعلقات کو منظم کر سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اصولوں کی دعوت دی وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر گوشے پر محیط تھے۔ یہ پیغام اس وقت آیا جب نسل انسانی فکری اعتبار سے پختہ ہو چکی تھی۔ تمام مکاتب فلسفہ اور تمام مذاہب ظہور پذیر ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مادی علوم نے بھی خاطر خواہ ترقی کر لی تھی۔ گویا انسان کا اجتماعی شعور بھی خط پختگی کو پہنچ چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی تو کسی قسم کی مصلحتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سد راہ نہ بنیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولوں کی خاطر کبھی سودے بازی نہ کی بلکہ ہر طرح کے خطرات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ۲۳ برس مین ایک مکمل ترین نظام حیات کھڑا کر دیا اور ایک وسیع وعریض خطے پر دین حق کو اپنے معاشرتی، معاشی اور سیاسی ڈھانچے سمیت بالفعل قائم و نافذ کر دیا۔ یہ اس کی بدولت ہی ممکن ہوا کہ یہ قوم شتربانی کے مقام سے نہ صرف جہاں بانی کے مقام پر فائز ہو گئی بلکہ اس نے بلا استثناء دنیا کی ساری ہی اقوام کو سیاست اور جہاں بانی کا درس بھی دیا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو صرف ایک اللہ کے آگے سربسجود ہونے کی تعلیم دے کر اسے آزاد و حُرِ کامل بنا دیا۔ اس سیاسی نظام کی اساس انفرادی و اجتماعی ایمانداری اور سچائی تھی۔ اس میں دنیوی کروفر کی بجائے خلافت الٰہی کا جلال اور ظاہری شان و شوکت کی جگہ خدمت اور محبت کا جمال تھا لیکن اس سادگی اور فقر کے باوجود اس کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ قیصر و کسریٰ اس کے تصور پر ہی لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قسم کے سیاسی اور معاشی معاہدے کیے لیکن کبھی کوئی جھوٹا معاہدہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی معاہدے کی کبھی خلاف ورزی کی۔ حلیفوں کا نازک سے نازک حالات میں بھی ساتھ دیا اور دشمنوں کے ساتھ ان

Marfat.com

کے نہایت ہی ناسازگار حالات میں بھی انصاف کیا۔ سیاسی جبر کا خاتمہ کیا۔ اس انقلاب کا محور قرآن حکیم تھا جو ''چوں بجاں درر فت'' کے مصداق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے رگ و ریشے میں اس طرح سرایت کر گیا کہ ان کی زندگیوں کا رخ ہی تبدیل ہو کر رہ گیا۔ یہ تغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کو راہِ دلیل بنانے کے باعث ہی ممکن ہوا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا [1] یعنی ''میں تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' آج بھی اگر دنیا فوز و فلاح اور اپنے مسائل کے حل کی خواہاں ہے تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا اتباع کرنا پڑے گا۔ دنیا کو پرآشوب حالات کا سامنا ہے، ان سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی نصب العین بنایا جائے۔

اس انقلاب کے لیے سب سے پہلے اپنی فکر کی تصحیح شرط لازم ہے اور یہ فطری ثمرہ ہے تلاوت قرآن حکیم کا۔ اس سے فاسد خیالات اور غلط نظریات کی بیخ کنی ہو گی۔ جب قلوب واذہان نور ایمانی سے منور ہو جائیں گے تو مجموعی طور پر معاشرہ یا قوم بلکہ پوری دنیا کے اجتماعی فکر کی تطہیر اور اس کی سوچ کے دھارے کا رخ تبدیل ہو جائے گا۔ قرآنی اخلاق اور قرآن مثالی سیرت کا مظہر اتم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات تھی۔ کسی بھی نوع کی آیت لے لیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقام نبوت کی تعبیر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ اس کی تفسیر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہی تو تھا کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قرآن ہی تو تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رحمت قرار دیا اور قرآن حکیم کو بھی رحمت بنایا: [2]

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ.

''ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے تو شفا اور رحمت ہے۔''

اس کو علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

اور اس آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ

Marfat.com

لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.[۳]

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔''

کے نزول کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی مکمل ہو گئی۔ اب قیامت تک قرآن حکیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ بنی نوع انسان کی ہدایت و رشد کے لیے کافی ہے۔ یہ ایک ایسا نور ہے جس کی قندیلیں گل نہیں ہوتیں۔ یہ ایک ایسی منزل ہے کہ اس کی راہ میں کوئی راہرو بھٹکتا نہیں۔ نہ ہی یہ کسی ایک علاقے یا ذہاں آباد لوگوں کے لیے نازل ہوا بلکہ یہ کل کائنات کے لیے ہے لہٰذا قرآن حکیم بھی رحمت تمام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رحمت تمام، انسانیت کا اعلیٰ اور حقیقی درجہ اسی دین کی پیروی سے ہی میسر آ سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیری، وحدت انسانی، احترام آدمیت اور دین کے معاملات میں ایسی ذاتی اور عملی مثالیں پیش کیں جن سے نوع انسانی کے فکر و تصور کے دھارے بدل گئے اور اس کے نتیجے میں ایک نئی امت اور ایک نیا معاشرہ معرض وجود میں آیا۔

یہ تقاضائے جبلت ہے کہ انسان تنہا نہیں رہ سکتا۔ وہ انسانیت کی معراج کو معاشرتی زندگی کے بغیر پہنچ ہی نہیں سکتا۔ معاشرہ افراد کی ترقی اور نشو و نما کا ضامن ہے۔ چونکہ افراد سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اس لیے فرد کا معاشرے پر اثر ہوتا ہے اور معاشرے کا فرد پر۔ بہترین معاشرتی زندگی وہ ہوتی ہے جس میں سب افراد ایک دوسرے کے لیے معین و مددگار ہوں۔ ارشادِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے:[۴]

خير النّاس انفهم للنّاس.

''لوگوں میں بہتر وہ فرد ہے جو لوگوں کے حق میں سب سے زیادہ نفع رساں ہے۔''

اور یہ نفع رسانی یقیناً خاندان سے شروع ہوتی ہے جو معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور بچے کا اولین مدرسہ ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۵]

رِضَا الرَّب فِي رِضَا الوالِدَينِ وسخطهٗ فی سِخطِهِما.

Marfat.com

''خدا کی خوشنودی والدین کی خوشنودی میں اور خدا کی خوشنودی والدین کی خوشنودی میں مضمر ہے۔''

انسان مدنی الطبع ہے اور وہ معاشرے سے الگ تھلگ ہو کر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں مختلف مقاصد کے تحت معرض وجود میں آنے والے اداروں میں سے کئی ایک کے ساتھ وہ وابستہ ہوتا ہے۔ تعصب، اقتصادی مسائل اور احساس برتری وہ اسباب ہیں جو صحیح تناسب اطاعت قائم نہیں ہونے دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[6] لا یدخل الجنۃ مَن لایامن جا وبوایقه یعنی ''وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ مامون نہیں وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:[7] مَا زَالَ جِبرَئِلُ یوصِینی بِالجَارِ حَتّٰی ظَنَنتُ وَاِنَّهُ سَیورثهٗ. یعنی ''جبرئیل مجھ کو پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ پڑوسی کو پڑوسی کا وارث بنا دیں گے۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:[8] خیر بیوتکم بیت فیه یتیم مکرم یعنی ''تم میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم معزز طریقے سے رہتا ہے۔''

ماہرین عمرانیات کی رائے ہے کہ خاندان اور ہمسائے کے حقوق کا یوں پاس ملحوظ خاطر ہو تو دنیا صحیح معنوں میں جنت بن جاتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:[9] مَن لاَ یَرحَم فِی الارضِ لاَیرحمة من فی السمآء ''جو زمین والوں پر رحم نہیں کرے گا، آسمانوں والا اس پر رحم نہیں کرے گا۔'' بزبان شاعر

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

گویا اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اتباع احکام الٰہی اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں صحیح معنوں میں انسان بننے کی انتھک کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اگر ہم ہر ہر موقع پر اخلاقی برتاؤ کو ملحوظ خاطر رکھیں تو ہم خود کو تمام گناہوں اور جرائم سے بچا سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا عملی اور عملی نمونہ ہمارے سامنے ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:[10]

Marfat.com

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا۔''

اس کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ اور شمائل ایک حیثیت سے عملی قرآن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقوق العباد کا احترام کیا جائے اور امور خیر میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ اس طرح شر کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ فرمان الٰہی ہے۔[۱۱]

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

''جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔''

اگر اقوام عالم اس اصول پر عمل کریں تو دنیا میں فساد کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ مشاہدہ یہ ہے کہ حق کی بجائے دوسرے مصالح کی بنا پر قومیں باطل کی طرف داری شروع کر دیتی ہیں۔ جن کی وجہ سے باطل قوتیں مضبوط ہو جاتی ہیں اور دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حکومتیں اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر شہادت حق کو چھپاتی ہیں اور عدل وانصاف کی پاسداری نہیں کرتیں۔

پیغمبر انسانیت نے مسلمانوں میں اخوت و مساوات کی روح پھونک کر ان کے باہمی اتفاق کو ایک ابدی صورت عطا کی۔ قرآن حکیم میں ارشادات ربانی ہیں:

۱۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ.[۱۲]

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔''

۲۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اخوانا.[۱۳]

''اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۱۴] المسلم من مسلم المسلمون من لسانہ ویدہ یعنی ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے (دوسرے) مسلمان محفوظ رہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے بعد قتل کو بڑا گناہ قرار دیا۔[۱۵]

Marfat.com

ایک شخص کی عائلی زندگی اس کے سیرۃ و کردار کی حقیقی عکاس ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی گھریلو اور باہر کی زندگی میں تفاوت ہو۔ اگر دونوں میں مطابقت ہے تو وہ یقیناً ایک عظیم انسان ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کسوٹی پر پوری اترتے ہیں۔ بڑے سے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ اس کو اذن عام دے دے کہ وہ اس کی ہر بات، ہر واقعہ، ہر حالت برملا دوسروں کو بتا دے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ خیر کم خیر کم لاهله.[۱۶]

''تم میں سب سے بھلا آدمی وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بھلا ہو۔''

۲۔ خِیَارُکُمْ خَیَارُکم نِسائهم.[۱۷]

''تم میں سب سے بھلے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے بھلے ہوں۔''

احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان ارشادات کے مطابق عمل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں پر حد درجہ شفقت فرماتے اور ان کو اپنے رازوں میں شریک فرماتے۔ اس لیے کہ اگر بیوی محرم راز نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر ان سے ان رازوں کی حفاظت میں کوتاہی ہوتی تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سرزنش بھی فرماتے تھے۔ لیکن یہ انداز بھی ایسا ہوتا کہ مخاطب بات بھی سمجھ جائے اور کچھ زیادہ گراں بھی نہ گذرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زہد و قناعت کی تعلیم پر پورا ترتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی دے رکھی تھی کہ وہ اگر اپنے لیے عیش و آرام والی زندگی کو پسند کرنا چاہیں یا اس سے محروم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت والی زندگی۔[۱۸] لیکن انہوں نے ہر قیمت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو پسند کیا۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے بے حد محبت تھی۔ ایک بار عید کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ ہر طرف بچے خوبصورت اور رنگا رنگ کپڑے پہنے خوش و خرم کھیل رہے تھے جب کہ ایک بچہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک طرف کھڑا رو رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے، اسے پیار کیا اور رونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ بچے نے بتایا کہ ''میرا باپ نہیں، اس لیے میں نئے کپڑے نہیں

Marfat.com

پہن سکا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنم ہوتے ہوئے بچے کو اٹھا کر گھر لائے، نئے کپڑے پہنوائے اور فرمایا: ''جس کا دنیا میں کوئی باپ نہیں ہے، میں اس کا نگہبان ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عورت کو نحوست اور مکر و فریب کا پرتو خیال کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے جائز تمدنی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی حقوق سے محروم تھی حتی کہ بعض قبائل تو اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی اور اسے گناہ عظیم قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی مستقل حیثیت قائم کی اور اسے وراثت میں حصہ دار ٹھہرایا۔ جنت کو ماں کے پاؤں تلے قرار دیا اور اس کی خدمت کو جہاد قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی بیٹیوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اپنی بیٹی فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا کہ ''یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔'' اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو فطرت کے مطالبے کے مطابق رتبہ عطا فرمایا اور انسانی تمدن کی ترقی اور استحکام کے لیے ایک ایسی ٹھوس اور مستحکم بنیاد فراہم کر دی جس کے بغیر خاندان کی تاسیس میں اعتدال، نظام معاشرت و معیشت میں توازن اور نظام حکومت و سیاست میں استواری محال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاشی حقوق عطا کیے کیونکہ تمدنی منزلت معاشی استحکام کی ہی رہن منت ہوتی ہے۔

اسی وقت جو ذلت عورت کے ساتھ روا رکھی جا رہی ہے، اسلام اس سے ہٹ کر عورت کو ایک اعلیٰ و ارفع مقام دیتا ہے۔ عصرِ حاضر میں عورت کو محض کمرشل آرٹ کا ایک ذریعہ تصور کر لیا گیا ہے۔ امن کے دنوں میں اپنی اشیاء کی زیادہ فروخت کے لیے اس کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور جنگ کے دنوں میں وہ انفرادی اور اجتماعی آبروریزی کا نشانہ بنتی ہے۔ مقبوضہ کشمیر اور بوسنیا کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مغربی تہذیب نے اسے گھر کی مامون چار دیواری سے نکال کر ایک کماؤ فرد بنا ڈالا ہے۔ یہی معاشی بے بسی معاشرت میں اس کی غلامی کا سب سے بڑا سبب بنتی ہے۔ مغربی ثقافت میں ٹیلی ویژن پر ترغیب گناہ کے بے شمار سامان مہیا کیے جاتے ہیں۔ رفقائے کار حتی کہ ہمسائے بھی گناہ آلود زندگی بسر کرنے میں ممد ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے میں تو جرأت، ایمان اور استقلال اور دعاؤں کے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں عصر حاضر میں مفقود ہیں جب کہ سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی رو سے ان سے

Marfat.com

عورتوں کو لیس کیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ عائلی زندگی کی پاکیزگی کو یقینی بناتی ہے اور اس کے ساتھ ہی انفرادی زندگی کی پاکیزگی کو بھی۔ وہ اپنی مرضی سے شادی کرسکتی ہے۔ اگر نباہ نہ ہو تو اسے خلع کا حق دیا گیا ہے تاکہ وہ ظالم، ناکارہ اور ناپسندیدہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ مطلقہ اور بیوہ کو عقد ثانی کا حق دیا گیا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کئی ایک بیواؤں سے عقد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوجداری اور دیوانی قوانین میں مرد اور عورت میں کامل مساوات قائم کی۔ اسے علم سے بہرہ ور ہونے کا حق دیا اور اس طرح وہ اپنی روحانی بالیدگی اور اخلاقی سرفرازی کا سامان بھی بغیر کسی رکاوٹ کے کرسکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا وہی دائرہ کار مقرر فرمایا جو اس کی جسمانی ساخت اور اس کی فطری صلاحیتوں اور قابلیتوں سے ہم آہنگ اور عین مطابق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد و زن کی مصنوعی مساوات کا سبز باغ دکھا کر اسے ان سختیوں اور مشقتوں، ان جھمیلوں اور تصادموں کے منجدھار میں نہیں ڈالا جس سے نبرد آزما ہونے کے لیے اسے فطرت نے تیار بھی نہیں کیا بلکہ اسے ایک قابل احترام ہستی کا درجہ دیا جو عائلی اور اجتماعی زندگی میں مثبت طریقے سے اپنا کردار ادا کرتی ہے۔

الحاد و زندقہ کے اس دور میں دنیا گوناگوں مسائل سے دوچار ہے۔ غالباً ایسی سنگینی حالات کی مثال نہیں ملتی۔ ایک شدید فکری اور ذہنی انتشار پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے اندر خود غرضی، طمع اور حرص کے بے شمار سانپ کلبلا رہے ہیں۔ ہر جگہ نفرتیں اور تعصبات ہیں۔ عیار عقل بھی بھیس بدل کر اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ عصر حاضر کو دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا بھی سامنا ہے۔ امیر جائز و ناجائز ذرائع سے اپنی دولت و ثروت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ ایک نہایت ہی مہلک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اور بیشتر برائیوں کا باعث بن رہا ہے۔ دولت کے حصول کی غیر اخلاقی مسابقت بھی موجود ہے اور اس میں سرکاری ملازمین اور کاروباری طبقہ بھی شامل ہے۔ اگر سرکاری ملازمین رشوت کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں تو کاروباری طبقہ ملاوٹ، مہنگائی، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ اور ٹیکسوں میں چوری سے اپنے ہاتھ رنگ رہا ہے۔ جہالت، تعصب، بے حیائی، ریاکاری، بدامنی، فسادات، ڈاکہ زنی، رہزنی اور اغوا برائے تاوان بھی عصر حاضر کے ''تحائف'' ہیں۔ یہ تمام مسائل ایک ہی شجر کی شاخیں ہیں اور وہ شجر ہے منافقت۔ عدم

Marfat.com

مساوات نے معاشرے کی صورت مسخ کر کے رکھ دی ہے۔ ایک طبقے کا دوسرے طبقے کے ہاتھوں استحصال عام ہے۔ ایثار، مساوات اور قول و فعل کی ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث نسلی امتیازات نے جنم لیا ہے۔

سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمارے داخلی مسائل مثلاً اکل حرام، رشوت، اقربا نوازی، چور بازاری، نوسر بازی، سمگلنگ، منشیات اور جرائم مثلاً قتل، چوری اور جنسی جرائم کا مکمل علاج بلکہ انسداد موجود ہے۔ یہ رنگ و نسل، وطنیت اور جغرافیت کے تصورات اور آقا و غلام کے امتیازات سے بلند و بالاتر ہے۔ بلاشبہ آج بھی اگر ہم اپنے ایمان، اعمال اور کردار کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ڈھال لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا اخوت اور وحدت کی اسی فضا میں نہ رنگی جائے جو چودہ صدیاں پہلے قائم ہوئی تھی اور جب مسلمان ایک بہت بڑی قوت بن کر دنیا پر چھا گئے تھے۔ ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ گاروں کے ساتھ تم سب پر اپنا عذاب بھیجے گا۔ اس وقت تم خدا سے دعا مانگو گے تو وہ قبول نہیں ہوگی۔''

اگر انسان زیور تعلیم سے آراستہ نہ ہو تو اس کے لیے خیر اور شر کی اقدار میں امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ مشہور حدیث ہے:[۱۹] طَلَبُ العلم فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ یعنی ''تحصیل علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:[۲۰]

''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین میں جانا پڑے۔''

اس مختصر سے جملے میں دینی اور دنیاوی دونوں علوم شامل ہیں۔ ایسی تعلیم جو کہ ایک طرف فرد کو حقوق نفس کی تکمیل کی طرف رغبت کرے تو دوسری طرف حقوق اللہ کو پورا کرنے کے قابل بنائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تعلیم کا مقصد اخلاقی نشو و نما اور کردار کی اصلاح تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۲۱] بُعِثْتُ لا تَمِّمَ حُسْنَ الاخلاق یعنی ''مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے تاکہ اخلاقی اچھائیوں کو تمام و کمال تک پہنچا دوں۔'' یہ اسلامی تعلیم ہی ہے جس نے بتایا کہ ''کسی گورے کو کالے پر، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔'' گویا اسلام انسانوں کے رنگ و نسل، ملک و زبان کو کوئی حیثیت نہیں دیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

مزید فرمایا کہ ''میں رنگ ونسل کے امتیازات کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔'' قرآن حکیم نے اِنَّ اکرَمَکُمْ عِندَاللّٰہِ اَتقَاکُمْ. [۲۲] ''درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔'' کا ابدی اصول بیان کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنی آدم علیہ السلام کو بحیثیت انسان عزت و وقار کا مقام بخش دیا اور انہیں بتادیا کہ تمہارے شعوب وقبائل اس لیے بنائے گئے ہیں کہ تمہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں آسانی ہو اور وجہ افتخارات صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اتونی باعمالکم والا تاتونی بانسابکم یعنی ''گویا حسن عمل آدمیت کی اساس ہے اور ہر قسم کے نام ونمود کو غیر اسلامی قرار دے دیا گیا ہے کیونکہ حقیقی عظمت کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی!

اس طرح ہر نام ونمود سے پاک اور خیر کا تا قیامت اسوہ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے جنہوں نے فرمایا تھا: الفقر فخری یعنی ''درویشی میرا نشان فخر ہے۔''

عصر حاضر کا ایک سب سے بڑا مسئلہ علاقائی تعصّبات اور جاہلانہ گروہی نعرے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہر جگہ قتل و غارت، لوٹ مار، خوف و ہراس، بدامنی اور بے اعتمادی کی آگ کا عذاب موجود ہے۔ رحم و کرم، محبت اور دوستی کے چشمے سوکھ چکے ہیں۔ اخوت اور مواخات کی قدریں بدل چکی ہیں۔ آدمی آدمی کے لیے بھیڑیا بن چکا ہے، قومیں قوموں سے برسر پیکار ہیں۔ انسانیت تباہی و بلاکت کے آخری کنارے پر پہنچ چکی ہے ایسے میں دنیا امن کی پیاسی اور سکون کی متلاشی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰہ پر ایمان کی بنیاد پر ایک امت بنائی تھی۔ اس امت میں مکے کے مہاجرین، مدینے کے انصار، حبشہ کے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فارس کے سلمان رضی اللہ تعالیٰ سب کو یکساں حقوق حاصل تھے اور ایمان کے رشتہ نے ان میں یگانگت پیدا کردی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعصب زدہ عربوں کو اپنی سیرۃ کے دلکش رویوں سے شیر وشکر کیا۔ اسی طرح آج بھی ضروری ہے کہ ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک امت کے اصول پر علاقائی، گروہی اور جماعتی، تعصّبات کا

Marfat.com

قلع قمع کیا جائے۔ ذرائع ابلاغ، جمعہ کے خطبات اور درسگاہوں کے ذریعے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اخوت، وحدت اور یک جہتی کا شعور پیدا کیا جائے۔ نظام تعلیم میں ایسی تبدیلیاں لائیں کہ ہر سطح پر نفس مضامین میں احادیث، قرآنی آیات اور ہدایات مکمل طور پر سمودی جائیں۔ اس کے لیے نصاب کی نئے سرے سے تدوین اور ذرائع ابلاغ عامہ کے بھرپور استعمال کی اشد ضرورت ہے۔ آج اگر ہم سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیمانے پر پورے خلوص اور سچائی کے ساتھ خود کو لے آئیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عصر حاضر میں بھی لڑائی جھگڑے، تعصبات اور نفرتوں کی آگ ٹھنڈی نہ پڑ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت بنی نوع انسان کے لیے امن وسلامتی کا پیامبر ہے جب کہ آپس میں ملوتو ایک دوسرے کوسلام کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کا تصور پیش کر کے بنی نوع انسان میں طبقاتی، نسلی، علاقائی اور لسانی تفریقات کا قلع قمع کر دیا ہے اور اس طرح تمام انسانوں کو عدل و انصاف کا یکساں استحقاق دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امتیازات مٹا دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۲۳] ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر واقع ہو۔'' اس طرح امن کی پیاسی دنیا کو بھائی چارے کی فضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی میں ملے گی۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ ظلمت کدہ عالم کے لیے روشنی کا مینار ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: [۲۴] ان العباد کلھم اخوۃ. ''یعنی اللہ کے بندے (تمام انسان) آپس میں بھائی ہیں۔'' اس اصول پر عمل کر کے ان حالات میں سیرۃ طیبہ کے اتباع سے ہمارے دلوں میں یکجہتی اور نگاہوں میں یک رنگی پیدا ہوسکتی ہے۔ ہمارے زندگی کے چشمے اسی حیات آفرین پیغام سے پھوٹ سکتے ہیں اور اسی سے ہم امن وشائستگی اور سکون وطمانیت سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وحدت انسانیت کا پیغام دیتی ہے۔ اس کے ذریعے ہم انتشار اور بدامنی سے دو چار دنیا کے لیے امن، سلامتی اور یکجہتی کی کلید حاصل کر سکتے ہیں اور اسی کے ذریعے دنیا آج بھی عالمگیر وحدت اور ہم آہنگی سے معمور ہوسکتی ہے۔

دنیا میں آج جو بدامنی اور فتنے پھیلے ہوئے ہیں ان کا حقیقی سبب یہ ہے کہ لوگ اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر اپنے مطلب ومفاد کے لیے دوسروں کی حمایت کرتے ہیں۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ پیش رکھنا چاہیے جن کا بے مثال عفو ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ فتح مکہ

Marfat.com

کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن اس انتظار میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اتنا حیرت انگیز تھا کہ نہ صرف اسی دور بلکہ آنے والے ادوار میں بھی لوگ انگشت بدنداں اور سربگریباں ہیں۔ شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۲۵] اذھبوا انتم الطلقآء یعنی "تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ آج تم سب آزاد ہو۔" پھر آج اسلامی ممالک کیوں آپس میں برسرپیکار ہیں؟ کیا وہ ایک دوسرے کو معاف نہیں کرسکتے؟ یقیناً ہم اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کی روشنی میں یک جہتی اور قومی وحدت پیدا کرسکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ہر شخص صحیح تناسب اطاعت قائم کرے اور قوم اور معاشرے کے لیے ایثار و قربانی دے اور اپنے قول و فعل میں تضاد ختم کرے، ہم اپنے تضادات ختم کریں اور نئی نسل کو اچھائی اور خیر کا نمونہ بن کر دکھائیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں آجر و اجیر میں باہمی ہمدردی کا فقدان ہوتا ہے۔ اس خودغرضانہ کھچاؤ کے نتیجہ میں ہڑتالیں اور تالہ بندیاں روزمرہ کا معمول بن جاتی ہیں جن سے سنگین معاشی، معاشرتی اور سیاسی بحران جنم لیتے ہیں۔ اس کے علی الرغم اشتراکی نظام میں محنت کش کی انفرادیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ ریاست کے لیے جیتا اور اسی کے لیے مرتا ہے۔ یہاں اس کا استحصال ریاست کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ ہر دو نظام افراط و تفریط کا شکار ہیں اور اس بے اعتدالی کے ہولناک نتائج پوری دنیا کے سامنے ہیں۔

ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہی قائم کردہ نظام انسان کے اس اہم مسئلے کو اعتدال و توازن سے حل کرتا ہے۔ پیداواری عمل میں محنت اور سرمائے کو ان کا جائز مقام عطا کرتا ہے۔ وہ نہ سرمائے کو اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ وہ محنت کو اپنا غلام بنا کر رکھ لے اور نہ محنت کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنی چیرہ دستیوں سے سرمائے کی افادیت کو مجروح کر کے رکھ دے۔ اس نظام میں آجر و اجیر ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ غمگسار اور معاون ہوتے ہیں۔ یہی فضا امن اور سلامتی کی ضامن ہے اور تعلقات کی یہی استواری اور راستی معاشی بحران پر قابو پانے اور پیداوار میں مسلسل اضافے کا قابل اعتماد اور لائق اعتماد وسیلہ بن سکتی ہے۔ یہ محض خود فریبی ہے کہ ہم ہاتھ سے کام کرنے والے کو قابل نفرین گردانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کا مطالعہ کیجیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فریبی کے ان

Marfat.com

جھوٹے اور خود تراشیدہ بتوں کو کس طرح پاش پاش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی تعمیر میں خود حصہ لیا۔ مسجد قبا اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر میں ایک عام محنت کش کی طرح کام کیا۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھودنے میں بھرپور حصہ لیا اور خود پتھر اٹھا اٹھا کر محنت کشوں کی حرمت اور عظمت کا عملی نمونہ پیش کیا۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے محنت کش کے ہاتھوں پر بوسہ دیا جن پر پتھروں پر کدال چلانے کی وجہ سے گٹے پڑ گئے تھے۔ محنت و مشقت انسانیت کی معراج ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۲۶] ''انسان کی وہ روزی سب سے زیادہ پاکیزہ ہے جو اس نے اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کمائی ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کشوں کی حالت یکسر بدل کر رکھ دی اور ان میں عزت نفس اور خود اعتمادی کی روح پھونک دی۔ ان کو ذلت اور بے چارگی کی پستیوں سے اٹھا کر عزت و وقار کے بلند ترین مدارج پر فائز کر دیا۔ بروقت معاوضے کی ادائیگی کے متعلق فرمایا: [۲۷] ''مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔'' خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت میں عظمت کا تصور پیش کیا اور فرمایا: [۲۸] ما اکل احدٌ طعاما قطّ خیرًا مِن اَن یَاکُلَ مِن عمِلِ یدیہِ یعنی ''بلاشبہ تمہارے اسلام کی تکمیل یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔'' اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے حکم کے مطابق خرچ کرنا درحقیقت اس امر واقعی کو عملی طور پر تسلیم کرنا ہے کہ اس کائنات میں کام کرنے کے سارے مواقع اور وہ سب کچھ جو انسان حاصل کرتا ہے وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی دین ہے، اگر اللہ تعالیٰ نہ دیتا تو وہ ایک دانہ بھی حاصل نہ کر سکتا تھا۔ زکوٰۃ دینے والے کا مال دنیا کی حرص اور بخل جیسے ناپاک جذبات سے پاک ہو جاتا ہے اور آخرت، نیکی اور تقویٰ کے کاموں کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنی کمائی میں مساکین کا حصہ ان کے حق کے طور پر تسلیم کیا جائے اور دیا جائے۔ مساکین میں بھی سب سے اول اپنے اقرباء کا خیال رکھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ افضل الصدقة علی ذی الرحم الکاشح یعنی ''افضل ترین وہ صدقہ ہے جو اس قریبی رشتہ دار کو دیا جائے جو عداوت اور دشمنی رکھتا ہو۔'' یہ کہ آدمی کا آدمی کی حیثیت سے احترام ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کو بحران سے دوچار کرنے والی ہر صورت کا تدارک کیا۔ فرمایا: ''جو شخص مسلمانوں کے لیے اشیاء کے نرخ گراں کرنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرے تو وہ غلط کار ہے۔'' آپ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات میں حلال رزق کے حصول پر زور دینے کے لیے فرمایا گیا ہے: طَلَبُ الْحَلاَلِ جِهَادٌ یعنی "رزق حلال کی تلاش جہاد ہے۔" اس طرح کے مختلف اقدامات کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں معاشی استحصال کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کی ہر گھڑی اور ہر آن عدل و اعتدال اور احسان و سلوک کا حسین مرقع تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں دنیائے انسانیت کے لیے عمل کا پورا نمونہ اور گم کردگان راہ کی ہدایت اور رہنمائی کا سامان مہیا نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے اخلاق و کردار کا جو اعلیٰ ترین نمونہ وضع کیا ہے اس پر پورے خلوص اور دیانتداری سے عمل پیرا ہوں تو ہمارا رشتہ لڑائی جھگڑوں، نفرتوں اور عصبیتوں کی آگ سے پاک ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست میں ایک ایسی صاف ستھری عدلیہ کی عملی مثال پیش فرمائی کہ جس میں سربراہان مملکت عدلیہ کے سامنے اس طرح جوابدہ ہوتا ہے جس طرح ریاست کا ایک عام باشندہ۔ درحقیقت قومی زندگی جس حقیقی یگانگت کا تقاضا کرتی ہے وہ کسی ایسی ریاست میں نشو ونما نہیں پا سکتی جس کا نظام عدل مختلف طبقوں کے لیے مختلف ہو۔ اسی لیے چوری کے جرم میں مخزوم کی ایک متمول اور بااثر خاتون فاطمہ کی جب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے بریت کی سفارش کرائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سے پہلی قومیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ ان میں اونچے طبقوں کو سزا دینے کا رواج نہ تھا۔ خدا کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی یہ جرم کرتی تو میں یہی سزا دیتا۔" چنانچہ مجرمہ کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اسلامی زندگی میں ایک بہت ہی مستحکم اصول کی حیثیت اختیار کر گیا اور اسی بنا پر یہ قانون بنا کہ حدود کے سلسلے میں نہ کوئی سفارش قابل شنوائی ہے اور نہ کسی صورت معاف کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اسوہ حسنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں عدالتی نظام اس طرح تشکیل دیں کہ سستا اور فوری انصاف ممکن ہو تو معاشرے میں عدل و مساوات قائم کرنے میں بے حد مدد مل سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ میں اعتدال ہے۔ اسی اعتدال کا ایک نظریہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کا حق پہچانتے اور اسے ٹھیک ادا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ کسی کی کبھی حق تلفی کی، خواہ وہ حق اللہ کا ہو، بندوں کا ہو، اہل وعیال کا یا خود اپنے نفس اور جسم کا ہو۔

صاحب خلق عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرۃ طیبہ کا یہ طرہ امتیاز رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اعمال وافعال کی ملت کے افراد کو تعلیم دی اس پر خود پہلے عمل کر کے یہ ثابت فرمایا کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو صرف ان اعمال کی تعلیم دیتا ہے جو قابل عمل ہوں۔ غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کھودنے کے دوران میں جب ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھوک کی شکایت کرتے ہوئے اپنے پیٹ پر باندھا ہوا پتھر دکھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک دکھایا جہاں دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ایسی مساوات کی مثال کیا دنیا کا کوئی دوسرا نظام پیش کر سکتا ہے؟

اسلام نے معاشرتی بے راہ روی کے انسداد کے لیے بھی کئی طرح کے اقدامات کیے۔ بے حیائی کے متعلق فرمایا: [۳۱] لا تقربوا الفواحش ماظهر منها و باطن یعنی ''بے حیائی کے جتنے بھی طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔'' ایک اور موقع پر فرمایا: [۳۲] الحياء شعبة من الايمان یعنی ''حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔'' عصر حاضر میں ہر طرف بے حیائی کے مناظر عام ہیں لیکن ان احادیث پر عمل کر کے اس لعنت سے دور رہا جا سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تاجر رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کو ایک مرغوب پیشہ بنایا۔ بظاہر تجارت ایک دنیاوی کام ہے لیکن اگر اس میں دیانتداری برتی جائے تو وہ عبادت بن جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۳۳]

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاء.

یعنی ''سچائی کے ساتھ معاملہ کرنے والا امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

تاجر ناپ تول صحیح رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۳۴] زِن وَارْجِعْ یعنی تول اور پورا دے۔'' تاجر کو جھوٹی قسموں سے منع فرمایا کہ اس طرح برکت ختم ہو جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: [۳۵] اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَاِنَّهٗ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ. یعنی

Marfat.com

''اپنے مال کو بیچنے میں کثرت سے قسمیں کھانے سے بچو۔ یہ چیز (وقتی طور پر) تو تجارت کو فروغ دیتی ہے لیکن آخرکار برکت ختم کر دیتی ہے۔'' اس طرح ذخیرہ اندوزی کی ممانعت فرمائی: [۳۶] وَالْمُحْتَکِرُ ملعونٌ یعنی ''اور وہ شخص جو احتکار کرے وہ لعنت کا مستحق ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجر پر یہ لازم قرار دیا کہ وہ اپنے مال کے عیب نہ چھپائے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے تاجر کے پاس سے گذرے جو غلہ فروخت کر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ غلہ کے اندر ڈالا۔ اندر کا حصہ پانی سے تر تھا۔ آپؐ نے تعجب کا اظہار مایا تو اس نے بتایا کہ ''حضورؐ بارش سے بھگی گئیں۔'' استفسار فرمایا: ''پھر اُسے اوپر کیوں نہ رکھا؟'' پھر فرمایا: [۳۷] مَن غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا یعنی ''جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

رشوت ناانصافی، ظلم اور لاقانونیت کے پھیلنے کا سبب بنتی ہے اور یہ صورت حال پوری کی پوری قوم کو اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی پہلو سے تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [۳۸] اَلرَّاشِیُ وَالْمُرتشِ کِلَاهُما فِی النَّارِ یعنی ''رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں دوزخی ہیں۔'' ایک اور جگہ فرمایا: [۳۹] لَعَنَ رَسُولُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم الرَّاشِیُ وَالْمرتشِی یعنی ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر لعنت بھیجی ہے۔''

آج کل منشیات کی لعنت ہر جگہ معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشہ کی ممانعت ان الفاظ میں فرمائی۔ [۴۰] اجتنبوا کُلَّ مُنکَرٍ یعنی ''ہر نشہ آور چیز سے بچو۔''

سچائی نیکی اور اصلاح کی بنیاد ہے جب کہ جھوٹ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ آج کل جھوٹ فن حیات کے طور پر بولا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ زبردست خیانت ہے کہ تم ایک بات اپنے بھائی سے کہو اور وہ تمہیں سچا جانے اور تم اس سے جھوٹ بات کہو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کی بھی ممانعت فرمائی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان حق قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اور خود غرضی اور انسان دشمنی کی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ حسب و نسب کا غرور، حسن و جمال کا غرور، دولت و عزت کا غرور، قوت و حکومت کا غرور اور علم و زہد کا

Marfat.com

غرور اس کی مختلف اشکال ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[۴۱] لَا یَدخُلُ الجَنَّۃَ اَحَدٌ فِی قَلْبِہٖ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ یعنی ”جس آدمی کے دل میں رائی کے برابر غرور ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔“

ایک صحت مند معاشرتی نظم پیدا کرنے کے لیے اسلام ہر فرد کی عزت نفس کی حفاظت پر بہت زور دیتا ہے اور حقائق جانے بغیر کسی بھی قسم کی بات پر یقین نہ کرنے کا درس دیتا ہے۔[۴۲] اور اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کے لیے شہادت پیش کرے۔[۴۳] لیکن جھوٹی شہادت کو قابل تعزیر قرار دیا گیا ہے[۴۴] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا اور شرک دونوں برابر کے گناہ ہیں۔[۴۵]

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد کے متعلق فرمایا کہ اس سے بچو کہ یہ نیکیوں کو اس طرح بھسم کرتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو بھسم کر ڈالتی ہے۔[۴۶]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت اسلامیہ کو ایک وحدت قرار دیا ہے اور تفرقہ اندازی کرنے والوں کے متعلق فرمایا ہے کہ مَنْ تَفَرَّقَ فَلَیْسَ مِنَّا یعنی ”جو شخص آپس میں (مسلمانوں میں) تفرقہ اور جدائی ڈالے وہ ہم میں سے نہیں۔“ آج بے شمار مسلمان تفرقہ اندازی کو ایک معمولی فعل خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ گناہ عظیم ہے۔

زندگی کی بقا کے لیے کھانا پینا ضروری ہے مگر اتنا کھانا کہ معدے کے لیے اس کا بار برداشت کرنا اور اسے ہضم کرنا مشکل ہو جائے، صحت کو تباہ و برباد کرنے اور گوناگوں بیماریاں پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ بسیار خوری سے انسان نہ صرف سنگدل ہو جاتا ہے بلکہ پر دل سیاہی چھا جاتی ہے اور انسان حیوانی شہوات کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ قرآن حکیم پُر خوری کا فروں کا وصف قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہے۔[۴۸]

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ ○

”اور کفر کرنے والے بس دنیا کی چند روزہ زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں، جانوروں کی طرح کھا پی رہے ہیں اور ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہے۔“

بسیار خوری کا نتیجہ ذیابیطس کی شکل میں بھی سامنے آ سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

تعلیمات کی روشنی میں اگر انسان طہارت اور ہم جنس پرستی سے اجتناب کرے تو ایڈز جیسی لاعلاج بیماری اس کے قریب نہیں آ سکتی۔

عصر حاضر کی مادی تہذیب انسان کی روحانی عظمت کو پامال کرتی ہے۔ اس کی چمک ظاہری ہے باطنی نہیں۔ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ منتشر اور پریشان حال انسانیت کی فلاح کے لیے آگے بڑھیں۔ قرآن حکیم ہمیں کائنات اور بنی نوع انسان کو ایک اکائی تصور کرنے کا درس دیتا ہے۔ انسان کو جو چیز انسان بناتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مقاصد کا حصول ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو قرآن حکیم نے ''حکم'' یعنی آخری سند ٹھہرایا ہے۔[۴۹]

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo

''نہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اپنے باہمی اختلاف میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔''

اسی طرح قرآن حکیم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتا ہے۔[۵۰]

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ.

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔''

خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جس نے میری اطاعت کی بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور میں لوگوں (یعنی حق و باطل) کے درمیان فرق پیدا کرنے والا ہوں۔''[۵۱]

اللہ تعالیٰ نے معاشرے کو شکست و ریخت سے بچانے کے لیے سورۃ الحجرات میں تمام اصول بیان فرما دیئے ہیں۔ جیسے فرمایا: ''ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ''، ''ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو''، ''ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو''۔ پھر عیب چینی اور خوردہ گیری وطعن و تشنیع

Marfat.com

کی مذمت بھی کی اور انہیں تباہ کن اعمال بھی قرار دیا۔ اتحاد کے بارے میں فرمایا: کُـوْنُـوْا عِبَـادَاللّٰهِ اِخْوَانًا گویا انصاف پر اصلاح معاشرہ کی بنیاد رکھی۔ غرض معاشرہ میں برائیوں کے انسداد کی مقدور بھر کوشش مسلمانوں کا انفرادی، اجتماعی اور قومی فریضہ ہے جسے نہایت احتیاط سے پوری حکمت و بصیرت کے ساتھ بروئے کار لانے کی ضرورت ہے تا کہ مثبت، موثر، نتیجہ خیز اور دیرپا فوائد مقاصد حاصل ہو سکیں۔

ان ارشادات ربانی پر عمل پیرا ہو کر حسد و عناد جیسے مہلک عوامل کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انس و محبت، اخوت و مساوات اور اتحاد و یگانگت کے ثمرات بھی حاصل ہوں گے۔

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کردار و گفتار سے اسلامی اقدار و اخلاق کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کا دائرہ عمل نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ پوری معاشرتی زندگی کا احاطہ کیے ہوا ہے اور یہی بندگی ہے۔ اس احساس عبدیت کی عملی شکل یہ پیش کی گئی ہے کہ جس کام سے اللہ اور اس کے رسول منع کریں، ان سے بچو اور جس کام کو کرنے کی تلقین کریں وہ کرو۔ فرمایا:[۵۲]

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

"اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔"

عصر حاضر کے مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ ہم اپنے دلوں کو شوکت نبوت سے منور کریں کیونکہ اسی میں ہدایت اور رہنمائی مضمر ہے۔ یہی راہ نجات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن، مکارم عالیہ پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ اور ڈھال ہیں۔ زندگی کے کسی بھی شعبے کے بارے میں کوئی بھی گوشہ ایسا نہیں جس کے بارے میں رہنمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں نہ ملتی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع میں بھرپور انداز میں نبوت کی شان جلوہ گر ہے۔ یہ رہتی دنیا تک انسانیت کا منشور اعظم ہے۔ اس میں عصر حاضر کے مسائل کا بہترین حل موجود ہے فرمایا:[۵۳]

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ سنن ابن ماجہ
۲۔ قرآن حکیم ۱۷:۸۲
۳۔ قرآن حکیم ۵:۳
۴۔ بخاری
۵۔ بخاری
۶۔ بخاری و مسلم
۷۔ متفق علیہ
۸۔ بخاری
۹۔ بخاری و مسلم
۱۰۔ قرآن حکیم ۳۳:۲۱
۱۱۔ قرآن حکیم ۵:۲
۱۲۔ قرآن حکیم ۴۹:۱۰
۱۳۔ قرآن حکیم ۳:۱۰۳
۱۴۔ بخاری و مسلم
۱۵۔ مسلم
۱۶۔ ترمذی، دارمی، ابن ماجہ
۱۷۔ ترمذی
۱۸۔ قرآن حکیم ۳۳:۲۸۔۲۹
۱۹۔ بخاری
۲۰۔ ایضاً
۲۱۔ موطا
۲۲۔ قرآن حکیم ۴۹:۱۳
۲۳۔ مشکوٰۃ
۲۴۔ ابوداؤد
۲۵۔ بخاری، ابن ہشام

Marfat.com

۲۶۔ مشکوٰۃ
۲۷۔ ابن ماجہ
۲۸۔ بخاری
۲۹۔ بزار
۳۰۔ بخاری
۳۱۔ بخاری
۳۲۔ بخاری
۳۳۔ ترمذی
۳۴۔ بخاری
۳۵۔ مسلم
۳۶۔ سنن ابن ماجہ
۳۷۔ بخاری
۳۸۔ بخاری، طبرانی، المعجم الکبیر
۳۹۔ ابوداؤد
۴۰۔ بخاری
۴۱۔ ترمذی
۴۲۔ قرآن حکیم ۴۹:۶
۴۳۔ قرآن حکیم ۲:۲۸۳
۴۴۔ قرآن حکیم ۲۴:۴
۴۵۔ ابوداؤد
۴۶۔ ایضاً
۴۷۔ طبرانی
۴۸۔ قرآن حکیم ۴۷:۱۲
۴۹۔ قرآن حکیم ۴:۶۵
۵۰۔ قرآن حکیم ۴:۸۰
۵۱۔ بخاری، ترمذی وغیرہ
۵۲۔ قرآن حکیم ۳:۳۱
۵۳۔ ابن ہشام

Marfat.com

حضورؐ کی عائلی زندگی اور اُس کی اہمیت

عائلی زندگی معاشرے میں ایک بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کے مستحکم ہونے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام عائلی زندگی کا نگران اور منتظم مرد کو قرار دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور رعیت (بیوی بچے) رکھنے والا ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کی بابت سوال کیا جائے گا۔'' گھر ایک ننھی سی ریاست ہے اگر اس میں ہر فرد احسن طریق سے اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو تو گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا۔ اس گھر کے بچے اپنی عملی زندگی میں ملک وملت کے لیے بہترین افراد ثابت ہوں گے۔ اس مرحلہ پر بچے کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے وہ بعد میں راسخ عادات کی شکل میں عمر بھر ساتھ چلتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خاندان بچے کا اولین مکتب ہے۔ عصر حاضر میں عائلی زندگی کو سنوارنے کے لیے بے شمار قواعد وضوابط بنائے جاتے ہیں لیکن پھر بھی مقصد کے حصول میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عائلی زندگی کی اساس نکاح ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے کوئی ایسی چیز نکاح کے سوا نہ دیکھی ہوگی جو دو افراد کے درمیان اتنے درجہ کی محبت پیدا کر دے۔'' ایک گھر کے افراد ایک چھت تلے زندگی بسر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں نکاح کے لیے لفظ احصان استعمال ہوا ہے جس کے معنی قلعہ، نکاح کرنے والے کو محصین (قلعہ بندی کرنے والا) اور نکاح کرنے والی کو محصنہ (قلعہ میں محفوظ شادی شدہ عورت) کہا جاتا ہے۔ گویا عورت نکاح کرنے کے بعد اس قلعہ میں داخل ہو جاتی ہے جو اخلاقی پابندیوں کے لیے تعمیر کیا گیا ہے۔ گویا نکاح کا مقصد عائلی زندگی اختیار کرنا اور عفت وعصمت کی زندگی بسر کرنا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شادی کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے: مال، نسب، حسن اور دینداری۔ چنانچہ تم دیندار عورت تلاش کرو۔ اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اس کے

Marfat.com

ہاتھوں کو مٹی لگے گی (اخیر چل کر ندامت ہوگی)۔[1] یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام بیویوں میں وہی سب سے زیادہ منظور ہوتی جس سے دین کی خدمت سب سے زیادہ بن آسکتی تھی۔ اور یہ جوہر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب سے نمایاں تھا۔

عائلی زندگی انسان کو احساس ذمہ داری سے ہمکنار کرتی ہے۔ باپ اہل خانہ کے لیے نان نفقہ کا بندوبست کرتا ہے اور بیوی اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے۔ اسلام میں خاندان کا مفہوم دوسرے معاشروں کی نسبت خاصا وسیع ہے اس میں شوہر، بیوی اور اولاد کے علاوہ والدین، بہن بھائی، ان کی اولاد، چچا، ماموں، ان کی اولاد غرضیکہ تمام نسبی رشتہ دار شامل ہیں۔ محبت ورحمت، عدالت اور اجتماعی کفالت اس کے عناصر ثلاثہ ہیں۔ جس قدر عائلی زندگی میں ان عناصر کو استقامت حاصل ہوگی اسی قدر معاشرہ مستحکم بنیادوں پر استوار ہوگا۔ خاندان کی کامیابی کا انحصار جملہ افراد کے باہمی حسن سلوک، محبت اور رواداری پر ہے۔ عائلی زندگی ہمیں انسانی رشتوں سے روشناس کراتی ہے جن کی بنا پر لوگ ایک دوسرے کے قریب اور قریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ارشاد خداوندی ملاحظہ ہو:[2]

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ٥

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔"

قرآن حکیم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء موجود ہیں جن میں نہ صرف نبوت کے بعد کے واقعات شامل ہیں بلکہ بعثت سے قبل کی زندگی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جیسے یتیمی، افلاس اور تلاش حق وغیرہ۔ بعثت کے بعد کے واقعات میں اعلان وتبلیغ، مخالفین کی عداوت، ہجرت، لڑائیاں، وقائع اور اخلاق وغیرہ کے پہلو بھی اجاگر کیے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کو نجی اور عوامی حصوں میں تقسیم نہیں کر رکھا تھا۔ بیوی سے بڑھ کر خاوند کو کوئی نہیں جانتا ہر بیوی کو یہ اذن عام تھا کہ خلوت کی باتوں کو بھی جلوت میں برملا

Marfat.com

بیان کرے تا کہ لوگ اس کو دیکھ سکیں اور اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اس اخلاقی وثوق اور اعتماد کی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر سب سے پہلے صدیقۃ النساء خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ایمان لائیں اور صدیقیت کے تمام تقاضوں کو پورا کیا۔ اس وقت ان کی شادی کو پندرہ برس ہو چکے تھے۔ یہ ایک طویل عرصہ ہے جس میں ایک دوسرے کی عادات و خصائل کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جونہی غار حرا سے وحی کے نزول کے بعد گھر تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر فوراً لبیک کہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اقتضائے بشریت سے خوفزدہ ہوئے تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تسکین دیتے ہوئے کہتی ہیں: "یا رسول اللہ! خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرابتداروں کا حق پورا کرتے ہیں، مقروض کے ماویٰ اور غریبوں کے مولیٰ ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی طرفداری کرتے ہیں اور مصیبتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے کام آتے ہیں۔"[۳] اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کافی بوجھ ہلکا ہوا۔ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل، جو ان کے برادر عم زاد تھے اور عبرانی زبان کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ توریت اور انجیل پر عبور رکھتے تھے، کے پاس لے گئیں اور تمام واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے کہا کہ "یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔"[۴]

خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق قبیلہ اسد سے تھا جس کے مرد علم و معرفت میں ممتاز تھے اور حنیف کہلاتے تھے۔ بعض بت پرست ہونے کے باوجود حقیقت کے متلاشی رہتے تھے تا کہ کسی واحد حقیقی کی پرستش کی جائے۔ عنفوان شباب میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش روزگار ہوئی تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امین و صادق ہونے کا شہرہ سن رکھا تھا) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا اور کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کرنا چاہتے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سرمایہ سے تجارت کر سکتے ہیں۔" خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا درآمدات و برآمدات کا کاروبار کرتی تھیں۔ انہوں نے اپنے وسیع کاروبار کے لیے کئی ایک افراد کو ملازم رکھا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا

Marfat.com

سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔[۵]

شرائط طے ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کاروبار سنبھالا۔اس سلسلے مین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار شام کا رخت سفر باندھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت اور خوش معاملگی سے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کاروبار چمک اٹھا۔ جہاندیدہ خاتون تھیں اور بیوہ بھی۔اہل مکہ ان کو طاہرہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے ابو ہالہ بن زرہ تمیمی سے بیاہی ہوئی تھیں۔ان سے ہند اور حارث نام کے دولڑکے پیدا ہوئے تھے۔ ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عایذ مخزونی کے نکاح میں آئیں۔ان سے ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ، خصائل حمیدہ اور اوصاف کریمہ کے پیش نظر ہی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رشتہ مناکحت میں بندھ گئے۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ برس تھی جبکہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۴۰ برس کے پیٹے میں تھیں۔ھل جزاء الاحسان اِلَّا الاحسان. حالانکہ کئی ایک معززین مکہ اپنی دختران کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے خواہش مند تھے۔دوسری طرف کئی ایک ممتاز سردار خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کے خواہاں تھے۔خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے جو اولاد ہوئی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔زینب ۲۔رقیہ ۳۔قاسم ۴۔ابراہیم ۵۔ام کلثوم ۶۔فاطمہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلے فرزند کے نام کی نسبت سے ہی ابوالقاسم کہلائے۔ دونوں بھائی خوردسالی ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف ایک بیوی ہی نہ تھیں بلکہ ان سے زیادہ کوئی اور شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی عمیق ترین گہرائیوں سے واقف نہ تھا۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیر اور صمیمی ترین دوست تھیں۔انہوں نے اپنی تمام زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے گذار دی اور ہر مشکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔انہوں نے اپنی تمام دولت اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔ایک روایت کے مطابق خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت قریش کی مجموعی دولت سے بھی زیادہ تھی۔ ہر روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب زخمی گھر آتے تو وہ ان کے زخموں کو دھوتیں، پٹی باندھتیں، لباس تبدیل کرواتیں تسلی دیتیں اور

Marfat.com

دلداری فرماتیں۔ ان کی اسی صدیقیت کے پیش نظر ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو جبرئیل کی معرفت سلام بھیجا۔ باوجود اختلاف سن کے دونوں میں کبھی بھی کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا۔ خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا تین برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب[6] میں محصور رہیں جس دوران میں بھوک اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑا۔ پچیس برس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت زوجیت میں رہنے کے بعد حرم نبوت کی یہ شمع جب بجھی تو مسلمانوں کے پاس ان کے لیے کفن تک نہ تھا۔ ان کو ان کی صوقعہ[7] میں دفن کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ الکبریٰ کی رحلت کے بعد ازدواج کیا۔ جب تک وہ حیات تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسری خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر ان کو فراموش نہ کر سکے۔ اکثر ان کو محبت سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ غزوہ بدر کے قیدیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد ابوالعاص بھی تھا۔ اس کے زر فدیہ میں زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک ہار بھیجا جو انہیں ان کی والدہ خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلگیر ہو گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔[8] خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کوئی جانور ذبح کرتے تو اہتمام سے خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہم نشین عورتوں کے ہاں گوشت بھجواتے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا ہے کسی اور پر نہیں آتا۔[9] اس کی وجہ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے متعلق ذکر کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد دی جب کہ دوسری بیویوں سے اولاد سے مجھے محروم کیا۔"[10]

خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۱۰ نبوی میں شادی کی جو پہلے سکران بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیاہی ہوئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام ہیں اور حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت

Marfat.com

کرنے والے ہیں۔ سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا ایک بیٹا عبدالرحمٰن تھا۔ سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ بیوگی کی زندگی بسر کر رہی تھیں اور کبیرالسن تھیں۔ دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد گھربار کے خیال سے متفکر رہتے تھے۔ آخر خولہ بنت حکیم کی تحریک پر سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد نے ان کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کردی۔ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت سخی اور فیاض تھیں اور نہایت اطاعت شعار تھیں۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی۔ نکاح کے وقت ان کی عمر چھ برس تھی البتہ رخصتی ۹ برس کی عمر میں شوال ۱ھ میں ہوئی۔[11] اس کم سنی کی شادی کا اصل منشاء، نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی۔[12] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۱۸ برس تھی۔ آپ کا نام عائشہ، لقب صدیقہ، خطاب ام المومنین، کنیت ام عبداللہ اور لقب حمیرا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت الصدیق سے خطاب فرمایا ہے۔ آپ فوق الفطرۃ حافظہ کی مالک تھیں۔ آپ کے عالمہ فاضلہ اور فصیح اللسان ہونے سے کسی کو انکار نہیں۔ پہلے تینوں خلفاء کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے میں کثیرالروایت ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (گوشت روٹی) کی فضیلت اور کھانوں پر۔"[13] ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ نوید سنائی کہ جبرئیل انہیں سلام دیتے ہیں۔[14] علامہ حافظ ابن قیم رقمطراز ہیں:[15]

"حضور اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہوتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ اگر وہ کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتو ان کی خواہش پوری کر دیتے تھے۔ وہ جس برتن سے پانی پیتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس برتن سے ان کے منہ لگانے کی جگہ منہ لگا کر پانی پی

Marfat.com

لیتے۔ جس ہڈی کو وہ چوستیں، اس ہڈی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لے کر چوستے۔"[۱۶] ایک مرتبہ عید کے روز حبشہ کے ایک قبیلے بنی ارفدہ کے حبشی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھالوں اور برچھوں سے اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس کے لیے موقع پیدا فرمایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کی اوٹ سے ان کے کرتب دیکھ لیں۔[۱۷] یہاں تک کہ جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھک گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بس۔" انہوں نے کہا: "ہاں۔" ارشاد ہوا تو جاؤ۔[۱۸]

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: "دو مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے موقع پر ان کے ساتھ دوڑے بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہو۔"[۱۹]

جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کو کر کے دکھایا۔ جو کچھ قرآن حکیم میں تھا وہ سب مجسم ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آیا۔ ایک دفعہ چند افراد عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا ام المومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے۔" مخدومہ جہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ کان خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔" پھر دریافت کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت شبانہ کا کیا طریقہ تھا؟" فرمایا: "کیا تم نے سورۃ مزمل نہیں پڑھی؟"[۲۰] قرآن حکیم میں فرمایا گیا:[۲۱] وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ "اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔" ایک دفعہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سونے کے کنگن پہنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتروا دیئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کو یہ زیبا نہیں۔ فرماتے تھے کہ "انسان کے لیے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے جس قدر ایک مسافر کو زاد راہ۔"[۲۲] ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کوئی تقریب تھی مگر کوئی سامان نہ تھا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں جو کچھ بھی تھا وہ ان کو دلا دیا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اس وقت رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اہل صفہ کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر لائے اور فرمایا: "جو کچھ کھانے کو ہو لاؤ۔" چونی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا۔ وہ کافی نہ ہوا۔ کوئی اور چیز طلب کی۔ تو

Marfat.com

چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا۔ پھر پیالہ میں دودھ آیا۔ مگر یہی سامان مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی۔ [۲۳]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے۔'' [۲۴] واقعہ افک رونما ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بات نہیں کی جب تک خود اللہ تعالیٰ نے ان کی بے گناہی کی شہادت نہ دے دی۔ [۲۵] ان آیات کے نزول سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان آسودہ ہوئے اور منافقین کا یہ حربہ ناکام ہوا۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ۴۸ برس بعد ۵۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت گھر میں تھوڑے سے جو کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور چند سیر جو کے بدلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن رکھی پڑی تھی۔ اسی طرح مرض الموت میں یاد آیا کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں۔ حکم دیا کہ ''انہیں خیرات کر دو۔ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔'' [۲۶] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے صرف ایک نقرہ خچر چھوڑا جس پر سوار ہوا کرتے تھے اور ہتھیار چھوڑے۔ اور کچھ زمین (خیبر اور فدک میں) چھوڑی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں ہی مسلمانوں کے لیے وقف کر گئے تھے۔ [۲۷]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرتے تھے کہ ''فرزند آدم علیہ السلام کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کو جھونپڑا، تن ڈھانکنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو کبھی سوکھی روٹی اور پانی۔'' [۲۸]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد محض الفاظ کی حد تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مکمل طور پر اس کی عکاسی کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہائش ایک حجرہ میں تھی جس کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں کچی تھیں اور چھت کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی تھی۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو چھت تک پہنچ جاتا۔ دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا۔ [۲۹] لیکن وہ عمر بھر کبھی بند نہ ہوا۔ پردہ کے طور پر ایک

Marfat.com

کمبل پڑا رہتا تھا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: پانی ہوتا البتہ کہیں سے کچھ تھوڑا سا گوشت آ جاتا (تو اس کو بھی کھا لیتے)۔ [۳۰] ایک روز چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فاقہ کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک پتھر بندھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز فاقہ سے تھے، ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ اسی وقت نخلستان سے کھجور توڑ کر لائے اور کھانے کا اہتمام کیا۔ کھانا جب سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھجوا دو، کئی روز سے اسے کھانا نصیب نہیں ہوا۔ [۳۱] ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو افسردہ تھے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ "ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔"

حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی۔ دونوں نے مدینہ کو ہجرت کی۔ غزوہ بدر میں لگنے والے زخموں کی تاب نہ لا کر خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔ ان دونوں کی کوئی اولاد نہ تھی۔ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ تھوڑی سی تیز مزاج تھیں۔ واقعہ ایلاء کے متعلق عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مغافیر کی بو آنے کے متعلق کہنے کو کہا تھا۔ اس طرح ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ حفصہؓ نے مجھے یہودی کی دختر ہونے کا طعنہ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے؟" [۳۲]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دختران ہونے کی بنا پر باقی ازدواج کے مقابلہ میں باہم ایک خیال کرتی تھیں۔ لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک کا اظہار کر دیا کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوران سفر راتوں کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ پر ملتے تھے اور ان

Marfat.com

سے ہم کلام رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک روز حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہو جاؤں گی تا کہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوار تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کر کے بیٹھ گئے۔ جب منزل پر پہنچے تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں اذخر نامی گھاس کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں کہ اے اللہ میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی تو کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے۔[۳۳] حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خلافت کے دوران میں ۴۵ھ میں وفات پائی۔

ام المومنین زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے غزوہ احد میں شہادت پائی۔ اسی سال (۳ھ) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کی۔ اپنی فیاضی کی وجہ سے ام المساکین کہلاتی تھیں۔ شادی کے دو تین ماہ بعد رحلت فرمائی۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام ہند تھا۔ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ حبشہ کی طرف دونوں میاں بیوی نے ہجرت کی۔ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر و احد دونوں غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ احد میں لگنے والے زخموں سے جانبر نہ ہو سکے۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ۵ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔ اغلب ہے کہ انہوں نے ۶۱ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۴ برس تھی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد فضل و کمال میں انہی کا درجہ تھا۔ ان کی ذہانت کا مظاہرہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا جب مسلمان صلح کی ناگوار شرائط کے پیش نظر مکہ سے باہر قربانی کرنے میں تامل کر رہے تھے تو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تدبیر سے ہی یہ مشکل حل ہوئی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''مسلمانوں کے دل غمگین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود باہر نکل کر سر منڈائیے اور قربانی کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر سب ایسا ہی کرنے لگیں گے۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[۳۴] اس سے

Marfat.com

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اہم امور پر مشورہ فرماتے تھے۔

جب مسلمانوں نے بنو مصطلق کو زیر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سردار حارث بن فرار کی صاحبزادی جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۵ھ میں شادی کی۔ وہ پہلے مسافع بن صفوان سے بیاہی ہوئی تھیں جو غزوہ مریسیع میں قتل ہوا۔ قیدیوں میں جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ اس پر تمام مسلمانوں نے اپنے اپنے حصہ کے تمام لونڈی اور غلام بھی آزاد کر دیئے۔ (ان کی تعداد سات سو بتائی جاتی ہے) کیونکہ اب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابتدار بن گئے تھے۔[۳۵] جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۶۵ برس کی عمر میں ۵۰ھ میں وفات پائی۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساوات اور اخوت کی عملی مثال اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متبنٰی بنا کر پیش کی اور پھر اپنی پھوپھی زاد بہن زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان سے بیاہ دیا۔ لیکن ان دونوں کا نباہ نہ ہو سکا اور نوبت طلاق تک جا پہنچی۔ کچھ عرصہ بعد ۵ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خود شادی کر لی۔ اس پر کفار نے شور کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی رچا لی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ محض ایک لفظی رشتہ تھا جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا۔[۳۶] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس شادی سے تبنی کی اس جاہلانہ رسم سے نجات ملی اور عربوں کی بہت سی خاندانی رقابتوں اور خرابیوں پر ضرب پڑی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے (جس میں اس نکاح کا ذکر ہے)[۳۷] تا کہ کفار کو طعن و تشنیع کا موقع نہ ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا اور یہی اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا کوئی پہلو بھی تاریک نہیں رہا۔ نیز ارشاد ربانی ہے:[۳۸]

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ

"اے پیغمبرؐ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں

Marfat.com

تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔''

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کی پیشکش کی تو فرمایا: ''میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔'' واقعہ افک کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کی رائے دریافت کی تو فرمایا: مَا عَلِمْتُ فِیْهَا اِلَّا خَیْرًا ۔ یعنی ''مجھ کو عائشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔'' حالانکہ ان کی ہمشیرہ حمنہ اس اتہام میں شریک تھیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اِس احساس کو ہمیشہ ہی یاد رکھا۔[۳۹] زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں۔ خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور خیرات کر دیتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ:

اسرعکن لحاجاتی اطولکن یدا.

''تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔''

اس پر تمام اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں حالانکہ یہ فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔ چنانچہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں سب سے پہلے ۲۰ھ میں ۵۳ برس کی عمر میں زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انتقال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کے وقت ان کی عمر ۳۵ برس تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف وقتوں میں نو شادیاں کیں لیکن ہر شادی کے پیچھے کوئی نہ کوئی مصلحت کارفرما ہوتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ قریش کے ساتھ راہ و رسم پیدا ہوں۔ ۶ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی اور اس طرح ابوسفیان کے داماد ہوئے۔ ان کا نام رملہ تھا اور کنیت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھی۔ انہوں نے اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تھی۔ بعد میں ان کا شوہر مرتد ہو کر وہیں فوت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس شادی سے خیال تھا کہ یہ رشتہ مکہ میں ان کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کی خصومت میں کمی کا باعث ہوگا۔ فی الواقعہ اس شادی نے اہل مکہ کے مشرف بہ اسلام ہونے میں ایک موثر کردار ادا کیا۔ انہوں نے ۴۴ھ (بعض کے نزدیک ۵۹ھ یا ۵۰ھ یا ۵۵ھ ہے) میں وفات پائی۔

میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ نسبتی تھیں۔ ان

Marfat.com

کی آٹھ بہنیں تھیں اور تمام کی تمام مکہ کے سرکردہ افراد کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ میمونہ پہلے ابو رہم بن عبدالعزی کے نکاح میں تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد ۷ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابتداری کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوئی۔ وہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پھوپھی تھیں۔ اس شادی کے بعد ہی وہ اسلام لائے۔ صلح حدیبیہ کی رو سے مدینہ اٹھ آنے والوں کو مسلمان واپس کرنے کے مکلف تھے لیکن خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایسا مطالبہ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

جب مسلمانوں نے خیبر فتح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں اور یہودیوں کی بہبود اور باہمی تعلقات کی استواری کے خیال سے خیبر کے سردار حی بن اخطب کی دختر صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۷ھ میں شادی کی۔ ان کا اصلی نام زینب تھا۔ ان کا باپ بنی نضیر کا سردار اور ماں بنی قریضہ کی سردار کی بیٹی تھی۔ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ وہ خیبر کی لڑائی میں قتل ہوا۔ باپ اور بھائی بھی کام آئے اور یہ گرفتار ہوئیں۔ ایک بار زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو یہودیہ کہہ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ماہ تک ان کے پاس نہیں گئے۔ آخر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوششوں سے معاملہ رفع دفع ہوا۔[۴۰] اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ انہیں روتے دیکھا کیونکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کہنا تھا کہ ''ہم تمام ازواج میں افضل ہیں کیونکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچازاد بہن بھی ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ، موسیٰ علیہ السلام، میرے چچا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے شوہر ہیں۔ اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔''[۴۱] صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔

سیدہ عالم فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ وہ جب کبھی آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرط محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے[۴۲] جب آپ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وآلہ وسلم کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو سب سے آخر میں فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاتے اور واپسی پر وہ سب سے پہلے شرف باریابی چاہنے والوں میں ہوتیں۔ ان کی عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ چکی پیستے پیستے ان کی ہتھیلیوں پر نشانات پڑ گئے تھے اس طرح مشک میں پانی بھر کر لانے سے ان کے سینے پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے۔ ایک روز انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی۔

فرمایا: ''اے فاطمہ! بدر کے یتیم تم سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔''

پھر فرمایا: ''لونڈی غلام جو تم چاہتے ہو اس سے بہتر بات میں تم کو بتلاؤں تم سونے سے قبل ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھو۔ یہ لونڈی غلام سے تمہارے لیے بہتر ہے۔''[۴۴]

اسی طرح ایک دفعہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طلائی ہار فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو یہ ہار پہنے دیکھا تو فرمایا:

''اے فاطمہ! تم کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے۔''

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی وقت وہ ہار فروخت کر ڈالا اور حاصل کردہ رقم سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا۔

اسی طرح ایک دفعہ انہوں نے اپنے دونوں صاحب زادوں (حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لیے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازے پر لٹکائے۔ انہی دنوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ پر تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس آئے تو خلاف معمول فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ زیرک تھیں سمجھ گئیں اور فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا[۴۵] اور صاحب زادوں کے ہاتھوں سے کنگن اتار دیئے۔ وہ روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنگن لے کر بازار بھیج دیئے کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لا دو۔[۴۶]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو چومتے اور پیار کرتے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (انہوں نے دس برس تک

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی) فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اپنے اہل وعیال کو چاہنے والا کوئی اور نہ تھا۔ لوگ اس درجہ محبت پر حیران ہوتے۔

ایک بار اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا تو کہا:

''میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے انہیں کبھی نہیں چوما۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

اسی طرح ایک بار ایک شخص نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے بچوں سے پیار کرتے ہیں، ہم تو اپنے بچوں کو کبھی پیار نہیں کرتے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے شفقت ومحبت چھین لی ہے تو کوئی اور اس کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔[۴۷]

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نواسی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کندھے پر اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے۔ اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔[۴۸]

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ تحائف ملے جن میں ایک زریں ہار بھی تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یہ میں اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کمسن نواسی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحب زادی) کو بلا کر ان کے گلے میں ڈال دیا۔[۴۹]

اسی طرح ایک دفعہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر سوار تھے۔

کسی نے کہا: ''کیا سواری ہاتھ آئی ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سوار بھی کیسا ہے؟''[۵۰]

Marfat.com

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کو دیکھتے تو ان کو سلام کہتے اور اگر مناسب سمجھتے تو ان کے ساتھ مل کر کھیلتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو مشن باہر ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے لے کر گھر میں داخل ہوتے تھے۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کی باطنی کمزوریوں سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہی لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی تبلیغ کا کام خاندان کے ساتھ ہر قسم کے روابط قائم رکھتے ہوئے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوتم بدھ کی طرح بیوی اور بچوں کے فرائض سے آنکھیں موندھ کر ویرانوں کا رخ نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاندان اور معاشرے سے پیوستہ رہ کر حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پرچار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذاتی آرام سے زیادہ اس بات کے لیے فکرمند رہتے کہ گھر والے اپنی آخرت کی ذمہ داریوں کی طرف سے غافل نہ ہونے پائیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب گھر تشریف لاتے تو کسی قدر بلند آواز میں یہ الفاظ دہراتے:[۵۱]

> **لو كان لابن ادم واديان من قال لا بتغى واديًا ثالثًا ولا يملاء فيه الالتراب وما جعلنا المال الا لاقام الصلوة وايتاء الزكوة ويتوب الله على من تاب.**
>
> ''آدم علیہ السلام کے بیٹے کی ملکیت میں اگر دولت و مال سے بھرے ہوئے دو میدان ہوں تو وہ تیسرے کی حرص کرے گا۔ اس کی حرص کے منہ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے دولت تو اپنی یاد دلانے اور مسکینوں کی مدد کے لیے پیدا کی ہے۔ جو اللہ کی طرف لوٹے تو اللہ بھی اس کی طرف لوٹے گا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخدوم و ممتاز بن کر نہ رہتے تھے بلکہ گھر کے کام میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹاتے۔ گھر میں خود جھاڑو دیتے، کپڑوں میں پیوند خود لگاتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنی نعلین مبارک کو سی لیتے اور غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھ لیتے۔ گھر تشریف

Marfat.com

لاتے تو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ مسکراتے ہوئے داخل ہوتے۔ ازواج سے سخت درشت لہجہ میں بات نہ کرتے۔ اگر کسی کی کوئی بات ناگوار محسوس ہوتی تو التفات میں کمی فرما لیتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے متعلق ہم یہ کہیں کہ وہ قابل تقلید نہیں ہے۔ جہاں تک اہل بیت کی ضروریات کا تعلق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس اسی قدر اہتمام فرماتے تھے جو اپنی اور ان کی اشد ضرورت کے لیے کافی ہو۔ اس سے زیادہ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی خواہش فرمائی نہ کوشش کی۔ جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ اس قلیل معاش میں سے بھی اکثر انفاق فی سبیل اللہ فرماتے اور اپنے ضروریات سے اس حد تک قطع نظر کر لیتے کہ بسا اوقات فاقوں کی نوبت آ جاتی۔ ۷ھ میں خیبر کی فتح کے بعد یہودیوں کے نخلستان مسلمانوں کو ملنے کے بعد ان کی پیداوار میں سے امہات المومنین ؓ کو ہر فصل پر فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو ملنے لگے (وسق ۶۰ صاع یعنی سوا دو سیر کے برابر ہوتا ہے)۔ گھر کے مصارف کا انتظام بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحویل میں تھا۔ وہ حسب ضرورت قرض ہی لے لیتے اور جب کوئی صورت بنتی تو قرض ادا کر دیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خَیْرُکُمْ لاَ یَعْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لاَ عْلِیْ.

''تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے سب سے اچھا ہو اور میں اپنی بیویوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عائلی زندگی ایک ہموار اور مثالی زندگی تھی۔ ایک پرسکون ماحول تھا جس میں ہر شے اپنی فطری حدود میں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے اور ان کو اپنے ہر قسم کے راز میں شامل فرماتے تھے اگر کبھی کسی زوجہ محترمہ سے اس راز کی امانت میں کوئی کوتاہی ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ایک خاص انداز میں سرزنش فرماتے یعنی اس طرح کہ مخاطب بات بھی سمجھ جائے اور اس کی طبیعت پر کچھ زیادہ گراں بھی نہ گزرے۔ ایک مرتبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ ''یہ عیب کیا کم ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہے۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

Marfat.com

''عائشہ تم نے ایک ایسی بات زبان سے نکال دی ہے کہ اگر وہ سمندر میں ملا دی جائے تو اس کی کڑواہٹ اس کو بھی تلخ کر کے رکھ دے۔''

اگر کوئی اہلیہ محترمہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئی اپنی خودداری کا مظاہرہ کرتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی دلداری فرماتے:

اگر کسی کو کوئی تحفہ بھیجنا ہوتا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر باری کے اندر بھیجتا۔ دوسری بیویاں ایسا نہ چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ جس کسی کو تحفہ بھیجنا ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی خاص بیوی کے گھر قیام کی تخصیص نہ کرے اور وہ بھیج دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس بات کا کوئی نوٹس نہ لیا لیکن ان کے تیسری دفعہ عرض کرنے پر فرمایا کہ میں جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ہوتا ہوں تو اس وقت ہی میرے پاس وحی آتی ہے جب کہ کسی اور کے ہاں قیام میں تو نہیں آتی۔ [۵۳] اسی حوالے سے چند ازواج مطہرات نے فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا سفیر بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جس کو میں چاہتا ہوں۔''

چنانچہ وہ واپس چلی گئیں۔ ازواج نے پھر دوبارہ بھیجنا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ [۵۴]

اب اس کام کے لیے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منتخب کیا گیا کیونکہ ان کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ تھا۔ انہوں نے اپنا موقف زوردار طریقے سے پیش کیا کہ عائشہ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔ جب وہ اپنا موقف پیش کر چکیں تو حضور نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جواب آں غزل کہنے کو فرمایا: ان کے استدلال سے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا لاجواب ہو گئیں۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیوں نہ ہو، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہے۔''

نماز عصر پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ تمام ازواج مطہرات کے ہاں جاتے، تھوڑی دیر ٹھہرتے اور آخر میں جن کی باری ہوتی تھی وہاں شب بھر قیام فرماتے۔ ابتد

Marfat.com

ام سلمہ سے ہوتی تھی۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ جن کی باری ہوتی تھی وہیں پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھیں اور دیر تک محفل رہتی۔ کچھ رات گئے، سب رخصت ہو جاتی تھیں۔ بشری تقاضا کے تحت کبھی کبھی ان میں منافقت کا اظہار بھی ہو جاتا تھا لیکن اس میں کسی طرح کی بکدورت شامل نہیں ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب کی خاطرداری مقصود تھی۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے کہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھانا پکا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا (وہ کھانا پکانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں)۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خادمہ کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کیے اور ان کو جوڑا۔ پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔[۵۵] بدلا دلوانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فعل کو گوارا فرما لیا ہے۔ ایسے معمولی خفیف معاملات میں ایسی دقیق دعائیں کرنا غایت درجہ کی شفقت کی دلیل ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذرا برہم ہو کر بلند آواز میں گویا تھیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے۔ انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی الہ تعالیٰ عنہا کو تھپڑ مارنا چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آڑے آ گئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ میں چلے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"کیوں؟ کس طرح تم کو بچا لیا۔[۵۶]

چند روز بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو صورت حال مختلف دیکھ کر بولے کہ: "مجھے بھی صلح میں شریک کر لیجیے جیسا کہ اس روز میں نے لڑائی میں شرکت کی تھی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہاں اور ہاں۔"[۵۷]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر عائشہ سے فرمایا: "تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں۔"

ان کے استفسار پر بتایا:

"جب تو خوش رہتی ہے اور کسی بات پر قسم کھانی ہو تو یوں قسم اٹھاتی ہے۔"

Marfat.com

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کی قسم! اور جب ناراض ہو جاتی ہو تو کہتی ہو ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی قسم!''

اس پر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ''ہاں! یا رسول اللہ! میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔''[۵۸]

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تیز قدمی میں مقابلہ کرنے کو فرمایا: وہ نازک اندام تھیں، آگے نکل گئیں۔ چند سال بعد وہ مزید اندام ہو گئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی۔ اب کے وہ پیچھے رہ گئیں۔

آپ نے فرمایا: ''یہ اس دن کا جواب ہے۔''

۹ھ میں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت مرغوب تھا۔ اس طرح سے اسے نوش فرمانے کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رشک ہو۔ انہوں نے (بشیرت کے اقتضا کی وجہ سے) حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس آئیں تو کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے مغافیر (پھول جس سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) کی بو آتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی کہ آئندہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔[۶۰] اس پر ارشاد ربانی ہوا:[۶۱]

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

''اے نبی، تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے؟ (کیا اس لیے کہ) تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو؟ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثالی عائلی زندگی میں منافقین کی بیویاں تلاطم پیدا کرنے کے درپے رہتی تھیں اور امہات المومنینؓ کو بہکانے کی کوشش کرتی تھیں کہ تم اس عسرت زدہ زندگی کو خیر باد کہہ دو، کئی عظیم المرتبت سردار تم سے رشتہ مناکحت باندھنے کو تیار ہیں۔ امہات

Marfat.com

المومنینؓ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کی طرح ان کو بھی زخارف دنیوی کا خوگر نہیں بنایا تھا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

ما کانت لاحدانا الاثواب واحد.

''ہم تمام بیبیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔''

ایک دفعہ بشری تقاضوں کے پیش نظر تمام ازواج مطہراتؓ نے اچھے کھانے اور اچھے لباس کی خواہش ظاہر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکون خاطر میں یہ تنگی طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد فرمایا: کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نہ ملیں گے۔ مشہور یہ ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ازواجؓ کو طلاق دے دی ہے۔

یہ عرصہ ایلاء کہلاتا ہے۔[۶۱] ایک ماہ پورا ہونے کے (یہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا) بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالا خانہ سے اتر کر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا: کہ ایک ماہ تک ہمارے حجروں میں نہ آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن پہلے کیونکر تشریف لائے؟''

فرمایا: عائشہ مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔''[۶۳]

اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں کی خوش مزاجی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امہات المومنینؓ کو شیطانی پروپیگنڈے اور دنیا کی دلفریبیوں سے محفوظ رکھا۔ جب سورۃ الاحزاب کی آیات ۲۸، ۲۹ نازل ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور پھر یکے بعد دیگرے ہر زوجہ محترمہ سے یہی سوال کیا کہ:[۶۴] گر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطع تعلق کرنا چاہتی اور دنیوی آسائش کو ترجیح دینا چاہیں تو ایسا کرنے میں آزاد ہیں۔ لیکن سب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور دنیاوی سکھ و آرام کے مقابلے آخرت کی زندگی کو ترجیح دی ہے۔

بولائے تو کہ گر بندہ خریشم خوانی

Marfat.com

از سفر خواجگی کون و مکان برخیزم

ان آیات میں ارشاد ربانی ملاحظہ فرمایئے:

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ○ وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ○

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے امہات المومنینؓ کو ان کے عظیم منصب کے متعلق یاد دلایا۔[۶۵]

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ○ وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ○

''نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے، بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھر میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گندگی کو دور کرے اور اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔ بے

Marfat.com

شک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازدواجی تعلقات حسن معاشرت اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے جن میں درج ذیل خصوصیات بدرجہ اتم نظر آتی ہیں:

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیویوں کے پاس رہنے میں عدل فرماتے تھے؛ سفر کے لیے اپنی ساتھی بیوی کا انتخاب بذریعہ قرعہ فرماتے۔[۶۶]

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں وقت کو عدل و انصاف سے تقسیم فرماتے تھے۔ رحلت سے قبل ناسازیٔ طبع میں بھی پانچ روز تک باری باری ایک ایک اہلیہ کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ مرض میں اس وقت شدت پیدا ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں مقیم تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں قیام کی اجازت فرداً فرداً تمام ازواج مطہرات سے لی۔ اجازت ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں اٹھ آئے۔[۶۷] ایسا ان سے بے پناہ محبت کی بنا پر تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر شوہر ایک باری میں دوسری کے گھر رہنا چاہے تو باری والی سے اجازت حاصل کرے۔ بی بی کو بھی مناسب ہے کہ ایسے امور میں شوہر کی راحت کی رعایت کرے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی ازواج مطہرات کی دلداری فرماتے اور ان کو اپنے رازوں کا امین بناتے۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام بیویوں کو جائز حد تک خودداری کے اظہار کا خواہ حاصل تھا۔

۴۔ تمام بیویوں کے آپس میں تعلقات کی بنیاد محبت تھی۔ عام سوکنوں والی صورت حال نہیں تھی۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ بخاری کتاب النکاح

۲۔ قرآن حکیم ۳۰:۲۱

۳۔ بخاری کتاب الوحی

۴۔ بخاری کتاب الوحی، کتاب التفسیر

۵۔ بخاری کتاب بدء الخلق، کتاب المناقب

۶۔ یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا۔ یہاں مسلمان قریش کے مظالم سے تنگ آ کر پناہ گزین ہوئے۔

۷۔ صوقعہ ایک بڑی سی اوڑھنی ہوتی تھی جسے عرب عورتیں سر پر اوڑھتی تھیں۔

۸۔ بخاری کتاب المناقب تاریخ طبری، ص ۱۳۴۸

۹۔ بخاری کتاب الادب، کتاب المناقب، مسلم فضائل خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۰۔ مسند ابن حنبل ج ۶، مسند عائشہ، ص ۱۱۵۔۱۵۰

۱۱۔ بخاری کتاب المناقب، کتاب النکاح

۱۲۔ سیرت عائشہ، ص ۲۶، سید سلیمان ندوی

۱۳۔ بخاری کتاب بدء الخلق، کتاب المناقب

۱۴۔ بخاری کتاب المناقب

۱۵۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸

۱۶۔ مسند ابن حنبل ج ۶، ص ۶۴، سنن ابی داود باب مواکلۃ الحائض

۱۷۔ بخاری کتاب العیدین

۱۸۔ ایضاً، کتاب الجہاد والسیر

۱۹۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸

۲۰۔ ابوداود قیام الیل، مسند ابن حنبل، ج ۶، ص ۵۴

۲۱۔ قرآن حکیم ۶۸:۴

۲۲۔ خطبات مدراس، ص ۱۲۴، سید سلیمان ندوی

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۲۵

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۱۵

Marfat.com

۲۵۔ قرآن حکیم، ۲۴:۱۱۔۲۰
۲۶۔ خطبات مدراس، ص ۱۲۲، سید سلیمان ندوی
۲۷۔ بخاری کتاب المغازی
۲۸۔ ترمذی بحوالہ خطبات مدراس، ص ۱۲۳
۲۹۔ مسند ابن حنبل و ابن سعد و ادب المفرد، بخاری باب النساء
۳۰۔ بخاری کتاب الرقاق
۳۱۔ خطبات مدراس، ص ۱۲۳۔۱۲۴ سید سلیمان ندوی
۳۲۔ ترمذی، ص ۸۷۴ کتاب المناقب
۳۳۔ بخاری باب القرعہ بین النساء و کتاب النکاح
۳۴۔ بخاری کتاب الشروط
۳۵۔ ابن ہشام حصہ دوم ۳۳۵
۳۶۔ قرآن حکیم ۳۳:۴، ۳۳:۳۷
۳۷۔ بخاری کتاب التوحید، مسند ابن حنبل، ج ۶، ص ۲۳۳
۳۸۔ قرآن حکیم ۵:۶۷
۳۹۔ بخاری قصہ افک
۴۰۔ مسند ابن حنبل، ج ۶، ص ۹۵
۴۱۔ سیرۃ النبیؐ، ج ۲، ص ۲۴۸، علامہ شبلی نعمانی
۴۲۔ ایضاً، ص ۲۳۵
۴۳۔ ابوداؤد
۴۴۔ بخاری کتاب النفقات
۴۵۔ بخاری کتاب الشہادات
۴۶۔ سیرۃ النبیؐ، ج ۲، ص ۲۳۵، علامہ شبلی نعمانی
۴۷۔ بخاری و مسلم کتاب الادب
۴۸۔ بخاری کتاب الادب، نسائی باب ادخال الصبیان فی المساجد
۴۹۔ مسند ابن حنبل، ج ۶، ص ۱۰۱
۵۰۔ مسلم، ج ۲، ص ۲۹۱
۵۱۔ مسند ابن حنبل، ج ۶، ۵۵
۵۲۔ بخاری، باب حسن المعاشرہ

Marfat.com

۵۳ بخاری کتاب المناقب

۵۴ بخاری کتاب الہبہ

۵۵ بخاری۔ کتاب النکاح میں یہ روایت ازواج کے ناموں کے بغیر ہے جب کہ نسائی میں کسی قدر اختلاف سے یہ روایت درج ہے۔ بحوالہ سیرۃ النبیؐ، ج ۲، ص ۲۵۶، علامہ شبلی نعمانی

۵۶ ابوداؤد کتاب الادب، باب ماجاء فی المزاح

۵۷ ایضاً

۵۸ بخاری باب ما نجوز من الہجران

۵۹ سنن ابی داؤد باب السبق

۶۰ بخاری کتاب الطلاق

۶۱ قرآن حکیم ۶۶:۱

۶۲ ایلاء کے معنی ہیں کچھ مدت تک بغیر طلاق کے علیحدگی۔ حجرہ سے متصل ایک بالا خانہ تھا جس کو مشربہ کہتے تھے ۹ھ میں ایلاء کے ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بالا خانہ پر ایک ماہ قیام فرمایا تھا۔
(ابوداؤد، وصلاۃ اللعام قاعدا)

۶۳ بخاری، کتاب النکاح، باب الفرقہ

۶۴ بخاری کتاب التفسیر

۶۵ قرآن حکیم ۳۳:۳۲۔۳۴

۶۶ بخاری کتاب الجہاد والسیر

۶۷ بخاری کتاب المغازی

Marfat.com

انقلاب نبویؐ

انقلاب قدیم معاشرے کی ناکامی کے باعث رونما ہوتے ہیں۔ دنیا میں اس وقت تک ان گنت انقلاب رونما ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بیشتر انقلابات جزوی نوعیت کے حامل تھے۔ فی الواقعہ یہ قبیح انقلاب تھے کیونکہ ان سے معاشرہ حسن زندگی سے محروم ہو گیا۔ ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس کے جیکو نیز معاشرتی تبدیلی کے داعی تھے۔ انہوں نے سیاست وحکومت میں تبدیلی برپا کی۔ انہوں نے آزادی، اخوت اور مساوات کے خوش نما نعرے لگائے۔ انقلاب کے نتیجہ میں یہ مقاصد حاصل نہ ہو سکے البتہ کشت وخون کا بازار گرم ہو گیا۔ پہلے انقلابیوں کی طرف سے اور بعد میں خونی انقلابیوں کو گلوٹین سے قتل کر دیا گیا۔ بے شمار لوگوں کو اشتہاری قرار دیا گیا۔ ان کے لیے انقلابی عدالتیں قائم کی گئیں جن کا مقصد ان کے قضیہ کی سماعت اور سزا دینا تھا۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں روس میں لینن کی سرکردگی میں بالشویکیوں نے انقلاب کی سیج سجائی۔ اس سے روسی معاشرے میں زبردست متشدد انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ نظام معیشت میں بھی تبدیلی آئی لیکن یہ بھی ایک قبیح انقلاب تھا۔ اس نے معاشرتی سطح پر کئی ایک برائیوں کا استقبال کیا لیکن ہیئت اجتماعیہ کا تزکیہ نہ کر سکا کیونکہ اس میں توحید کا فقدان تھا۔ بالآخر دسمبر ۱۹۹۱ء میں حیات وطمانیت سے محروم ہونے کی بنا پر یو ایس ایس آر کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایک حکمران طاقت کا کیوں خواہاں ہوتا ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ متشدد طریقے سے کامیابی سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے۔ جنوری ۱۹۳۳ء میں جرمنی میں ہٹلر طوفانی سرعت کے ساتھ آیا اور اس کے افق پر چھا گیا لیکن ۱۹۴۵ء کے بعد جرمن مورخین نے اسے محض Machter- greifung یعنی Seizure of power کا نام دیا۔ کیونکہ اصل میں یہ انقلاب نہیں بلکہ فاشیت تھی۔ ۱۹۴۹ء میں ماؤزے تنگ کی قیادت میں چین میں اشتراکی انقلاب آیا لیکن حقیقت میں کوئی دیرپا تبدیلیاں رونما نہ ہو سکیں۔ ان تمام قائدین میں سے کون ایسا ہے جس کی زندگی انسانیت کی فلاح وسعادت، امن وعافیت اور محبت واخوت کا قابل تقلید نمونہ بن سکی ہو؟

Marfat.com

انقلاب کی دو اقسام ہوتی ہیں یعنی موضوعی اور معروضی۔ اول الذکر نفسیاتی انقلاب ہوتا ہے اور یہ فرد میں حسی، مسی، قلبی اور نفسی طور پر مثبت تبدیلیاں لانے کا موجب بنتا ہے۔ اس سے مظلوم انسانوں کی آرزوئیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ہم اسے حسین انقلاب بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے علی الرغم معروضی انقلاب سے مراد معاشرتی طور پر نمایاں و موثر تغیر و تبدل ہے۔ اس سے برائیوں کا قلع قمع ہوتا ہے اور عدل و احسان اور محبت و اخوت کے انوار چھا جاتے ہیں۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے تلمیحات قرآن کی رو سے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''ہیئت اجتماعیہ کے مثبت و تخلیقی اور حسین و رحمت بداماں تبدل کلی کی خاطر اس کا اس حکیمانہ انداز میں تزکیہ کرنا کہ وہ فرعونی و ہامانی اور آزری و قارونی سرطانوں سے پاک و صاف اور اس کی نشاۃ الثانیہ اور ارتقائے کل کا آغاز ہو جائے، نیز اس کے فکر و عمل کی جہت صالحہ ہو جائے۔''

اسلام سے قبل معاشرہ رہبانیت اور مطلق العنانیت میں بٹا ہوا تھا جس کی وجہ سے دنیا جہالت تو ہم پرستی، جمود اور لاچارگی میں کھو گئی تھی۔ باہمی کشت و خون، تشتت و افتراق اور دوسرے گوناگوں رذائل نے اہل عرب کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔ ایسے بھیانک اور تاریک دور میں آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقبیس کی پہاڑی سے طلوع ہوا اور اس کی نورانی کرنوں نے دیکھتے ہی دیکھتے سارے عرب کو بقعہ نور بنا دیا۔ اسلام امن، نظم، مساوات، انصاف، عدل، اخوت، باہمی مدد اور اعتماد کی تعلیمات سے مزین تھا۔ دنیا کی کایا پلٹنے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور نظام نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلام ایک زبردست انقلاب لایا جو یکسر قرآن تھا اور جس کے پیچھے محرک قوت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی سیرت طیبہ تھی۔ آپ کی پرہیزگاری، پاکیزگی قلب، عصمت و عفت، انکساری، راستبازی، تحمل، حوصلہ، صبر، اعتماد، ایمان، قناعت، جدوجہد اور خشیت الٰہی اس کے نمایاں پہلو تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داعی پیغام یعنی اسلام ایک انقلاب ہے۔ یہ ہر قسم کے خداؤں چاہے وہ دولت ہو یا طاقت کو ختم کرتا ہے۔ اسلام ایک بند نظام نہیں ہے بلکہ یہ ہر دور کے انسان کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے اس کی عالمگیریت میں ہی ان مسائل کا حل موجود ہے۔

دنیا کے اندر تبدیلی پیدا کرنا آسان کام نہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انفرادی

Marfat.com

اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں ایک حیات بخش انقلاب برپا کیا۔ یہ ہمہ گیر وکلی تھا۔ انقلاب بھی کیسا:؟ جس کا مرکز ومحور دل بنے۔ فکر ونظر کی آبیاری سے ان کی زندگی کا پورا عمل و آہنگ تبدیل ہو گیا۔ یہ تربیت باطنی اور ظاہر کا قرینہ تھا۔ قبیلہ اسلم کے ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زنا جیسا قبیح فعل سرزد ہو جاتا ہے۔ جان کس کو پیاری نہیں ہوتی لیکن آخرت کا تصور اور رب کے حضور جوابدہی کا خوف تھا جو کشاں کشاں انہیں مقتل میں لے آیا۔ وہ اسے چھپا سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ان کے اقرار پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ الغرض انہوں نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے واسطے سنگساری کا حکم دیا۔[۲] بعض صحابہ کرامؓ انہیں سزا پانے کے باوجود بھی برا کہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا:

''ماعز کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگو کہ اس نے وہ توبہ کی کہ اگر وہ کسی پوری قوم میں بانٹی جائے تو اس میں سب کی گنجائش ہو سکتی ہے۔''[۳]

اسی طرح قبیلہ غامد کی ایک حاملہ خاتون غامدیہؓ نے حضور کی خدمت میں آ کر خود اپنے جرم کا اقرار کیا اور سزا کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے وضع حمل کے بعد آنے کو کہا۔ وہ اس کے بعد آئی تو فرمایا کہ بچہ کی پرورش کر لو۔ مدت مقررہ گذرنے کے بعد وہ آئی کیونکہ اسی کا احساس گناہ ابھی بھی محو نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ وہ سنگسار کر دی گئی۔ خون کے کچھ چھینٹے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ پر پڑے تو انہوں نے اس عورت کو برا بھلا کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا۔ تو فرمایا: ''خالد چپ رہو۔'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے وہ توبہ کی ہے کہ اگر شاہی محصول لینے والا بھی وہ توبہ کرتا تو بخشا جاتا۔''[۴]

جب ہجرت کے بعد اسلامی جمعیت نے ایک امت کی شکل اختیار کی تو ہر طرح کی طبقاتی تقسیم ختم ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحدت انسانی کا مہتم بالشان تصور پیش کیا جس نے وطنیت، قومیت، عصبیت اور لسانیت وغیرہ کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ بقول علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ یہ ایک ایسا عظیم الشان انقلاب تھا جس نے تمام خود ساختہ قوانین، سیاسی تکلفات، بدعات اور نظام سے لبریز نظامہائے سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ

Marfat.com

دیا۔ اس انقلاب نے نہ صرف کسریٰ و قیصر کی شخصیتوں کا خاتمہ کر دیا بلکہ خود کسرویت اور قیصریت کو صفحۂ ہستی سے فنا کر دیا۔ یہی پیشین گوئی ان الفاظ میں ظاہر ہوئی:

اِذَا ھَلَکَ کِسریٰ فَلاَ کِسریٰ بَعْدَہٗ وَاِذَا ھَلَکَ قَیْصَرُ فَلاَ قَیْصَرَ بَعْدَہٗ.

''جب کسریٰ ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں اور جب قیصر ہلاک ہو گیا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔''[۵]

انسانی زندگی میں کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں اسلام کی وجہ سے حیرت انگیز تبدیلی رونما نہ ہوئی ہو۔ استعارۃً ہی نہیں بلکہ فی الواقعہ شتربان جہاں بانی کے مقام پر فائز ہو گئے۔ رہزن رہنما بن گئے جب کہ ڈاکو محافظ اور بردہ فروش یتیم پرور ہو گئے۔ اندھیروں سے اجالے طلوع ہوئے۔ عصیان وطغیان کے افق سے امن وامان اور صلح و آشتی کی سحر خندہ ہوئی۔ ایسا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفاقی ارشاد پر عمل کر کے ہی ممکن ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

المسلم من مسلم المسلمون من لسانه ديده.

''یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے (دوسرے) مسلمان محفوظ رہیں۔''

اس طرح ایک جاہل اور اجڈ قوم جو تہذیب کے لفظ سے نا آشنا تھی وہ دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئی۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

''وہ لوگ جو سیاسی، معاشی اور عمرانی تاریکیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گھرے ہوئے تھے اور کارہائے سیاہ میں تفاخر محسوس کرتے تھے وہ معلم اخلاق بن گئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اندر فکری تبدیلی پیدا کی۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت یا کوئی لالچ ان غلامان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکی اور نہ انہیں اپنے مقصد سے ہٹا سکی۔ نو مسلموں میں کمال درجہ کی استقامت پیدا ہوئی۔ خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

بن ارت کو مشرف بہ اسلام ہونے پر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں۔ ایک روز دہکتے کوئلوں پر ان کو لٹا دیا گیا اور ایک شخص ان کے سینے پر پاؤں رکھے رہا۔ تاکہ وہ کروٹ نہ لے سکیں۔ یہاں تک کہ کوئلے ان کی پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔[۷] لیکن خباب رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ کی استقامت میں کوئی فرق پیدا نہ ہوا۔ اسی طرح بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی جلتی ریت پر لٹانے کے بعد ان کے سینے پر بھاری چٹان رکھ دی جاتی۔ گلے میں رسی باندھ کر گھسیٹا جاتا لیکن ان کی زبان سے احد احد کے الفاظ ہی نکلتے۔ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی دی جانے لگی تو انہوں نے دوگانہ نفل ادا کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

اسلام معاشرے کی تربیت خشیت الٰہی و تصورِ آخرت کی بنیاد پر کرتا ہے کیونکہ اگر انسان پر بظاہر بہت سی پابندی عائد کر دی جائیں اور اس کے باطن کو نہ بھلایا جائے تو عقل حیلہ ساز بہت سی راہیں نکال لیتی ہے۔ اسلام درحقیقت اپنے معاشرے کو اندر سے بدلتا ہے تاکہ قانون شکنی کا موقع ہی نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سب سے زیادہ زور خشیت الٰہی اور تصور آخرت پر دیتا ہے۔

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ؕ [۸]

”پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔“

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ فرد کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر سے ماسوئی پانی کے کچھ دستیاب نہ ہوا تو اسے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر لے گئے لیکن وہاں بھی محض بچوں کے لیے کھانا تھا۔ انہوں نے اپنی بیوی ام سلیم سے کہا کہ چراغ بجھا دو اور وہی کھانا مہمان کے سامنے رکھ دو۔ تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے۔ میاں بیوی بھوکے رہے اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے گویا کھا رہے ہوں۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا۔“[۹]

اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:[۱۰]

وَیُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ وَلَوۡ کَانَ بِہِمۡ خَصَاصَۃٌ ؕ

Marfat.com

''اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔''

یہ اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایک شب ایک ماں نے اپنی بچی کو دودھ میں پانی ملانے کو کہا: تو اس نے ماں کو یاد دلایا کہ ''عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔''

ماں نے کہا: ''عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھ تو نہیں رہا۔''

تو بچی نے کیا خوب جواب دیا: ''عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں دیکھ رہا لیکن اس کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔''

اسلام کا مقصد اذہان و نظریات کی تطہیر تھا اور اس تطہیر کا دائرہ کسی خاص خطہ زمین تک محدود نہ تھا بلکہ یہ آفاقی تھا اور روئے زمین کے تمام لوگوں پر محیط تھا۔ اس کے مقاصد جلیلہ میں معاشرے کو ظلم و استحصال سے نجات دلانا اور دامن زندگی کو خیر و سعادت سے معمور کرنا شامل تھے۔ معاشرتی سرطان زندگی میں لذت اور حسن پیدا ہی نہیں ہونے دیتے، یہ انسانیت کے دشمن ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا کلی استیصال کرنا جہاد اکبر ہے تاکہ ان کی نشاۃ ثانیہ کا کوئی بھی احتمال باقی نہ رہے۔ وہ لوگ جو عبادت ربانی سے بیگانہ تھے اور اس کی لذت سے نا آشنا تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے دفعتاً کیا سے کیا ہو گئے۔ اب یاد الٰہی ہی ان کا مقصود حیات بن گئی۔ وہ سربسجود ہو کر اٹھنا ہی نہ چاہتے تھے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیام اور سجدہ میں اتنی دیر لگاتے تھے کہ گمان ہوتا تھا کہ وہ کچھ بھول گئے ہیں۔ [11] ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک خوشنما چڑیا کے چہچہانے پر اس کی طرف دیکھنے لگے، جب خیال آیا تو رکعت یاد نہ رہی۔ باغ کو فتنہ خیال کرتے ہوئے اسے اللہ کی راہ میں نذر کر دیا۔ [12] ان کے پیش نظر ضرور قرآن حکیم کی یہ آیت ہوگی۔ [13]

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔

''اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں۔''

خشیت الٰہی کا ہی یہ اثر تھا کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لڑائی کے دوران میں ایک پہاڑی پر پہرہ دینے پر متعین تھے۔ رات کا وقت تھا وہ اپنی نیند کو ٹالنے کے لیے یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ دشمن کی طرف سے ایک ایک کر کے تین تیر آئے اور ان کے جسم میں پیوست

Marfat.com

ہوتے گئے لیکن انہوں نے نماز نہ توڑی۔ جب ان کا دوسرا ساتھی نیند سے بیدار ہوا تو ان کے استفسار پر کہ ان کو کیوں نہیں جگایا تو انہوں نے جواب دیا کہ جو سورۃ میں نے شروع کر رکھی تھی اسے وہ نامکمل نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ [۱۴]

اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو خلفاء (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مثالیں ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فیروز لوء لو نے مسجد نبوی میں نماز فجر کے دوران خنجر سے حملہ کیا، وہ شدید زخمی ہو کر گر پڑے لیکن مقتدی ہر چیز سے بے نیاز اللہ تعالیٰ کے حضور ایستادہ رہے۔ امامت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امیر المومنینؓ کی طرف توجہ دی گئی۔ [۱۵]

اسی طرح کا واقعہ علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت رونما ہوا۔ ان پر کوفہ میں نماز فجر کے دوران میں ابن ملجم نے تلوار سے حملہ کیا۔ وہ گھائل ہو کر گر پڑے لیکن مسلمانوں نے نماز جاری رکھی۔ کربلا کے میدان میں خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افراد نماز ظہر ادا کرنے کے لیے دشمن سے مہلت مانگی۔ [۱۶]

دنیوی انقلابات لاکھوں انسانوں کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں اور مال و اسباب کی بربادی تو قرین قیاس بھی نہیں۔ اسی طرح لاکھوں عصمتوں کو انقلاب کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انقلاب محافظ انسانیت تھا جس نے اس کو اس کی معراج تک پہنچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی مادی انقلاب کے برعکس خون کی ہولی نہیں کھلی۔ اس میں محض چند سو نفوس یا تو شہید ہوئے یا واصل جہنم ہوئے۔ مزید براں اس انقلاب میں کوئی واقعہ بھی ایسا رونما نہیں ہوا کہ کسی کے ناموس پر دست درازی ہوئی ہو۔ اس کے برعکس دیگر دنیاوی انقلابات میں تاریخ شرمندگی اور ندامت کے ایسے ان گنت واقعات سے عبارت ہے۔ آپ کی بعثت لقصہ اعلاء کلمۃ اللہ، اقامت دین، اظہار دین حق اور علی الدین کلہ پر مشتمل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھرپور ۲۳ برسوں کی جدوجہد مسلسل سے نظام عدل، انسانی حریت، اخوت و مساوات، علوم وفنون، بین الاقوامی تعلقات، تہذیب وتمدن، سیاست و حکومت، قانون، معاشرت اور معیشت میں احسن واکمل تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اتنے قلیل عرصہ میں نقید المثال انقلاب کو بیدا کرنا تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

نے اہل عرب کے اندر صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسباب نزاع و اختلاف کو ایک ایک کر کے رفع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ان کی عداوتوں کے شعلے بجھا دیئے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے: [۱۷]

وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ

''اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے۔''

جو لوگ مودت و محبت کے جذبہ سے عاری اور شقاوت و عداوت کے عادی تھے اور قتال و جدال کو اپنا قومی افتخار سمجھتے تھے ان کو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ملا جس پر عمل پیرا ہو کر وہ باہم شیر و شکر ہو گئے۔ نصرتِ الٰہی کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر ارشاد دلوں پر نقش ہوتا چلا گیا۔ اس طرح صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی جمعیت تیار ہوگئی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا تھی۔ اپنی تعلیمات کو پیش کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قومی، نسلی یا جغرافیائی تعصبات کی انگیخت سے کوئی کام نہیں لیا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار طریقوں کو بروئے کار لائے:

تلاوت آیات، تزکیہ نفس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت۔ اس طرح ان میں شعور کی پختگی آئی۔ اسلام میں دیتان اور پرامن بقائے باہم کوئی گنجائش نہیں کیونکہ دین ہر صورت میں غالب ہوتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں مکمل بندگی کا تصور پایا جاتا ہے۔ تاکہ بندگانِ خدا اسلامی تعلیمات سے متصف ہو کر دنیا میں اس کے نظام کا بول بالا کریں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: [۱۸]

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ.

''اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خون کے رشتے سے بڑھ کر ایک اور رشتہ کی نشاندہی فرمائی۔ یہ رشتہ دین کا رشتہ تھا جس نے مدت کے بچھڑوں کو ملا دیا اور دشمنوں کو بھائی بھائی بنا

Marfat.com

دیا۔ خاندانی وقبائلی یگانگت سے بڑھ کر دین کی یگانگت کی لو ان کے اندر لگائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ جمعیت کا دستور قرآن حکیم، مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ، اس کی ثقافت، ثقافت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی۔ اس جمعیت کو امت کا نام دیا گیا جس میں دنیوی کروفر کی بجائے خلافت الٰہی کا جلال اور ظاہری شان وشوکت کی جگہ خدمت اور محبت کا جمال تھا۔ لیکن اس سادگی وفقر کے باوجود اس میں دبدبہ تھا کہ قیصر وکسریٰ اس سے لرزہ براندام تھے۔ اس کے افراد صالح ومتقی، صابر ومتوکل اور حق گو وحق شناس تھے۔ وہ حسب ونسب، ثروت اور نسلی امتیاز سے واقف نہ تھے۔ بلکہ گورے اور کالے، غنی اور فقیر، شریف اور عامی سب برابر ٹھہرے اور حاکمیت ہوئی تو قانون کی۔

قرآن کریم میں ارشادات ربانی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ.[۱۹]

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو۔"

۲۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط[۲۰]

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

قرآن حکیم یا اسلامی معاشرے میں چار نظام حیات قائم ہونے کے ساتھ ساتھ فعال بھی ہوتے ہیں:

(۱) نظام صلوٰۃ (۲) نظام زکوٰۃ

(۳) نظام امر بالمعروف (۴) نظام انہی عن المنکر

جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:[۲۱]

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

Marfat.com

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔''

امر بالمعروف نیکی سے انتہائی شیفتگی اور والہانہ عشق کا نام ہے اور بدی سے انتہائی بغض و عناد رکھنا نہی عن المنکر ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دوسروں ہی کی خدمت نہیں بلکہ اپنی خدمت بھی ہے اور درحقیقت مجموعی بہتری میں اپنی بہتری چاہنے کی دانش مندانہ حکمت عملی کا دوسرا نام ہے۔[۲۲]

اسلامی معاشرے میں ذرائع پیدائش کا مالک اللہ تعالیٰ کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ انسان محض ایک امین ہے اسلامی معاشرے کی بنیادیں تقویٰ، عدل و احسان، احترام آدمیت، اخوت و محبت اور حریت و مساوات پر اٹھائی گئی ہیں۔ اس میں افراد کی نظری و عملی زندگی کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے:[۲۳]

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِی خُسْرٍo لا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوا بِالْحَقِّo وَتَوَاصَوا بِالصَّبْرِ۔

''زمانے کی قسم! انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔''

اسلامی معاشرے میں افراد مومن و صالح اور صاحب کردار و مصلح ہوتے ہیں۔ مقتدر اعلیٰ چونکہ اللہ تعالیٰ ہے اس لیے زندگی آئین قرآنی اور اسوہ حسنہ کے مطابق بسر کی جاتی ہے۔ اسلامی ریاست میں مسلمان محض تفویض کردہ اختیارات استعمال کرتے ہیں۔ جب مسلمانوں نے آئین قرآنی اور اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی بسر کی تو معاشرتی برائیوں کے ماحول کے پروردہ افراد ایک پاکیزہ قرآنی معاشرے کے ستون ٹھہرے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صدیق ہو گئے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فاروق اعظم کے لقب سے نوازے گئے۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، غنی کے نام سے منسوب ہوئے اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مرتضیٰ اور اسد اللہ کہلائے۔ جب کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوعبیداللہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امین الامت،

Marfat.com

سعد بن عبادرضی اللہ تعالیٰ عنہ، رئیس الانصار، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قاضی القضاۃ، حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سید الشہدا اور خالدؓ بن ولید، سیف اللہ کے اعزازات سے مشرف ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو بھی آیا وہ تہی دامن نہ رہا۔ بقول شاعر؂

صبحیں بدل گئیں، شامیں بدل گئیں
اقدار بدل گئیں، عزائم بدل گئے
فکر بدل گیا، عقائد بدل گئے

لیکن ان کی کایا پلٹنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنا نمونہ کامل پیش کیا۔ قبا میں قیام کے دوران میں جب مسجد کی تعمیر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ ایسے ہی مناظر مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی دیکھنے میں آئے۔ غزوہ احزاب میں خندق کی کھدائی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مثالی محنت کش کا منظر پیش کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سربراہ ریاست ہونے کے باوجود نہ صرف اپنے گھر بار کا بلکہ دوسروں کا کام کاج بھی کر دیا کرتے تھے۔ محنت سے محبت کرتے تھے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے اور گھر والوں کی خدمت کرتے تھے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو نماز کو چلے جاتے۔[۲۴] عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی ایک اور روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جوتیاں خود مرمت کر لیا کرتے تھے، اپنے کپڑے خود سی لیتے اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کرتے تھے جس طرح تم اپنے گھروں میں کرتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بکری کا دودھ خود دوہ لیتے اور اپنا کام خود کر لیا کرتے تھے۔[۲۵]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''نظافت نصف ایمان ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انہی اوصاف کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں کامیاب و کامران رہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ حسن انقلاب، ص ۳۹
۲۔ ابن ماجہ باب ذکر التوبہ، ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۴۵، بخاری کتاب الحدود
۳۔ مسلم کتاب الحدود
۴۔ ایضاً
۵۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۷، ص ۴۲
۶۔ بخاری
۷۔ ابن سعد، ج ۳، تذکرہ خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۶، ص ۲۷۹، شبلی نعمانی
۸۔ قرآن حکیم ۹۹: ۷۔۸
۹۔ بخاری کتاب المناقب وکتاب التفسیر، باب حسن الخلق وباب من اسعد الکفن
۱۰۔ قرآن حکیم ۵۹: ۹
۱۱۔ بخاری باب المکث بین السجدتین
۱۲۔ بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۵، ص ۱۰۱ شبلی نعمانی
۱۳۔ قرآن حکیم ۸: ۲۸
۱۴۔ ابوداؤد کتاب الطہارت، باب الوضوء من الدم
۱۵۔ بخاری واقعہ شہادت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۔ تاریخ طبری کبیر، ج ۷، ص ۳۴۷، واقعات ۶۱ ھ بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۵، ص ۱۰۹ شبلی نعمانی
۱۷۔ قرآن حکیم ۸: ۶۳
۱۸۔ قرآن حکیم (۹: ۳۳)، (۴۸: ۲۸)، (۶۱: ۹)
۱۹۔ قرآن حکیم ۴۹: ۱۰
۲۰۔ قرآن حکیم ۴۹: ۱۳
۲۱۔ قرآن حکیم ۲۲: ۴۱

Marfat.com

۲۲۔ الجہاد فی الاسلام، ص ۹۶، سید ابوالاعلیٰ مودودی
۲۳۔ قرآن حکیم ۳:۱۰۳،۱
۲۴۔ بخاری باب اخلاقہ وشمائلہ
۲۵۔ ترمذی، باب فی اخلاقہ وشمائلہ

Marfat.com

Marfat.com

اسلام میں انسانی رشتے

فرد مدنی الطبع ہے اور وہ اپنے کمال کو معاشرتی زندگی کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ بہترین معاشرتی زندگی وہی ہے جس میں افراد ایک دوسرے کے لیے معین و مددگار ہوں۔ قرآن حکیم نے انسانی رشتوں کے حوالے سے باقاعدہ ایک فہرست تیار کر دی ہے جس میں والدین سرفہرست ہیں:[1]

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ

”اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو۔“

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیر النّاس اِنفعهم للنّاس.

”لوگوں میں بہترین فرد وہ ہے جو لوگوں کے حق میں سب سے زیادہ نفع رساں ہے۔“

یہ نفع رسانی گھر سے شروع ہوتی ہے جو بچے کا اولین مدرسہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

رضا الرَّب فی رضا الوالدین وسَخطهٗ فی سَخَطِهِما

”اللہ کی خوشنودی والدین کی خوشنودی میں اور اللہ کی خوشنودی والدین کی

Marfat.com

خوشنودی میں مضمر ہے۔''

ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا[2] سے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادیں وابستہ تھیں۔ ان کا احترام حقیقی ماں جیسا ہی کیا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو امی بعد امی کہا کرتے تھے۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھ کر چادر بچھا دی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی آئے تو ان کے لیے بھی محبت سے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔ (ابوداؤد کتاب الادب برالوالدین)

اسلام میں انسانی رشتوں کی اساس اخلاق اور محبت ہے۔ ان دونوں کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے والدین کے حقوق میں یہ شامل ہے کہ ان کو ایذا نہ پہنچائے۔ اگر ان کو کوئی حاجت ہو تو مال سے ان کی خدمت کرے اگرچہ وہ کافر ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں:

''جو شخص رزق میں کشادگی اور عمر میں زیادتی کا خواہش مند ہو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''

''ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت و رحمت کرتا رہے۔ ان کے ذمہ جو قرض ہو اس کو ادا کرے۔ گاہ گاہ ان کی قبر کی زیارت کرے۔''

کسی کے استفسار پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر بار ماں کے ساتھ ہی احسان کرنے کا حکم دیا۔

چوتھی دفعہ پوچھنے پر فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ، پھر جو قریبی رشتہ دار ہوں وہ مقدم ہیں۔''[4]

ایک دفعہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد میں شرکت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ چاہا۔ فرمایا: ''کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟''

انہوں نے جواب اثبات میں دیا:

فرمایا: ''تم اس کے ساتھ چمٹے رہو کہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔''[5]

والدین کی رضامندی گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کی نہایت عمدہ تاکید کی گئی ہے:

Marfat.com

۱۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًاط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًاo وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًاo[۶]

''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، انہیں جھڑک کر جواب نہ دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرمائے جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

۲۔ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.[۷]

''اور والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔''

چنانچہ اولاد کا فرض ہے کہ:

۱۔ وہ ان کے ساتھ یکساں حسن سلوک کرے۔

۲۔ دونوں کا یکساں ادب و احترام کرے۔

۳۔ گفتگو میں نرمی اختیار کرے۔

۴۔ معاملات میں دونوں کے سامنے عاجزی اختیار کرے۔

۵۔ معروف میں ان کی اطاعت کرے۔

۶۔ دونوں کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی والدہ کی بدمزاجی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سمجھانے کے انداز میں فرمایا:

''جب نو ماہ تک تیری والدہ تجھے پیٹ میں لیے پھرتی رہی، تو بدمزاج نہ تھی اور جب تیرے لیے شب بیدار رہی تو بدمزاج نہ تھی۔ جب تجھے دو سال تک اپنے شیر سے نوازتی رہی تو بدمزاج نہ تھی۔''

اس شخص نے جواب دیا:

''میں اپنی والدہ کو اس کا بدلہ دے چکا ہوں۔''

Marfat.com

آپ نے پوچھا:

''کیا دیا تو نے اسے؟''

اس نے جواب دیا:

''میں نے اپنے کاندھوں پر بٹھا کے والدہ کو حج کرایا ہے۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تو والدہ کو اپنی پیدائش کے وقت دردزہ کا بدلہ دے سکتا ہے؟''

اسلام مرد کو ایک سے زائد نکاح کی اجازت عائلی عدل کے ساتھ مشروط کر کے مرحمت کرتا ہے[8] جو قائم کرنا اور قائم بالقسط رہنا ایک مشکل کام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ نساء کی تیسری آیت کریمہ سے بات مترشح ہوتی ہے کہ اسلام کثرت ازدواج کے حق میں نہیں بلکہ اس چیز کا خواہاں ہے کہ مرد ایک زدجگی نظام ہی اختیار کرے۔ لیکن اگر اسے کسی دوسرے نکاح کی مجبوری ہے تو اسے ہر حال میں اپنی بیویوں کے مابین عدل قائم کرنا ہوگا۔ اسلام نے مرد پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ نکاح کے وقت عورت کو حق مہر ادا کرے۔ اس طرح عورت کی قدر و منزلت اور معاشرتی حیثیت کو رفعت عطا کی گئی ہے۔ اس کی مثال تاریخ عالم کے کسی دوسرے معاشرے میں نہیں ملتی۔ عورت کو عیاشی کا ذریعہ سمجھنے کی بجائے اسے گاڑی کے دو پہیوں میں سے ایک قرار دیا ہے جس کے بغیر عائلی زندگی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اسلام نے عورت کو زندہ رہنے کا حق عطا کیا ہے جب کہ روایتی فلسفہ کے مطابق شوہر اپنی بیوی کو قتل کرسکتا تھا۔ ہندوستانی عورت کو اس کے خاوند کے مرنے کے ساتھ ہی ستی کر دیا جاتا تھا۔ عربوں کے ہاں ظہور اسلام سے قبل دختر کشی کا رواج تھا۔ اسلام آیا تو اس نے کہا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ.[9]

''قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔''

اسلام نے بیوی کے خاوند کے ذمہ جو حقوق قرار دیئے ان میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں:

تعلق زوجیت بذریعہ نکاح، حق مہر کا تقرر و ادائیگی، حسن سلوک، نان و نفقہ کی فراہمی، کثرت ازدواج کی صورت میں عدل اور باعصمت عورتوں کی حفاظت و عزت۔ اگر ضرورت

Marfat.com

تادیب کی ہو تو توسط کا لحاظ رکھے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عابد و زاہد ہونے کے باوجود اپنی بیوی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی۔ تو ان کو بلوا کر فرمایا:[۱۰]

وَلِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا.

''اور تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔''

درست رویہ، اطاعت زوجیت، حفظ غضب، گھر کی دیکھ بھال، اس کے اقارب بالخصوص والدین سے نرمی سے پیش آنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:[۱۱]

''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا جو شکر کی ناشکر گزار ہو گی۔ عورت کسی وقت بھی شوہر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔''

اسلام نے عورتوں کو قانوناً مردوں کے دوش بدوش کھڑا کیا ہے البتہ اخلاقاً رتبہ میں مردوں کو تھوڑی سی اعزازی برتری عطا کی گئی۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ.[۱۲]

''عورتوں کے لیے ہی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

اس میں حکمت یہ ہے کہ خانگی تنازعات کا فیصلہ مرد کو فضیلت دے کر ہی ممکن ہے تاکہ وہ اپنے گھر کا نظام اچھی طرح چلا سکے۔ یہ برتری اس لیے بھی بلا وجہ نہیں کیونکہ فرمایا گیا:[۱۳]

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ.ط

''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

عورتوں میں فطری طور پر ضد بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد کو سختی سے منع فرمایا کہ ''عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی جس سے اس کے اس ٹیڑھا پن کے ساتھ تم کام لے سکو تو لے سکتے ہو۔ اگر اس کو سیدھی کرنے کی فکر

Marfat.com

کرو تو تم اس کو توڑ ڈالو گے۔''[۱۵]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نسبت سے ایک اور عمدہ نسخہ تجویز فرمایا: ''اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھ کر اس سے نفرت نہ کرو، غور کرو گے تو اس میں کوئی دوسری اچھی بات نکل آئے گی۔''[۱۶]

اس سلسلہ میں قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:[۱۷]

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ○

''ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔''

اگر مرد عورت کے نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کی کفالت نہیں کرتا تو عورت قانون کا سہارا لے سکتی ہے۔ اور اگر اس پر بھی مرد نہ دے تو بیوی کو اس سے علیحدگی کے دعویٰ کا اختیار حاصل ہے۔ حتیٰ کہ وہ خاص حالات میں مرد سے اس کے بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ بھی لے سکتی ہے۔

والدین پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ خوف وافلاس کے ڈر سے بچے کو قتل نہ کریں:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۗ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ○[۱۸]

''اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کی احسن طریق سے تربیت کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ شفقت ومہربانی سے پیش آئیں اور ان کی بہتری کے لیے دعا کریں۔ ان کی شادی کرائیں اور وراثت میں ان کا حق دیں۔ اولاد کے ساتھ محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ اس کی خاطر انسان بڑی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ اقرع بن حابش تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بوسہ لیتے دیکھا تو کہا:

''میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے کسی کا کبھی بوسہ نہیں لیا۔''

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سچی بات تو یہ ہے کہ جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔''

لیکن اولاد کو بے جا پیار سے بگاڑنا نہیں چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''کسی باپ نے اپنے بیٹے کو حسن ادب سے اچھا عطیہ نہیں دیا۔''

لڑکیوں کی اچھی تربیت آئندہ نسلوں کی اچھی تربیت کے مترادف ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی (یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملاتے ہوئے اشارہ فرمایا) میں اور وہ جنت میں اس طرح داخل ہوں گے۔''[۲۰]

اسلام نے انسانی جان کی حرمت کو بے پناہ اہمیت دی ہے۔ اس حق کے بغیر باقی حقوق بے معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جسے پیدا کیا اسے زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اہل روما کے ہاں باپ کو اپنی اولاد کے قتل کا پورا حق حاصل تھا اور اس کے یہ غیر محدود اختیارات ان کے لیے تفاخر کا باعث تھے۔ عرب دختر کشی کیا کرتے تھے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادات وافعال کی رو سے وہ جنس جسے قابل ذلت خیال کیا جاتا تھا، آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئی۔

گھر کے بعد ہمسائے کا درجہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یدخل الجنة من لایامن جاره بوائقه.

''وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ مامون نہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:[۲۱]

مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انه یورثه.

''مجھے ہمسائے کے بارے میں جبرئیل نے اتنی تلقین کی کہ میں سمجھنے لگا کہ شاید وہ ہمسائے کو وارثوں میں شامل کر دے گا۔''

Marfat.com

اسی طرح خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمسایوں کے بارے میں حسن سلوک کی اتنی زیادہ تلقین فرماتے کہ بعض دفعہ صحابہ کرامؓ کو یہ خیال گذرتا کہ ان کو جائیداد میں حصہ دار نہ بنادیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی قابل ذکر ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔[۲۲]

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے مگر اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔''[۲۳]

ہمسایہ اپنے کھانے پینے کی اشیاء میں دوسرے کی شرکت کرے۔ اگر دینے کی استطاعت نہ ہو اور اچھی چیز بچوں کو کھلائے تو انہیں وہ چیز لے کر باہر نکلنے سے روکے تاکہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

اسلام نے قرابتداری کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، جیسے فرمایا:

۱۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَ ذِى الْقُرْبٰى.[۲۴]

''اور ماں باپ کے ساتھ اور رشتے داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔''

۲۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى.[۲۵]

''اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں پر خرچ کرے۔''

۳۔ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ.[۲۶]

''جو مال بھی خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر خرچ کرو۔

۴۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى.[۲۷]

''اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔''

۵۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ.[۲۸]

''رشتہ دار کو اس کا حق دو۔''

۶۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ.[۲۹]

''پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دو۔''

رشتہ داروں سے حسن سلوک کے متعلق ارشادات ربانی کے یہ چند ایک نمونے ہیں۔

Marfat.com

انسان کے خانگی افکار اور تنازعات پریشانی پیدا کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں لیکن جو لوگ اہل خانہ اور قرابتداروں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ، صلہ رحمی اور خوش معاملگی سے پیش آتے ہیں ان کی زندگی میں مسرت اور طمانیت پیدا ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:[۳۰]

''صلۂ رحم سے قرابتداروں میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔''

رشتوں کا جوڑنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص عمل خیر تھا اور ادعائے نبوت سے قبل بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ شعار رہا۔

پہلی وحی کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبرائے ہوئے گھر واپس آئے تو خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جن جملوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی ان میں یہ جملہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ صلۂ رحمی (رشتے کو جوڑنا) کرتے ہیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو نیک کام شمار کیے ہیں ان میں رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک ایسے نیک کام کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے خاندان والوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ، صلۂ رحمی اور خوش خلقی سے پیش آتے ہیں ان کی زندگی میں خانگی مسرت، انشراح اور طمانیت خاطر رہتی ہے۔ جو دولت اور عمر دونوں میں برکت اور اضافے کا باعث بنتی ہے۔ اسلام رشتہ داری کو کتنی اہمیت دیتا ہے اس کا اندازہ قرآن حکیم کی اس آیت سے لگایا جا سکتا ہے:[۳۱]

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ.

''اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

اسی فرمان کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ شروع کی۔

حضور یتیموں کے ملجا و ماویٰ تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

خَيْرُ بُيُوتِكُم بيتٌ فيه يتيمٌ مُكرَمٌ.

''تم میں سب سے بہتر وہ گھر ہے جس میں یتیم معزز طریقے سے رہتا ہے۔''

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیم کے کفیل کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔[۳۲] اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیم کا مال کھانا انگارے کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ عرب میں یہ ایک عام رواج تھا کہ کئی بااثر لوگ دولت مند یتیم لڑکیوں سے محض اس لیے بیاہ رچاتے تھے کہ ان کی جائیداد پر قابض ہو جائیں۔ بعد میں ان کو ستاتے تھے۔ اس کے متعلق ارشاد ربانی ہوا:[۳۳]

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝

''اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔''

یتیم بچوں کے مال کو بددیانتی اور اسراف سے خرچ بھی نہیں کر دینا چاہیے۔ جب وہ سن شعور کو پہنچ جائیں تو وہ مال ان کو واپس کر دینا چاہیے۔

ارشاد ربانی ملاحظہ ہو:[۳۵]

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۖ وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ؕ

''یتیموں کے مال ان کو واپس کر دو۔ اچھے مال کو برے مال سے نہ بدل لو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''

جہاں تک نادار یتیموں کا تعلق ہے تو ان کی پرورش، نیک سلوک اور احسان کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔[۳۶] یتیم اور مساکین خیرات وصدقات کے بہترین مصارف قرار دیئے گئے۔

مختلف احکام کے بعد یہ حکم دیا گیا ہے:

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ؕ

Marfat.com

"اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔"

مدنی معاشرے میں ارشادات ربانی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے ایک ایسا مثبت، انقلابی اور صحت مند معاشرتی رویہ پیدا ہوا کہ جب ایک نوجوان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"تو نے کسی نوجوان عورت سے شادی کرنے کی بجائے ایک زیادہ عمر کی بیوہ سے شادی کرنے کو کیوں ترجیح دی ہے؟"

تو اس کا جواب یوں تھا:

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بھائی کی یتیم اولاد کم سن ہے اور میں نے سوچا کہ ایک تجربہ کار عورت ان کی پرورش زیادہ اچھے طریقے سے کر پائے گی۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا خوبصورت معاشرہ تربیت وتشکیل دیا تھا کہ ایک دفعہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض اس لیے ایک دوسرے سے ناراض رہنے لگے تھے کہ وہ ایک متوفی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یتیم بچوں کی پرورش کر کے ثواب کمانا چاہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو فرمایا:

"بچوں کو سامنے لاؤ، وہ جسے پسند کریں اس کے پاس چلے جائیں۔"

ایسی ان گنت مثالیں موجود ہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیواؤں سے شادی کی محض اس لیے استدعا کی کہ وہ اپنے مرحوم دوست کے یتیم بچوں کی پرورش کر سکیں۔ انہوں نے نہ صرف بیواؤں سے شادیاں کیں اور اپنی املاک کو اپنی بیویوں کی سابقہ اولاد میں بھی تقسیم کیا تا کہ وہ کسی قسم کی محرومی کا شکار نہ ہوں۔ اس ضمن میں قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:[۳۷]

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝

"اور جن کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کے اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔"

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ اقدار اور صفات عالیہ ہی کا نتیجہ تھا کہ انسان کو اپنی

Marfat.com

تعظیم کے نشان اور راز بندگی ملا۔

ظہور اسلام سے قبل غلامی کا عام رواج تھا۔ بلکہ جس شخص کے پاس جتنے زیادہ غلام ہوتے اتنا ہی وہ معزز اور سرکردہ خیال کیا جاتا تھا۔ غلاموں کو بکاؤ اور متروکہ مال خیال کیا جاتا تھا۔ وہ غلاموں کا بیاہ کرتی اور جب چاہتے جبراً ان میں تفریق کر دیتے تھے۔ عہد رسالت میں ایک شخص نے ایسا کیا تو غلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر شکایت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا:

''لوگ کیوں غلاموں کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہیں۔ نکاح وطلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔'' [۳۸]

اسلام سے پہلے آقا اپنے غلام کے ساتھ نہایت ہی ذلت آمیز سلوک کرتا، بعض اوقات وہ اپنے غلام کو جان سے مار ڈالتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلامی کے استیصال کے لیے نہایت ہی حکیمانہ اقدامات کیے اور انسانوں کو انسانی بندگی سے ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی صراط مستقیم پر چلایا اور غلاموں کو ہر قسم کی زنجیروں سے نجات دلا دی۔ [۳۹]

غلاموں نے پہلی بار یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی کہ تمام لوگ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، رنگ اور چہرے میں فرق فقط ایک دوسرے کی پہچان کے لیے ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: [۴۰]

''اے گروہ قریش! آج سے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت و برتری ختم کر دی۔ حسب ونسب کا غرور رخصت کر دیا گیا۔ سنو سب انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا گیا۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: [۴۱]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ بہتر ہو

Marfat.com

گا۔''

یہ مساوات کا محض درس ہی نہ تھا بلکہ یہ اولاد آدم علیہ السلام میں مساوات کی ایک ناقابل تردید دلیل تھی جس نے یہ ثابت کیا کہ رنگ ونسل کے امتیازات لوگوں کے پیدا کردہ ہیں۔ حجتہ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:[۴۲]

''لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلاموں کے حقوق کا خاص خیال تھا۔ فرمایا:

''تمہارے غلام اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر فضیلت دی ہے۔ تم ان پر ظلم مت کرو اور اگر یہ کوئی قابل معافی غلطی کریں تو انہیں آزاد کر دو اور انہیں مارو مت۔ اللہ کو احساس ہوتا ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔''

ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز وہ اپنے ایک غلام کو بے تحاشا مار رہے تھے کہ انہوں نے سنا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے:

اعلم ابا مسعود اللہ اقدر علیک منک علیہ.

''خبردار ابو مسعود! اللہ تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جو تجھ کو اس غلام پر حاصل ہے۔''

پلٹ کر دیکھا تو پیچھے مجسمہ رحمت پیکر شفقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے تھے۔ ابو مسعود انصاری نے فوراً ہی اس غلام کو آزاد کر دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ابا افک لولم تفعل عسک النار.

''اگر تو اس کو آزاد نہ کرتا تو آگ کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا۔''[۴۳]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے مختلف طریقوں سے ترغیب دیتے، جیسے مختلف گناہوں کے لیے جو کفارے مقرر کیے گئے ان میں غلام آزاد کرنے کو بہترین کفارہ قرار دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا، اس طرح کہ غلاموں کی دنیا ہی تبدیل ہوگئی۔

Marfat.com

فتح مکہ کے روز اسلام لانے والے حکیم بن حزام نے ایک سو غلام آزاد کیے۔[۴۴]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صرف ایک قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے۔[۴۵]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کرنے کی سعادت حاصل کی۔[۴۶]

غلام آزاد کرنے کی ترغیب کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیمت کے اعتبار سے ثواب ملنے کی نوید سناتے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک استفسار (کہ کیسے غلام کو آزاد کرنا افضل ہے؟) پر فرمایا:

اغلامعاثمنا وانفعها عند اهلها.

''وہ جس کی قیمت زیادہ ہو اور جو مالک کو زیادہ پسند ہو۔''

ارشاد ربانی ہے:[۴۷]

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

''اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہو۔''

اسی طرح لونڈی کو اچھی تربیت دے کر آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے کو ایک عظیم نیکی قرار دیا۔ قرآن حکیم میں فرمایا ہے:[۴۸]

فَكُّ رَقَبَةٍ.

''کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا۔''

کسی اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا:

''یا رسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتایئے جس سے میں جنت میں داخل ہو سکوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اعتق انسمه وفک الرقبة.

''غلام آزاد کر اور گردنوں کو غلامی سے چھڑا۔''

Marfat.com

ایک اور موقع پر فرمایا:

من اعتق رقبة مسلمة كانت فكاكه من النار عضوا بعضو.

''جو کوئی کسی مسلمان کو آزاد کرے گا اس کا ہر عضو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے دوزخ سے بچ جائے گا۔''

اور ایک حدیث میں ہے:

من اعتق نفسا مسلمة كانت فدية من جهنم.

''جس نے ایک نفس مسلمہ کو آزاد کیا تو وہ جہنم سے بچنے کے لیے اس کا فدیہ ہو گیا۔''

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان گنت احادیث ملتی ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا:[۴۹]

ان اخوانكم حولكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن اخوة تحت يده فليطعمه مما ياكل وليلبسه ما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم فان كلفتموهم فاعينوهم.

''یہ تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں جنہیں اللہ نے تمہارا دست نگر بنایا ہے۔ پس جس کسی کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہیے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ تم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور اگر ایسی کوئی بھاری خدمت ان کے سپرد کرو تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔''

کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا کہ ہم کتنی مرتبہ اپنے خادم کو معاف کریں۔ فرمایا:

اعفوا عنه فى كل يوم سبعين مرفه.

''اگر وہ روزانہ ستر بار بھی قصور کرے تو معاف کیے جاؤ۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزع کے عالم میں جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان بند نہیں ہوئی، یہی فرماتے رہے:

Marfat.com

''نماز پڑھنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔ نماز پڑھنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔'' [۵۰]

سوید بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سات بھائیوں کا ایک غلام تھا۔ ایک مرتبہ ہمارے چھوٹے بھائی نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس غلام کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ انہی سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے معاویہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے ہاں کے ایک غلام کو تھپڑ مار دیا۔ والد نے ہم دونوں کو بلایا اور غلام سے کہا کہ تو معاویہ سے بدلہ لے۔ [۵۱]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرتی عدل کا یہ اصل الاصول بتایا ہے کہ ''دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے سلوک کریں۔''

اسلام کے نزدیک معاشرتی احسان کی ایک حسین صورت حسن خلق ہے جس کی غیر معمولی اہمیت وفضیلت کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ ''حسنات یا فکون میں سب سے زیادہ وزنی نیکی حسن خلق ہے۔'' عرب میں یہ رواج تھا کہ غلام کو عبدی (میرا بندہ) اور لونڈی کو (میری بندی) کہہ کر پکارتے تھے اور اپنے آپ کو رب کہلواتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رواج پر یہ کہہ کر ضرب کاری لگائی کہ انہیں فتای (میرا لڑکا) اور فتاتی (میری لڑکی) کہہ کر پکارا کرو اور اپنے آپ کو سیدی یا مولائی کہلوایا کرو۔ [۵۲] صحابہ کرامؓ نے غلاموں کو اپنے گھر کا اس طرح رکن بنا کر رکھا کہ اُن کے غلاموں اور آقاؤں کے درمیان تمیز مشکل ہوگئی۔ [۵۳] عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں فوجی افسروں کو حکم دیا کہ رومی اور عجمی آزاد غلام جو مسلمان ہو گئے ہوں ان کو ان کے قدیم آقاؤں کے خاندانوں میں شمار کرو۔ جو ان کا حق ہو وہ ان کا ہو اور یہ غلام چاہیں تو اپنا ایک الگ مستقل قبیلہ بنالیں۔ [۵۴]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانے کا حکم دیا:

ارقاء کم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم ممّا تلبسون۔ [۵۵]

''تمہارے غلام، تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔''

Marfat.com

ایسا اس لیے حکم دیا گیا کہ وہ خاندان کے رکن بن کر رہیں۔ زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور روم جانے والے لشکر میں مہاجرین اور انصار کے قائد بنائے گئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلاموں کے بارے میں حسن سلوک کی پالیسی کا ہی نتیجہ تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔ [۵۷]

جب مال غنیمت تقسیم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے۔ [۵۷]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کی خرید وفروخت کو قطعاً ممنوع قرار دیا اور فرمایا:

''جو کوئی کسی آزاد شخص کو پکڑ کر بیچے گا میں خود اس کے خلاف قیامت کے دن مدعی بنوں گا۔'' [۵۸]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفود مختلف ریاستوں میں بھیجتے ان میں اکثر حبشی ہوتے ہم اسلامی معاشرے میں سربرآوردہ افراد کے مقابلہ میں غلاموں کو اور گوروں کے مقابلے میں سیاہ فام افراد کو بڑے بڑے مناصب پر فائز دیکھتے ہیں یا غلام وآقا اور احمر واسود کو ایک ہی مسند پر بیٹھا پاتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مسند فقہ کا صدر جانشین ان کے غلام نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتب علم کے صدر نشین ان کے غلام عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فن قرات کا امام ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ابی میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پاتے ہیں۔

عرب تین چیزوں کو بدبختی خیال کرتے: اجنبی ہونا، غلام ہونا اور سیاہ فام ہونا۔ اتفاق سے یہ تینوں چیزیں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود تھیں۔ وہ مکہ کے ایک متمول شخص امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو امیہ ان کو اذیت ناک سزائیں دیتا جیسے ننگے بدن تپتی ریت پر لٹا دیتا لیکن ان کی زبان پر اَحَدٌ اَحَدٌ ہی کا ورد ہوتا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیہ کو بصد مشکل اس پر آمادہ کیا کہ وہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ہاتھوں فروخت کر دے۔ جب بھاری قیمت پر ایسا ہو گیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کر دیا۔ اسلام نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو

Marfat.com

مقام عطا کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس پذیرائی سے دوسرے محروم افراد کے حوصلے بلند ہوئے اور فوراً بعد عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لبینہ اور دفیرہ نام کی دونوں کنیزوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام نے آدمی کے لیے معیار عظمت حسب ونسب، مال و دولت یا خاندانی وجاہت کو قرار نہیں دیا۔

بلکہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ.

''بے شک اللہ کے نزدیک تم سے معزز ترین وہ شخص ہے جو پاکباز ترین ہے۔''

اسی سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اتونی باعمالکم ولا تاتونی بانسابکم.

''میرے پاس اپنے نسب نامے مت لاؤ، مجھے اپنے اعمال نامے دکھاؤ۔''

جو لوگ حکم الٰہی کے مطابق ایمان لائے اور انہوں نے اپنی زندگیاں اس نہج پر ڈھالیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برتر قرار پائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَیس شیءٌ اکرم علی الله من المومن.

''صاحب ایمان شخص سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی شے مکرم نہیں ہے۔''

اسی طرح اسلام نے نسلی تفریق کی نفی کی اور جھوٹی نمود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نابود کر دیا۔

اسی ذیل میں اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے:

آدمیت احترام آدمی!
باخبر شواز مقام آدمی!

اسلام سے قبل عرب میں جنگ کے بعد قیدیوں اور غلاموں کو مختلف طریقوں سے عذاب دے کر مار ڈالنے کا رواج تھا۔ لیکن اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات اور سرایا میں احترام انسانیت کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں، بچوں اور معذوروں کے قتل، ایذا رسانی اور مثلہ کرنے کی سخت مخالفت فرمائی۔ حتیٰ کہ دشمن کی لاشوں کو بھی مدینہ واپسی سے قبل ٹھکانے لگاتے۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ مصطلق کو زیر کرنے کے بعد اس کے افراد کو غلام نہیں بنایا بلکہ وہ مسلمان ہو گئے۔ اس قبیلہ کی ایک خاتون جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کر لی۔

غزوہ احزاب میں حملہ آوروں کے ایک ممتاز فرد نے خندق عبور کرنے کی کوشش لیکن ناکام رہا اور اپنے گھوڑے سمیت خندق میں گر گیا۔ مسلمانوں نے اسے خندق میں ہی مار ڈالا۔ اس کی لاش ایک سو اونٹوں کے بدلے میں واپس لینے کے لیے احزاب کا پیغام آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ لاش مفت واپس کر دی۔ یقیناً اس سے دشمن کے دل پر اچھا اثر پڑا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کو نیست و نابود کرنے کی بجائے ایسی ہی تدبیروں سے اس کو مشرف بہ اسلام کرنے پر آمادہ کرتے رہے۔

۶ ھ میں نجد کے ایک سرکردہ اثامہ بن اثال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ قریش کو غلہ کی رسد روک دی جائے گی۔ اس اقدام کے نتیجہ میں مکہ میں قحط پیدا ہو گیا۔ یہ پابندی عسکری نکتہ نظر سے بڑی اہم تھی۔ قریش نے مجبور ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ اس پابندی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعزہ واقربا بھوکے مر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاہیے کہ ہماری مشکلات ختم کرنے کے لیے اقدامات کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوری طور پر پانچ سو اشرفیاں مکہ کے فقراء غربا کی امداد کے لیے بھجوائیں[59] اور ساتھ ہی ثمامہ کو حکم دیا کہ وہ یہ پابندی ختم کر دیں۔[60]

انسانی رشتوں میں ایک اور رشتہ حاکم ومحکوم کا رشتہ ہے۔ ایک مشہور مقولہ ہے۔

الناس علی دین ملوکهم.

لوگ اپنے حکمرانوں کے طریقہ وطرز عمل پر ہوتے ہیں۔ اسلام نے جس ریاست کی نیو ڈالی وہ مقصود بالذات نہ تھی بلکہ مقصد کے حصول کا ذریعہ تھی۔ یہ ایک ایسے عادلانہ نظام کو قائم کرنے کی خواہاں تھی جس میں کسی فرد کا دیا ہوا قانون نہ ہو بلکہ قانون خداوندی کا راج ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاکم کے لیے یہ شرط مقرر فرمائی کہ وہ بہت چالاک نہ ہو۔ چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب زیاد بن سفیان کو معزول کیا تو انہوں نے کہا:

Marfat.com

''کیا میں اس منصب کے فرائض کو انجام نہیں دے سکتا؟ یا میں نے کوئی خیانت کی ہے؟''

عمر فاروق نے جواب دیا:

''یہ کچھ نہیں۔ میں نے تم کو صرف اس بنا پر معزول کیا ہے کہ میں رعایا پر تمہاری عقل کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔'' [61]

اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور مسلمان امانت کے طور پر اختیارات کا استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح حکمران آقا نہیں بلکہ ملت کے خادم ہوتے ہیں۔ ان کی دنیوی اور اخروی جوابدہی کا مکمل احساس ہوتا ہے۔ مشاورت اسلامی زندگی کا اصل الاصول ہے۔ اسے جہاں زندگی کے باقی شعبوں میں تسلیم کیا جاتا ہے وہاں نظام ریاست میں بھی اولیت حاصل ہے بلکہ شورائیت کے پیش نظر حکمران کی بجائے دین وملت کا مفاد ہوتا ہے۔ حکمران کو اپنے مشیروں سے مشورہ تو ضرور لینا چاہیے لیکن فیصلہ اپنی صوابدید کے مطابق کرنا چاہیے۔ اگر مشورہ ملی مفاد میں ہے تو منظور کر لینا چاہیے ورنہ نہیں۔ اسلام کثرت رائے کو نہیں بلکہ ملت کے مفاد کو اہمیت دیتا ہے۔ یہی جمہوریت اور اسلامی شورائیت میں فرق ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن واخوت پر مبنی ایک نظریاتی مملکت قائم کی جس میں انسانی تحریم وتکریم ہر ایک کے لیے بنائے تقدیس تھی۔ حاکم کی اطاعت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(سردار کی بات) سنو اور مانو گو تم پر ایک حبشی غلام سردار مقرر کیا جائے جس کا سر منقے کی طرح چھوٹا ہو (یعنی بیوقوف ہو) [62]

ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا:

ان امر علیکم عبد مجدعا اسود یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا لہ واطیعوا۔

''اگر کوئی حبشی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔''

ایک اور موقع پر فرمایا:

Marfat.com

من اطاع امیری فقد اطاعنی و من عصی امیر فقد عصانی.

''جس نے میرے امیر کا کہا مانا اس نے میرا کہا مانا۔ جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

لیکن یاد رہے کہ امیر کی اطاعت کو اس وقت تک لازم قرار دیا جب تک وہ قرآن وسنت کی کھلی خلاف ورزی نہ شروع کر دے۔

لاطاعة عن عصی الله.[۶۴]

ایک اور مقام پر فرمایا: کہ حاکم کی اطاعت اسی کام میں ہونی چاہیے جو جائز ہو۔[۶۵]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! جو میری امت کا والی ہو، اگر وہ امت پر سختی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ سختی کرنا اور جو نرمی کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرمانا۔''

(مسلم، باب فضیلۃ الامام العادل)

اعیان حکومت کا برائی میں مبتلا ہو جانا فتنہ وفساد کی جڑ ہے لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے ناپسندیدہ امیروں کی اطاعت سے باز رہنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:[۶۶]

لا ما اقاموا فیکم الصلوة.

''نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔''

اس طرح اسلام نے حکمران ورعایا کے درمیان ایک توازن قائم کیا ہے۔ چنانچہ حکمران کے اوصاف بیان کیے گئے تاکہ غلط آدمی کا انتخاب نہ ہو سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی کو کہیں کا حاکم مقرر کر کے روانہ فرماتے تو اس کو نصیحت فرماتے:

''لوگوں کو اچھی باتیں بتانا، ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنا، دین کو اس طرح پیش کرنا کہ انہیں اس کی رغبت ہو، انہیں احکام سے مصیبت میں نہ ڈالنا وغیرہ۔''

ایک اور مقام پر آپؐ نے فرمایا:

''تم میں سے ہر شخص کچھ نہ کچھ حکومت رکھتا ہے اور قیامت کے دن اس رعیت

Marfat.com

کی اس سے پوچھ ہونی ہے۔ بادشاہ تو حاکم ہی ہے اس سے اس کی رعایا کی پوچھ گچھ ہوگی اور ہر ایک آدمی اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اس سے ان کی پوچھ گچھ ہوگی۔ عورت اپنے خاوند کے مال کی حاکم و محافظ ہے، اس سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی۔ اسی طرح غلام اپنے صاحب کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی۔ غرض تم میں سے ہر ایک شخص حاکم ہے اس سے اس کی رعایا کی باز پرس ہونا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حاکم کے حکم کو سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ حکم پسند نہ آئے۔ جب تک کہ حاکم کسی گناہ کا حکم نہ دے اور جب وہ کسی گناہ کا حکم دے تو مسلمان پر اس کی اطاعت واجب نہیں۔''[۶۹]

وائل بن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا کہ ''یارسول اللہ! اگر ہم پر ایسے حاکم مسلط ہوں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارے حقوق سے انکار کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ارشاد ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان کے احکام سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ اس لیے کہ ان پر وہ بات فرض ہے جو انہوں نے اپنے ذمہ لی ہے اور تم پر وہ چیز فرض ہے جو تم نے اٹھائی ہے۔''[۷۰]

معاشرہ انسانی رشتوں سے عبارت ہے اور اس کی اصلاح کا اصول یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح کی ابتداء حکمران کی ذات اور ایوان حکومت سے ہونی چاہیے۔ کیونکہ معاشرتی مفاسد کا منبع عموماً حکمران کی ذات اور اس کا ایوان حکومت ہوتا ہے۔ اگر حکمران صالح اوصاف کا مالک ہوگا تو اس کی جھلک حکومت کے ہر شعبے میں نظر آئے گی۔ بصورت دیگر ہر جگہ بگاڑ پیدا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہر عمل سے امت کے لیے ایک مشعل منور کی اور کبھی بھی سربراہ ریاست ہونے کا تاثر نہ دیا۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو اس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شانہ بشانہ حصہ لے کر ایک نادر مثال قائم کی اور فرمایا:

Marfat.com

هذا الحمال لا حمال خيبر

هذا ابر ربنا واطهر.

''جتنی یہ مزدوری نتیجہ خیز ہے اتنی خیبر کی مزدوری نتیجہ خیز نہیں۔اے ہمارے رب! اس میں زیادہ نیکی ہے اور یہ زیادہ پاکیزہ عمل ہے۔''

اسی طرح غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی میں برابر حصہ لیا۔ سفر میں اپنے حصہ کا کام خود کرتے۔ ایک مرتبہ کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں لانے کا کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنبھالا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا:

''یہ کام ہم کرلیں گے۔''

فرمایا: ''میں پسند نہیں کرتا کہ اپنے آپ کو تم سے ممتاز رکھوں۔ اللہ اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو ہمراہیوں میں ممتاز بنے۔''

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی، اس کا بچہ گڑ بہت کھاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اگلے روز آنے کو فرمایا:

دوسرے روز وہ آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کو گڑ کثرت سے نہ کھانے کی ہدایت فرمائی:

عورت نے عرض کیا: ''یہ بات تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل بھی کہہ سکتے تھے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کل تو میں نے خود گڑ کھایا ہوا تھا اس لیے بات میں تاثیر ممکن نہیں تھی۔''

اسلامی ریاست میں تمام مسلمانوں کو بلا امتیاز رنگ ونسل سیاسی آزادی اور دیگر حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ وہ ملکی امور میں حصہ لینے کے مجاز ہوتے ہیں۔ سیاسی آزادی سے مراد حسن فکر وعمل، حسن اظہار وابلاغ اور حسن اکتساب کی آزادی ہے۔ آپؐ نے ہجرت کے بعد میثاق مدینہ کے ذریعے تاسیس ریاست کی۔ مدینہ میں اوس اور خزرج (انصار کے ان دونوں قبیلوں کو بنوقصیلہ کہتے تھے) کے علاوہ یہودیوں کے قبائل بنی نضیر، بنی قینقاع اور بنی قریظہ آباد تھے۔ کچھ عیسائی بھی تھے جن کی صحیح تعداد معلوم نہیں لیکن ایک روایت کے مطابق قبیلہ اوس میں پندرہ یا

Marfat.com

پچاس عیسائی تھے۔[۱] اوس اور خزرج کے درمیان تقریباً ایک سو بیس برس سے خانہ جنگیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مواخات کا نظام قائم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام قبائل کا ایک نمائندہ اجلاس انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کے گھر طلب کیا اور انہیں ایک مشترکہ حکومت کی ضرورت کا احساس دلایا۔[۲] اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں بانی کا ایک ایسا نظام قائم کیا جس سے صلح اور جنگ ہر قبیلے کی انفرادی ذمہ داری کی بجائے ایک مشترکہ مسئلہ بن گئی۔

اسلام نے جہاں بے شمار حقوق فرد کو عطا کیے ہیں وہاں اسے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے اور دوسرے کا مافی الضمیر سننے کی آزادی سے بھی نوازا ہے۔ اس کا یہ حق ناقابل تنسیخ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لیے جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنے کو جہاد سے تعبیر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدل کا جو تصور پیش کیا ہے اس کے ساتھ ہی احسان کا بھی حکم دیا ہے۔ جس میں حسن سلوک اور ایثار و قربانی کا بھی مفہوم پایا جاتا ہے۔ عدل کی اس پاسداری میں خود اپنے خلاف اور دشمن کے حق میں فیصلے کا بھی تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کے لیے خشیت الٰہی ایک بنیادی شرط ہے۔

ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ[۳]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار بنو اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔"

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ[۴]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔"

Marfat.com

اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔"

امن و عافیت کے رشتے ہمیشہ عادلانہ رویوں سے قائم ہوتے ہیں جب کہ جانبدارانہ رویہ عدل کی بجائے ظلم کو راہ دیتا ہے۔ اس باب میں پھیلی ہوئی بدگمانیاں معاشرتی فساد کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عادل امام کو قیامت کے دن اللہ کا سایہ نصیب ہوگا۔"

ابوبکر صدیق کا قول ہے کہ:

السلطان العادل المتراضع ظل الله درمعه فى الارض.

"عادل اور متواضع حاکم زمین میں اللہ کا سایہ اور اس کا نیزہ ہے۔"

(بخاری، باب فضل من ترک الفواحش)

اسی لیے اسلامی ریاست میں عدلیہ آزاد و غیر جانبدار رہوتی ہے کیونکہ یہ عدل کی محافظ و امین ہوتی ہے۔ اس کی نظر میں اعزہ و اقارب اور اغیار و اعداء سب ایک جیسے ہونے چاہئیں اور سب کے ساتھ انصاف کرنا اس پر لازم ہے۔ کیا تاریخ عالم ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے کہ خود سربراہ ریاست بلا جبر و کراہ خود کو قصاص کے لیے عوام کی عدالت میں پیش کرے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے رحلت سے پیشتر بھرے مجمع میں بلا کر اعلان کیا کہ اگر کسی فرد پر مجھ سے کوئی غلطی ہوگی ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عدل اپنے بیگانے، دوست دشمن، امیر و غریب، مسلم اور غیر مسلم سب کے لیے یکساں اور بلا امتیاز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ طیبہ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی مقدمہ لایا گیا جس میں ایک فریق مسلم اور دوسرا غیر مسلم تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر بنی مخزوم کی فاطمہ نام کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اس کی رہائی کے لیے بے پناہ دباؤ پڑا اور بالآخر اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سفارشی بنایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے انور پر تکدر کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا:

"کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟"

پہلی امتیں صرف اس وجہ سے برباد ہوئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کا مرتکب ہوتا تو اس سے چشم پوشی کی جاتی۔ کوئی معمولی آدمی پکڑا جاتا تو اسے سزا دلاتے۔

Marfat.com

''خدا کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی چوری کرتی تو اسے بھی قطع ید کی سزا ضرور ملتی۔''[۷۵]

انسان بنی نوع انسان کا ایک جز و لاینفک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام افراد کو ایک امت کے ساتھ منسلک کیا اور فرمایا کہ تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:[۷۶]

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ہ

''انسان کو اس نے ٹھیکری جیسے سوکھے سڑے ہوئے گارے سے بنایا۔''

قرآن حکیم میں انسانی جان کے محترم ہونے کے حوالہ سے ارشادات ربانی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا.[۷۷]

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔''

۲۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ.[۷۸]

''اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔''

۳۔ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ.[۷۹]

''اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے مختلف مواقع پر انسانی جان کی حرمت کی تلقین فرمائی ہے:

۱۔ اکبر الکبائر الاشراک باللہ و قتل النفس و حقوق الوالدین و قول الزور.

''بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور قتل نفس اور والدین کی نافرمانی اور جھوٹ بولنا ہے۔''

Marfat.com

۲۔ لن یزال المومن فی فسحة من دینہ عالم یصب وما حراما.

''مومن اپنے دین کی وسعت میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا۔''

۳۔ اول ما یحاسب بہ العبد الصلوۃ و اول ما یقضیٰ بین الناس یوم القیامة فی الدعاء.

''قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اور پہلی چیز جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خون کے دعوے ہیں۔''

اسلام نے کسی کی ناحق جان لینے والوں کے لیے قصاص کا حکم دیا ہے:[۸۰]

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ط

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تمہارے لیے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔''

جان کے بدلے جان ہی لی جائے گی۔ اس میں امیر و غریب کا امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ اس طرح اسلام نے امن قائم کرنے کی راہ ہموار کی۔ اسی وجہ سے تھا کہ قادسیہ سے صنعاء تک ایک عورت تنہا سفر کر سکتی تھی۔ اس کی جان کو کوئی خطرہ ہوتا تھا اور نہ ہی مال کو۔

امن کو تہ و بالا کرنے والے سرکشوں کو تنبیہ کی گئی کہ ان کی بیخ کنی امن پسندوں کے حق حیات کو محفوظ کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ:[۸۱]

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ.

''قتل اگرچہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔''

کیونکہ قیام امن سے تمدن اور ترقی کی ضمانت میسر آتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات نہایت ہی سادہ فہم بھی تھیں اور جامع بھی۔ ان کا سرچشمہ وحی الٰہی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید الٰہی کا پرچار فرماتے اور مسلمانوں کی روحانی تربیت کا اہتمام فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر مسلمانوں کی فلاح و بہبود تھی جس کے حصول کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عناصر اربعہ بیان فرمائے:

Marfat.com

اولاً: ایمان باللہ اور یوم حساب۔ ایمان محض اقرار باللسان یا قلب کی ایجابی کیفیت کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تحت الشعور کی ایک ایقان کی کیفیت کا نام ہے۔ ایمان لانے کے بعد شبہات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر وقت آخرت میں احتساب کا دھیان رہنا چاہیے۔

ثانیاً: صالح جدوجہد جو ایمان سے مزین ہو۔ یہ عالمی امن اور بنی نوع انسان کی فلاح کی ضامن بھی ہونی چاہیے۔ ایمان کا فقدان عالمی فساد اور بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔

ثالثاً: حق کی مسلسل تلقین اور اس کی عظمت کے لیے بیانگ دہل کمر بستہ ہونا۔

رابعاً: استقامت جو مصائب و مشکلات کے مقابلے میں تقویت قلب کا باعث بنتی ہے۔

ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں:[۸۲]

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ○

''جن لوگوں نے کہا: کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم ۴:۳۶

۲۔ ام ایمن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی لونڈی تھیں۔ ان کا اصلی نام برکتہ تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی تو ان کو آزاد کر کے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے، سے شادی کر دی۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی کے بطن سے تھے۔

۳۔ مسند احمد، الادب، المفرد

۴۔ مشکوۃ، الادب المفرد، ج ۲، کتاب الادب

۵۔ ترغیب وترتیب منذری، ج ۲، ص ۱۳۴ بحوالہ ابن ماجہ نسائی

۶۔ قرآن حکیم ۱۷:۲۳۔۲۴

۷۔ قرآن حکیم ۴:۳۶

۸۔ قرآن حکیم ۴:۳

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

"جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔"

۹۔ قرآن حکیم ۱۷:۳۳

۱۰۔ بخاری کتاب النکاح

۱۱۔ نسائی، الادب المفرد

۱۲۔ قرآن حکیم ۲:۲۲۸

۱۳۔ قرآن حکیم ۴:۳۴

۱۴۔ قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت نگہبانی کرنے اور اس کی ضرورت مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ (تفہیم القران جلد ۱، ص ۳۴۹، ابوالاعلیٰ مودودی)

۱۵۔ بخاری ومسلم، باب النکاح

۱۶۔ بخاری ومسلم، کتاب النکاح، باب الوصیۃ بالنساء

Marfat.com

۱۷۔ قرآن حکیم ۴:۱۹

۱۸۔ قرآن حکیم ۱۷:۳۱

۱۹۔ ترمذی، کتاب البر وصلہ، باب ماجاء فی الادب الولد، سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتیما

۲۰۔ بخاری کتاب الادب، مسلم کتاب البر

۲۱۔ بخاری کتاب الادب، باب بالجار الوصایا، ابوداوٗد کتاب الادب باب حق الجوار

۲۲۔ مسلم باب الایمان

۲۳۔ مشکوٰۃ الادب الفرد، بخاری باب الاثیمع دون

۲۴۔ قرآن حکیم ۲:۸۳

۲۵۔ قرآن حکیم ۲:۱۷۷

۲۶۔ قرآن حکیم ۲:۲۵

۲۷۔ قرآن حکیم ۱۶:۹۰

۲۸۔ قرآن حکیم ۱۷:۲۶

۲۹۔ قرآن حکیم ۳۰:۳۸

۳۰۔ بخاری، کتاب الادب، باب من بسط فی الرزق الصلۃ الرحم، ترمذی

۳۱۔ قرآن حکیم ۲۶:۲۱۴

۳۲۔ بخاری باب فضل من یتیما، مسلم باب فضل الاحسان الی الیتیم

۳۳۔ قرآن حکیم ۴:۳

۳۴۔ بخاری کتاب النکاح

۳۵۔ قرآن حکیم ۴:۲

۳۶۔ ملاحظہ فرمائیں: سورۃ ہائے بقرہ، نساء، انفال اور حشر

۳۷۔ قرآن حکیم ۲۳:۶۰

۳۸۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق

۳۹۔ قرآن حکیم ۷:۱۵۷

۴۰۔ ابن ہشام حصہ دوم، ص ۴۷۸

۴۱۔ قرآن حکیم ۴۹:۱۳

۴۲۔ مسند احمد

۴۳۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲، ص ۲۲۷ شبلی نعمانی

۴۴۔ مسلم کتاب الایمان

Marfat.com

۴۵ بخاری، ج ۲ کتاب الادب، باب الجرۃ

۴۶ یہ دونوں تعدادیں امیر اسماعیل نے شرح بلوغ المرام، کتاب العتق میں نقل کی ہیں۔ بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۶، ص ۱۵۸ شبلی نعمانی

۴۷ قرآن حکیم ۲۴: ۳۳

۴۸ قرآن حکیم ۹۰: ۱۳

۴۹ بخاری، کتاب المعاصی من امر الجاہلیہ، ابوداؤد کتاب الادب

۵۰ بخاری، باب المفرد، سنن ابی ماجہ کتاب الوصایا

۵۱ راوی ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق المملوک

۵۲ بخاری، کتاب العتق

۵۳ بخار، کتاب الادب، باب ما ینہی عن السباب

۵۴ کتاب الاموال ابی عبید قاسم بن سلام، المتوفی ۲۲۴، مطبوعہ مصر، ص ۲۳۵ بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۶، ص ۱۵۹ شبلی نعمانی

۵۵ ابن سعد

۵۶ ابوداؤد کتاب الجہاد، مسند ابن حنبل

۵۷ ابواؤد، باب قسمۃ الفئی

۵۸ بخاری

۵۹ مبسوط سرخسی، ج ۱۰، ص ۹۱-۹۲، شرح السید الکبیر، ج ۱، ص ۶۹ سرخسی بحوالہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی، ص ۱۲۱

۶۰ بخاری وفد بنی حنیفہ

۶۱ بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۷، ص ۶۶ شبلی نعمانی

۶۲ بخاری کتاب الاحکام

۶۳ مسلم

۶۴ ابن ماجہ، ج ۲، ص ۹۵۶

۶۵ بخاری کتاب الاحکام

۶۶ مشکوۃ الامارت، ص ۳۱۹

۶۷ ایضا

۶۸ بخاری کتاب النکاح

۶۹ بخاری، مسلم مشکوۃ

Marfat.com

۷۰ مسلم، مشکوٰۃ

۷۱ بحوالہ خطبات بہاول پور، ص۵۲ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۷۲ ایضاً

۷۳ قرآن حکیم ۴:۱۳۵

۷۴ قرآن حکیم ۵:۸

۷۵ بخاری کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود

۷۶ قرآن حکیم ۵۵:۱۴

۷۷ قرآن حکیم ۵:۳۲

۷۸ قرآن حکیم ۶:۱۵۱

۷۹ قرآن حکیم ۲۵:۶۸

۸۰ قرآن حکیم ۲:۱۷۸

۸۱ قرآن حکیم ۲:۱۹۱

۸۲ قرآن حکیم ۴۱:۳۰

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عسکری فراست

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:[۱]

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اِسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ تھا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر نظریہ ہر قول، ہر فعل اور ہر قدم اپنی جامعیت و کاملیت میں بے مثل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی[۲] اور منصوبہ بندی[۳] دونوں ہی بے نظیر اور قابل تقلید ہیں۔ مسلمانوں کی زندگی، آزادی اور وقار کی لیے جلال ناگزیر ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:[۴]

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ۟ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

''تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا، اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ کفار پر حملہ کرنے اور انہیں تباہ کرنے کے لیے ان کا کفار ہی ہونا کافی تھا۔ بلکہ جن قبائل پر لشکر کشی کی گئی وہ پہلے سے آمادہ جنگ اور مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات و محاربات مقصود بالذات نہ تھے بلکہ وہ بقول علامہ شبلی نعمانی سلسلہ دعوت میں اتفاقاً پیش آ گئیں۔[۵] یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کا کیا یعنی:

اولاً: قریش کی شامی تجارت کی ناکہ بندی کی جائے تاکہ ان کی معیشت پر ضرب کاری لگائی جا سکے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ میں ابوجہل کو اسی کی دھمکی دی تھی۔

ثانیاً: مدینہ کے قرب وجوار کے قبائل سے امن وصلح کا معاہدہ کیا جائے۔

Marfat.com

اس کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی بہترین فوجی تربیت کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں ایک نئی فوجی تاریخ رقم کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں اکیس جہاد کیے۔[6] اسلام کے نزدیک جنگ پسندیدہ نہیں بلکہ ایک ناگزیر اقدام ہے اور اس کی اجازت درج ذیل چند صورتوں میں ہے۔

اول: کفار مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔

دوم: مسلمانوں کو کفار سے حقیقی خطرہ ہو اور اس امر کا قوی احتمال ہو کہ وہ اس سے باز نہیں آئیں گے۔

سوم: مسلمانوں اور کفار کے درمیان کوئی معاہدہ ہو اور کفار اس کی پاسداری نہ کریں یا اسے توڑ دیں۔

چہارم: کفار مسلمانوں کو فرائض اسلام کی بجا آوری میں مانع ہوں اور مداخلت کریں۔

پنجم: مسلمانوں کے شعائر اسلامی کی بے حرمتی ہو رہی ہو۔

چنانچہ جہاد فی سبیل اللہ سید قطب شہید کے الفاظ میں ''زمینی اقدار اور پابندیوں سے خلاصی پانے کا نام ہے۔ گوشت پوست اور خونی رشتوں پر فتح یابی ہے۔ انسان کے اندر جو علوی معنی پایا جاتا ہے اس کی تحقیق ہے۔ انسان کے جسم میں جو شوق پایا جاتا ہے وہ اسے ادھر ادھر جھکا دیتا ہے اور انسانی ضروریات اور مقیدات پر غالب آنے کا نام ہے۔ یہ فنا سے بقا تک لے جانے کا نام ہے''[7]

فوج کی تیاری (اقدامات قبل از جنگ)

ایک عظیم جرنیل کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ جو فوج تیار کرتا ہے اس کے پائے استقلال کو سخت سے سخت آزمائش بھی متزلزل نہیں کر سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے فوراً بعد امت کی عسکری تربیت پر بھرپور اور خصوصی توجہ دی۔

تربیت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سپاہ کی فطری اور آفاقی اصولوں کو مدنظر رکھ کر تربیت کی اور ان کو ربط، تسلسل اور ثبات کے اصولوں پر عمل پیرا ہونا سکھایا۔ ان کو یہ بات ذہن نشین

Marfat.com

کرائی کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی مالک حقیقی ہے اس لیے صرف اسی کے آگے ہی سربسجود ہونا ہے۔ اگر اس کی راہ میں قتال کرتے ہوئے جاں بحق ہو جائیں تو شہید کہلائیں گے اور اگر زندہ بچ جائیں تو غازی کے نام سے جانے جائیں گے۔ اسی جذبہ سے سرشار ہو کر خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہمیں موت اتنی ہی عزیز ہے جتنی تمہیں زندگی۔''

بقول اقبال ؎

کشاد در دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا خُذُوْا حِذْرَکُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا.

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہو، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکل و یا اکٹھے ہو کر۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر صحابہ کرامؓ کو فوجی مشقوں کی غرض سے مدینہ کے گردونواح میں لے جایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ:

اِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمِی. ''یقیناً قوت نشانہ بازی ہے۔''

ایک سپاہی کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ مشقت برداشت کرنے کا عادی ہو۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سپاہ کو طویل مسافت پر روانہ فرماتے تاکہ وہ جغرافیائی حالات اور موسم کی نامساعدت کے خوگر بن سکیں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اصحابؓ کی سرکردگی میں بھیجے گئے سرایا اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ اگر ایک طرف انہوں نے سرحدوں اور No man`s Lands کے متعلق تازہ بہ تازہ معاملات حاصل کیں تو دوسری طرف غفار، بنوضمرہ اور بنی مدلج وغیرہ قبائل سے جنگی نوعیت کے معاہدات بھی طے ہوئے۔ اس کا جہاں دشمن پر نفسیاتی اثر پڑا وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی گونہ اطمینان حاصل ہوا کیونکہ انہی قبائل کے علاقے سے قریش کے قافلے گزرا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے حلیف بن جانے کے بعد انہوں نے قریش کے قافلوں کے گزرنے پر پابندی عائد کر دی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت جسمانی ہی کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے محض چھ

Marfat.com

روز میں مدینہ کی سنگلاخ زمین میں نو ہزار گز لمبی، پانچ گز چوڑی اور چار گز گہری خندق فاقے کی حالت میں کھودی۔ خندق کے حدود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود قائم کیے اور اسے کھودنے میں خود برابر شریک رہے۔ محاصرہ کے دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تین تین فاقے گذر گئے۔ ایک روز صحابہ کرامؓ نے آپ کو اپنے پیٹ پر بندھے پتھر دکھائے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضورؐ کے شکم مبارک پر ایک کی بجائے دو پتھر بندھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عام فرد کی طرح خندق کھودنے میں حصہ لیا یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی ایک تہہ جم گئی تھی۔[۱۰]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ابھی مستقل فوج قائم نہ ہوئی تھی اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بار ہر دستہ میں نئے رضا کار لیتے تاکہ ہر فرد کو باری باری فوجی خدمت سرانجام دینے کا موقع مل سکے۔ اس طرح مستقل فوج پر ہی مکمل بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی افواج میں غیر مسلموں کو شامل نہ کیا جائے کیونکہ ان کے پانچویں کالم ہونے کا امکان ہر وقت رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر میں نابالغ افراد کو شامل نہیں کرتے تھے کیونکہ جہاد ایک فریضہ الٰہی ہے اور اس کے لیے بلوغ کی پابندی ہے۔ غزوہ بدر میں مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ایک مقام بیرابی عنبۃ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا جائزہ لیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ اس بنا پر واپس بھیج دیے گئے کہ وہ سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ اسی طرح غزوہ احد کے موقع پر بھی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عرابہ بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کم عمر ہونے کی بنا پر واپس کر دیا گیا لیکن جاں نثاری کا یہ ذوق تھا کہ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب واپس آنے کو کہا گیا تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کو لے لیا گیا۔[۱۱] سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم سن تھے۔ انہوں نے رافع رضی اللہ تعالیٰ کو پچھاڑنے کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ نے رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زمین پر دے مارا۔ اس طرح ان کو بھی شامل سپاہ کر لیا گیا۔[۱۲]

۸ ھ میں سریہ موتہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کا علم زید بن حارثہ

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا کیا اور فرمایا کہ ان کی شہادت کی صورت میں یہ امانت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہو۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان باہم مشورے سے جس کو چاہیں اپنا سردار چن لیں۔ یہ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی پروگرام کا ایک حصہ تھا۔ چنانچہ پہلے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت پائی، پھر ان کی جگہ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور ان کی شہادت کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی قیادت سنبھالی۔ بالآخر انہوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے پیش نظر خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قائد چنا جوان کو بحفاظت رومیوں کے نرغے سے نکال کر واپس مدینہ لائے۔[13] جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن پر نوے زخم بھالے اور تیر کے تھے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے نو تلواریں لڑتے لڑتے ٹوٹ گئیں، صرف ایک یمنی تیغہ رہ گیا جو نہیں ٹوٹا۔[14]

گھوڑے، اونٹ اور اسلحہ

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں:[15]

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حقیقت کا مکمل ادراک رکھتے تھے کہ گھوڑا صحرا میں زندگی بسر نہیں کر سکتا کیونکہ گرسنگی اور تشنگی اس کی برداشت سے باہر ہے لیکن سرعت اور فرمانبرداری کے لحاظ سے میدان کارزار کے لیے ایک بے نظیر سواری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:[16]

''گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک برکت رہے گی۔''

Marfat.com

گھوڑے کے برعکس اونٹ ایک صحرائی جانور ہے اور صحرا میں محض خشک کانٹے دار جھاڑیاں ہی کھا کر اپنے معدہ کو تسکین دے دیتا ہے اور ایک مرتبہ پانی پی لینے کے بعد چند روز اس کے بغیر بھی گذارا کر لیتا ہے۔ اسی لیے غزوات اور سرایا جو صحرا میں لڑے گئے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں کی بجائے اونٹوں کو ترجیح دی۔ ایسا ایک لحاظ سے مندرجہ بالا ارشاد ربانی کی تکمیل بھی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آلات حرب کی فراہمی اور تیاری کی طرف بھرپور توجہ دی۔ غزوۂ ہوازن کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ صفوان بن امیہ، جو کثیر السلاح کے نام سے مشہور تھا کو اسلحہ کے حصول کے لیے پیغام بھیجا۔ اس طرح اس سے سوزر ہیں اور دیگر اسلحہ عاریتاً حاصل کیا۔[17] اسی غزوہ میں عبداللہ ربیعہ، جو مکہ کے ایک نہایت دولت مند شخص تھے، سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس ہزار درہم قرض لیے۔[18] طائف اور حنین کے غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منجنیق استعمال کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ دشمن پر ضرب کاری لگانے کے لیے معیاری آلات حرب کا مالک ہونا کتنا ضروری ہے۔ طائف کے محاصرہ میں مسلمانوں نے پہلی دفعہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کیے۔[19] طبری اور ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غیلان بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جرش (یمن کا ایک علاقہ) میں جا کر قلعہ شکن آلات کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا۔[20]

حالات سے مکمل آگاہی

ایک قائد اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک وہ حالات سے مکمل طور پر آگاہ نہ ہو۔ اس کے لیے فوجی کمانداروں سے حاصل کردہ رپوٹوں کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل تیار کیا جاتا ہے۔ گشتی پیٹرول کرنے والوں کی کارکردگی ہی فتح یا شکست کا باعث بنتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سپہ سالاری اور علمبرداری کے فرائض سونپتے وقت میرٹ کو ہی بنیاد بناتے۔ اس طرح ان کی صلاحیتوں کا بہترین استعمال ہوتا اور ان کے پیش نظر بھی یہ بات رہتی کہ انہوں نے امانت کو اپنی زندگی کا شعار بنانا ہے۔ اپنی عسکری فراست کے پیش نظر

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ ہی دشمن کی جنگی تیاریوں کا درست انداز لگایا، صورت حال سے ہمیشہ ہی باخبر رہے اور ایسا لائحہ عمل تیار کیا کہ دشمن کی چالیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمن کے ناگہانی حملوں کی بھی فکر رہتی تھی اسی لیے اس کے تدارک کے طور پر اپنا دفاعی نظام ہمیشہ ہی مضبوط رکھا۔ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنی غیر موجودگی میں ایک نائب اور کچھ فوج ضرور چھوڑ جاتے، جیسے غزوہ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ راز داری کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے غزوہ تبوک کے ہر غزوہ کے لیے روانگی کے وقت اپنے ارادے کو صیغۂ راز میں رکھا۔ [۲۱] فتح مکہ کے موقع پر امہات المومنینؓ تک کو سفر کی منزل کا علم نہ تھا۔ اس راز داری کے باعث ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے خبری میں قریش کو جالیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے کے لیے باقاعدہ آٹھ جاسوسی دستے روانہ کیے۔

غزوہ احد کے لیے قریش کی روانگی کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا عباس کے ذریعے ملی جو ابھی مکہ میں ہی مقیم تھے اور مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی میں چھ روز [۲۲] صرف ہوئے لیکن حملہ آوروں کو پہلے اس کا علم نہ ہو سکا۔ اس غزوہ میں بنو قریظہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد شکنی کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق کے لیے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور تاکید فرمائی کہ اگر اس خبر میں کوئی صداقت ہے تو واپسی پر مجھے اشارہ کنایہ میں اطلاع دیں تاکہ برملا انکشاف سے لوگوں میں بددلی نہ پھیلے۔

غزوہ ہوازن سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے اجتماع کی خبریں ملیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق کے لیے عبداللہ بن ابی حذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ وہ جاسوس بن کر حنین میں پہنچے اور کئی ایک روز تک فوج میں رہ کر تمام حالات تحقیق کیے۔ ان کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ [۲۳]

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بھی عادت مبارکہ تھی کہ اپنے کیمپ کے اردگرد محافظ اور پہرہ دار بھی متعین فرماتے:

انضباط

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سپاہ میں بے مثل انضباط پیدا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطاعت امیر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر چپٹی ناک والا حبشی بھی تمہارا حاکم بنا دیا جائے تو اس کی بھی اطاعت کرو۔'' [۲۴]

مسلمانوں نے اس پر مکمل طور پر عمل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مہم کے لیے نیا کمانڈار مقرر فرماتے: جو بعد میں کسی دوسری مہم میں ایک عام سپاہی کی حیثیت میں کسی دوسری مہم میں شرکت کرتا اور اس میں کسی قسم کی سبکی محسوس نہ کرتا۔ سریہ سیف البحر میں امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمانڈار تھے جب کہ سریہ رابع میں عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سریہ ضرار میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ کو کمان عطا ہوئی۔ موتہ کی لڑائی میں کمان زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک آزادہ کردہ غلام تھے۔ ان کے ماتحت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر جرنیل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کا جو آخری لشکر تیار کیا اس کی قیادت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپی گئی۔ اس لشکر میں لا تعداد جلیل القدر صحابہ کرامؓ شامل تھے اور کسی کو ایک نوجوان کی قیادت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کمان سے معزول کیا تو انہوں نے بلاکم و کاست حکم کی اطاعت کی اور ایک سپاہی کی حیثیت سے اس فوج میں خدمات سرانجام دیں۔

اب انضباط کا ذکر لشکر کے مارچ کرنے کے حوالے سے دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو تربیت دیتے اور ہر سمت ایسے افراد مقرر فرماتے جو ادھر کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے اور بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے۔ لشکر کے تین بڑے حصے...... مقدمۃ الجیش، قسم اکبر

Marfat.com

اور موخر دستہ...... ہوتے۔ ان کا ہمیشہ آپ میں مواصلات کا سلسلہ قائم ہوتا۔ لڑائی کے لیے لشکر کو چار حصوں یعنی یمنہ، میسرہ، قلب اور محفوظ میں تقسیم کیا جاتا۔ تیرانداز ہمیشہ ہی بازوؤں پر تعینات ہوتے۔ دشمن کے گھڑ سوار دستوں کو روکنے کے لیے نیزہ بردار اگلی صفوں میں تعینات کیے جاتے جب کہ تلوار بردار دستے آخری صفوں میں متعین کیے جاتے۔ تیراندازوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تھا کہ وہ اس وقت تک تیر نہ چلائیں جب تک دشمن انتہائی قریب یعنی رزم گاہ میں نہ پہنچ جائے۔ غزوۂ بدر میں دستوں کی ترتیب اس طرح رکھی گئی کہ یلغار کے وقت سورج مسلمانوں کی پشت کی جانب تھا جب کہ اس کی شعاعیں قریش کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ دشمن کو جلد از جلد ناکارہ بنانے کے لیے حکم تھا کہ ان کے جوڑوں پر ضرب لگائی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑائی کے لیے جاتے تو لڑائی سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نصرت کے اس طرح طالب ہوتے:

اللھم انت عنصری، ونصیری بک احول و بک اقاتل.

"اے اللہ! تو میرا دست و بازو ہے، تو میرا پروردگار ہے۔ تیرے سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں، حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔"

اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اپنی آوازوں کو پست رکھتے، شوروغل سے پرہیز کرتے۔[۲۵]

توریہ (دکھاوا)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑائی کا ارادہ کرتے تو اکثر توریہ سے کام لیتے اور فرماتے:

اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ.

"لڑائی دھوکہ ہے۔"

کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

ولم یکن رسول اللہ صلی اللہ عیہ وآلہ وسلم برید غزوۃ اِلَّا دَیَ ی بغیرھا.

Marfat.com

یعنی ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے۔''

غزوۂ بدر میں بدر پر پڑاؤ ڈالنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات عرب کے ایک شیخ سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے قریش کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے جواباً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق استفسار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اپنے سوال کے متعلق مکرر پوچھا تو اس نے قریش اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر دونوں کے متعلق بتایا کہ وہ اس وقت فلاں فلاں جگہ پر ہوں گے۔ پھر اس نے پوچھا:

''اب تم بتاؤ، تم کہاں سے آئے ہو؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہم کنویں سے آئے ہیں۔'' یہ کہا: اور واپس چلے آئے۔

وہ شیخ حیران ہو کر کہتا تھا:

''کنوئیں سے آئے ہیں؟ کیا عراق کے کنوئیں سے آئے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ جنگی حکمت عملی تھی کہ دشمن کو تذبذب میں رکھنے کے لیے محض تیاری کا حکم دیا جاتا، منزل مقصود خفیہ رکھی جاتی اور غیر معروف راستوں سے ہوتے ہوئے اچانک یلغار کی جاتی۔ اچانک حملہ انہی قوموں پر کیا جاتا جن کی نسبت یہ احتمال ہوتا کہ ان کو خبر ہو گی تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا کسی اور مقام پر بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ ان لوگوں کو خبر ہوئی اور وہ کسی اور طرف چل دیئے۔ ایسی مثالیں غزوہ سلیم ۳ھ غزوہ ذات الرقاع ۴ھ سریہ عکاشہ ۶ھ، سریہ علی الی بنی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶ھ، غزوہ بنو لحیان ۶ھ، سریہ عمر الی قربہ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷ھ اور سریہ کعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۸ھ کی ہیں۔

فتح مکہ کے وقت کوچ مکہ کی جانب جنوب کی بجائے شمال کا رخ کیا۔ جس سے گمان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید بازنطینوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلیف افراد کو ساتھ لے کر شمال مشرق کا رخ کیا اور پھر جنوب مشرق کو چلے۔ اس طرح رخ بدل بدل کر سفر کیا تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ دشمن کو

Marfat.com

اچانک دبوچ لینا کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اچانک مکہ پہنچ جانا قریش کی بد دلی کا باعث ہوا۔

حضور صلی علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احزاب کے سوا باقی تمام غزوات میں اچانک اصول پر عمل کیا اور ہر موقع پر طریق ہائے جنگ پر کامل مہارت کا ثبوت دیا۔ غزوہ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے شمال میں روانہ ہوئے اور نصف دائرہ بناتے ہوئے جعرانہ سے دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ صرف غزوہ تبوک کے موقع پر منزل ظاہر کی گئی تاکہ مسلمان نامساعد حالات میں دور دراز کے سفر کے لیے مناسب تیاری کر لیں۔ نیز ان کو معلوم ہو کہ مد مقابل ایک بہت بڑی قوت ہے۔ لیکن استعمال خفیہ راستوں کا ہی کیا گیا۔ غزوہ تبوک میں لڑائی کی نوبت نہ آئی لیکن مسلمانوں کا دشمن کی دہلیز پر پہنچ جانا ان کو مرعوب کرنے کے لیے کافی تھا۔ یہ نفسیاتی فتح سیاسی فتح میں تبدیل ہو گئی۔ ہرقل کو پتہ چل گیا کہ اسے مسلمانوں کے متعلق بدحالی کی جو اطلاعات مل رہی تھیں، وہ باطل تھیں۔ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر بصیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح کے تمام فوائد حاصل کر لیے۔ غزوات خیبر اور عطفان میں بھی اچانک پن کا یہی مظاہرہ کیا گیا۔ دومۃ الجندل کا حکمران نیل گائے کے شکار میں مصروف تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ بنو مصطلق پر بھی صبح سویرے حملہ کیا گیا۔

عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سپاہ میں کئی کئی سپاہی مشترکہ طور پر کھانا پکاتے تھے مگر فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دس ہزار سپاہ کو مکہ کی وادی میں پھیل جانے اور فرداً فرداً آگ کی مشعلیں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح مسلمان اصل تعداد کے مقابلے میں کوئی پانچ گناہ زیادہ نظر آئے۔ اس سے قریش کے حوصلے پست ہوئے۔ اسی وجہ سے ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایک تنگ گھاٹی کے اونچے کنارے پر کھڑا کیا تاکہ وہ پورے لشکر کی حرکت کا مشاہدہ کر سکے۔ یہ ایک بہت بڑا نفسیاتی حربہ تھا جس سے وہ بالکل ہی بددل ہو گیا۔ رہی سہی کسر اس کے گھر کو دارالامان قرار دینے کے اعلان سے نکل گئی۔

تحفظ اور چوکسی

ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

خذوا حذرکم.

''حفاظت، دفاع مکمل کرلو۔''

اس ارشاد کے مطابق سپاہ کو تحفظ، اسباب و اسلحہ کا تحفظ اور معلومات کا تحفظ شامل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود راتوں کو پہرہ دیا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ۲ھ میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطن نخلہ کی طرف روانہ کیا تو ان کو ایک سربمہر لفافہ دیا۔ فرمایا کہ اسے دو روز بعد کھولنا اور ہدایات پر عمل کرنا۔ خط کے مندرجات درج ذیل تھے:[۲۶]

''برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ نخلہ میں جا کر ٹھہرو جو مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے اور قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور ان کی خبریں دریافت کرو۔''

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر مکہ کے اردگرد پہاڑیوں پر الاؤ جلانے کا مقصد دشمن کو مسلمانوں کی اصل تعداد کے متعلق غلط فہمی میں ڈالنا تھا۔ غزوہ ہوازن میں ایک شب انس بن ابی مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلایہ گردی پر مامور کرتے وقت ہدایات دیں۔ اس فرض کے لیے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ، سامنے والے پہاڑ کی گھاٹی پر بطور خاص رات بھر نظر رکھو، ادھر سے کوئی ادھر نہ آنے پائے۔''

مالی وسائل کی فراہمی

کسی بھی فوج کی تیاری کے لیے مالی وسائل ناگزیر ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت کی تمام تر تہی دستی کے باوجود امت کی ایسی تربیت فرمائی کہ ہر لڑائی کے لیے عطیات جمع کرنے کے لیے ہر فرد دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا۔ اس ضمن میں غزوہ تبوک کی مثال درخشاں ہے۔ اس میں ہر فرد نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر عطیات جمع کرنے میں حصہ لیا۔ اگر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا آدھا مال پیش کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا گھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ اس قدر کم جانی و مالی وسائل کے باوجود ایک بہترین فوج کی تشکیل ایک عظیم عسکری کارنامہ ہے۔

ایک واضح نصب العین

ایک عظیم جرنیل اس خوبی سے بھی متصف ہوتا ہے کہ اپنی سپاہ کے ہر فرد تک نہایت ہی

Marfat.com

موثر اور منطقی طریقے سے ایک واضح نصب العین پہنچائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عظیم نصب العین تھا نہ کہ دنیاوی مقصد، علاقہ، دولت یا شہرت کا حصول۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کے لیے شکست موت نہیں بلکہ اصولوں سے انحراف قرار دیا۔

یہ اسی نصب العین کا ہی اعجاز تھا کہ مسلمان عظیم مقصد کی راہ میں بے جگری سے لڑتے تھے اور اپنا آخری قطرہ خون تک بہانا سعادت کی انتہا سمجھتے تھے۔

دوران جنگ (مشاورت)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشاورت کی طرح ڈالی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل ہر ایک متعلقہ فرد سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ فیصلہ کرنے سے پہلے ہر ایک اچھے نظریہ کی پذیرائی فرماتے لیکن جب فیصلہ کر لیتے تو پھر اس میں ردو بدل ناممکن ہوتا تھا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہیں:

> ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اپنے دوستوں سے مشورہ کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے نکل کر بدر میں مدینہ کی طرف نزدیک والے کنوئیں پر اترے۔ حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے حکم سے یہاں اترے ہیں یا کسی حربی تدبیر کے پیش نظر ایسا کیا ہے؟

فرمایا: ''حربی تدبیر کے پیش نظر ہی ایسا کیا ہے۔''

انہوں نے کہا: ''پھر مناسب نہیں۔ ہمیں قریش کے نزدیک والے کنوئیں پر اترنا چاہیے اور اس کے پیچھے جتنے کنوئیں ہیں، سب مٹی سے بھر دینے چاہئیں۔ پھر ہم تالاب کھود کر پانی سے بھر لیں ایسا کرنے سے ہمارے پاس پینے کے لیے وافر پانی ہوگا اور ان کے پاس پینے کے لیے پانی نہیں ہوگا۔''

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ لیکن اس کے باوجود دشمنوں کو پانی لینے کی عام اجازت دی۔[۲۷]

غزوہ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مشورہ مانا اور مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ حالانکہ عبداللہ بن ابی نے محصور ہو کر لڑنے کا مشورہ دیا تھا۔ اسی بنا پر اس نے اپنے تین سو افراد مسلم سپاہ سے نکال لیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''پیغمبر زرہ پہن کر اتار نہیں سکتا۔''
لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی۔

غزوہ احزاب کے موقع پر سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ پر خندق کھودی گئی۔ اس سے پہلے اہل عرب اس طریقہ سے بالکل ناواقف تھے۔ غزوہ طائف کے موقع پر جب بنی ثقیف محصور ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوفل بن معاویہ الدیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا:

''اہل طائف لومڑی کی طرح ہیں۔ لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی۔ چھوڑ دی جائے تو کوئی نقصان نہ ہوگا۔''

اس رائے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ اٹھا لیا۔

اس سے غزوات و سرایا کا مقصد بھی آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد ملک گیری، جوع الارض یا اقتدار ہوتا تو فتح تک محاصرہ جاری رہتا۔

غزوۂ خیبر میں حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑاؤ والی جگہ کے متعلق استفسار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ حکم خداوندی کے تحت کیمپ لگایا ہے یا حربی تدبیر کے تحت۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حربی تدبیر کے تحت ایسا کرنے کو کہا تو حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''یہ جگہ قلعہ نطاۃ کے بالکل قریب ہے۔ زیادہ تر ان (یہود) کی تربیت یافتہ اور جنگ آزمودہ فوج اسی قلعہ میں ہے، وہ ہمارے نظام حالات سے واقف ہیں جب کہ ہم ان کے حالات سے واقف نہیں۔ ان کے تیر ہم تک پہنچ سکتے ہیں اور ہمارے تیر ان تک نہیں پہنچ سکتے اور ہم پر ان کے شب خون مارنے کا بھی ہر وقت خطرہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ کھجوروں سے گھری

Marfat.com

ہوئی نشیبی جگہ ہے اور بیماری کا گھر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں تو ہم ان مفاسد سے خالی جگہ کیمپ لگائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ رائے پسند فرمائی۔ اور فرمایا: "تمہارا مشورہ درست ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک میں کم وبیش بیس روز قیام فرمانے کے بعد دیکھا کہ ہرقل کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہیں ہو رہی، اردگرد کے قبائل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدات طے فرمالیے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار ومہاجرین سے مشورہ کیا کہ رومیوں کے علاقے میں پیش قدمی کی جائے یا واپسی اختیار کی جائے۔ صحابہ کرامؓ کے مشورے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی کے لیے کوچ کا حکم دیا۔

زمین کا چناؤ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ ہی دشمن کے مقابلے میں لڑائی کے لیے ایک بہتر مقام کا انتخاب کیا۔

غزوہ بدر کی مثال لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریتلی زمین کا انتخاب کیا اور نشیبی زمین قریش کے حصے میں آئی۔ اس طرح بارش کے پانی نے ان کی مشکلات میں اضافہ کیا۔

خوراک کی فراہمی

دوران لڑائی یہ ضروری ہے کہ خوراک کی رسد سادگی سے جاری رہے۔ یہ چیز سپاہ کی کارکردگی کو بہتر بنانے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ غزوۂ بدر میں قریش اپنے لیے روزانہ ہی اونٹ ذبح کرتے۔ یہ چیز وقت کے ضیاع اور توجہ کے مبذول کرنے کا باعث بنتی۔ اس کے علی الرغم مسلمانوں کے ہر سپاہی کے پاس کھجوریں، ستو اور پانی موجود تھا۔ وہ ستو کو پانی میں گھول کر نوش کر لیتے۔ نظام رسد میں سادگی ان کو سرعت الحرکت بننے میں مدثابت ہوئی۔

ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں جب کہ بعض کے پاس خاصی خوراک موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

Marfat.com

''سب لوگ اپنے کھانے کی چیزیں لے آئیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کا مساوی راشن مقرر فرما دیا۔ اس طرح سب کو خوراک کی بہم رسانی آسان ہوگئی اور قرآن حکیم کے حکم کُلُوا جَمِیعًا کا مفہوم بھی ادا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی موقع پر حکم دیا کہ اب تمہیں الگ کھانے کی اجازت نہیں، سب کو ایک جگہ سے ایک جیسا کھانا ملے گا۔

جدت وتنوع

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑائی سے پہلے خود دست مبارک میں تیر لے کر سپاہ کی صفوں کو درست فرماتے تھے جب کہ اس کے برعکس کفار کی فوج میں کوئی تربیت وصف بندی نہ تھی۔ صف بندی ایک افسر (امام) کی اطاعت، تمام سپاہیوں (نمازیوں) کی باہم محبت اور دستگیری اور ایک تکبیر کی آواز پر پورے صفوف کی حرکت اور نشست و برخاست مسلمانوں کو صف جنگ کے اوصاف سکھاتی ہے۔[۲۹]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ سنت مبارکہ تھی کہ شب خون نہ مارا جائے بلکہ آپ علی الصبح طلوع آفتاب کے وقت لڑائی کا آغاز فرماتے:[۳۰]

جب شروع دن میں نہ لڑتے تو لڑائی کو موخر کر دیتے یہاں تک سورج ڈھل جاتا، ہوائیں چلنے لگتیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد اترپڑتی۔[۳۱]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات بھی ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے کہ آفتاب کی طرف منہ نہ ہو۔ ایسی صورت میں تمازت آفتاب کا شکار دشمن ہوتا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہواؤں کے رخ کا بھی خاص خیال رکھتے۔ کوشش یہ ہوتی کہ رزم گاہ میں ہوا پیچھے سے چل رہی ہوتا کہ وہ رفتار میں رکاوٹ کا باعث نہ بنے۔[۳۲]

غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی، غزوہ طائف میں منجنیق اور دبابے کا استعمال اور جنگ میں پیغام رسانی کے لیے پوشیدہ اور خفیہ لکھائی کا طریقہ ایجاد کرنے کا سہرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر ہے۔ اس طرح آپؐ نے دوران لڑائی کو ڈ ورڈز استعمال کرائے جیسے غزوہ بدر میں ''احد احد'' اور غزوہ احد میں ''اَمِت اَمِت'' یعنی مارو مارو کے الفاظ استعمال

Marfat.com

کیے گئے تا کہ حملے کے وقت دوست دشمن میں امتیاز برتا جا سکے۔

ثابت قدمی اور جاں نثاری

۱۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ [۳۳]

''اے ایمان والو! جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دو چار ہو تو ان کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری۔ الّا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے...... تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے۔''

۲۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا ۔ [۳۴]

''اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔''

عبداللہ بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی تھے۔ انہوں نے ایک مکتوب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان یوں نقل کیا: ''جب دشمن سے مقابلہ آ پڑے تو ثابت قدم رہو۔''

اسی مکتوب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی درج ہے: [۳۶]

وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ.

''یقین کرو کہ بہشت تلواروں کی چھاؤں میں ہے۔''

لڑائی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ بیعت لیتے کہ وہ میدان جنگ سے نہیں بھاگیں گے اور بعض اوقات مرنے پر بیعت لیتے۔ [۳۷]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر لڑائی کے موقع پر فراست، شجاعت اور قیادت کے بے مثال نمونے پیش کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام سرایا اور غزوات میں کبھی بھی سپاہ کی کمی کو اپنے ذہن پر سوار نہیں کیا۔ کم وبیش ہر غزوہ میں کفار کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اسی طرح ان کا اسلحہ اور ساز و سامان بھی مسلمانوں کے مقابلے میں بہت

Marfat.com

زیادہ ہوتا تھا۔ غزوۂ احد میں جب تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور حالات ناموافق ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم زخمی اور دندان مبارک شہید ہو چکے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمت اور یقین فزوں تر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر بھی مسلسل فوج کو ہدایت اور حوصلہ دے رہے تھے۔

غزوہ احزاب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے شانہ بشانہ خندق کھودی۔ خوراک کی کمی کے باعث جہاں مسلمانوں نے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی پیٹ پر پتھر باندھ کر چٹانیں توڑیں اور محاصرے کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ لیکن مسلمانوں نے کبھی بھی ہتھیار ڈالنے کا نہ سوچا۔

غزوہ حنین میں مسلمان پسپا ہو رہے تھے، ان کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بآواز بلند ان کو حوصلہ دلاتے رہے اور تیروں کی بارش میں بھی پیش قدمی فرمائی۔ [۳۸]

صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری کو ثابت کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ مختلف غزوات میں وہ اپنے قریبی عزیز و اقارب کے خلاف برسرپیکار تھے۔ غزوہ بدر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند عبدالرحمٰن (بعد میں مسلمان ہوئے) قریش کے لشکر میں شامل تھا۔ اسی غزوہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے ایک کافر بھائی کو واصل جہنم کیا۔

حکمت عملی

دشمن ہمیشہ ہی مسلمانوں کے مقابلے میں ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس بہترین صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے جم غفیر لے کر میدان میں اترا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انوکھی حربی حکمت عملی اور طریقہ دفاع کا استنباط کیا اور پھر اس پر عمل کیا:

قوت ایمان اپنی جگہ مسلم لیکن غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عسکری فراست نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے تجارتی کارواں کو روکنے کے لیے مدینہ سے نکلے تھے لیکن وہ بچ نکلا اور قریش کا لشکر اس کو بچانے کے لیے مکہ سے چل پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لشکر کا وادئ بدر کے شمالی مدخل کے بجائے کوہِ اسفل کے دامن میں انتظار کرنا بہتر سمجھا تاکہ منبع آپ کے کنٹرول میں رہے۔

Marfat.com

حربی نقطہ نظر سے یہ جگہ مدینہ سے بہت بہتر تھی اور مسلمانوں کے غالب آنے کے مواقع بہت زیادہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انفرادی جنگ سے احتراز کرنے کی ہدایت فرمائی تا کہ نقصان کا احتمال کم ہو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مثلث کی شکل مین صف بندی کا حکم دیا جس سے دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکا۔ اس کے برعکس قریش نے انفرادی لڑائی لڑی۔ صف ہائے ثلاثہ مخصوص علامت کی حامل تھیں۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے اپنوں اور دشمن میں امتیاز کرنا آسان ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولین بار عرب میں ان حربی چالوں کا استعمال کیا جن سے قریش قطعی طور پر نا آشنا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لشکر کی آمد کے بعد کی شب کی تاریکی میں اپنے لشکر کی جگہ تبدیل کر لی۔ اس طرح دوسرے روز مسلمانوں کی آنکھیں آفتاب کی شعاعوں سے خیرہ ہونے سے بچ گئیں۔ ایک کامیاب جرنیل کی ان چالوں کے نتیجہ میں چشم فلک نے دیکھا کہ بے سروسامانی والے ۳۱۳ مجاہدین نے کفار کی ایک ہزار سے زائد کیل کانٹے سے لیس فوج کو شکست فاش دی۔ غزوہ بدر قریش کے لیے البطشۃ الکبریٰ (بڑی پکڑ) قرار پایا۔

غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہاڑ کو قدرتی دفاع کے طور پر استعمال فرمایا اور جبل رماہ کے ایک کم ارتفاع ٹیلہ (جسے عینین کہتے تھے) پر پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مامور فرمایا: کیونکہ قریش کے پاس دو سو شہ سوار تھے جو اطراف ڈھانپے ہوئے تھے۔ ان کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دستے کو کسی بھی حالت میں اپنی پوزیشن سے ہلنے کی ممانعت فرمائی۔ ان کو مسلمانوں پر حملے کی صورت میں تیر اندازی کی ہدایت بھی فرمائی:

علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سپاہ کو انفرادی لڑائی سے پرہیز اور صف بندی کی تلقین فرمائی:

جب گھمسان کا رن پڑا تو مسلمانوں نے قریش پر دباؤ بڑھایا اور قریش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں کی صف بندی ختم ہو گئی اور وہ مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ ان کو دیکھ کر تیر اندازوں کا دستہ بھی (چند افراد کو چھوڑ کر) اپنی جگہ پر ثابت قدم نہ رہ سکا۔[۳۹] فوراً ہی خالد بن ولید کے سوار مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گئے۔ اب سامنے سے قریش کا دباؤ تھا اور عقب پر

Marfat.com

سواروں کا حملہ۔ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیغ و تیر و سنگ کی بارش ہو رہی تھی۔ اب مسلمانوں کو درہ پر تعینات دستے کی حربی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ شکست کے قریب پہنچے ہوئے مسلمانوں کو مکمل شکست سے دوچار ہونے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی نے ہی بچایا۔ قریش مدینہ پر حملہ آور نہ ہو سکے اور انہوں نے مکہ کی راہ لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جاسوسی کے نظام سے یہ اطلاع بروقت مل گئی کہ قریش شاید مدینہ پر حملہ آور ہوں (اگرچہ ایسا نہ ہوا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان سپاہ کو دوسرے روز ہی منظم کیا تاکہ کسی بھی قسم کے امکانی حملے کا مقابلہ کیا جا سکے۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کی عارضی ہزیمت کے بعد کفار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں دیوانے ہو رہے تھے۔ ابوسفیان نے چیخ چیخ کر ان کے متعلق پوچھا: پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جواب دینے سے منع فرمایا: لیکن جب اس نے اپنے ساتھیوں کو ان تینوں کے قتل ہونے کے متعلق بتایا تو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا اور پکار اٹھے:

''اللہ کے دشمن تو جھوٹ کہہ رہا ہے۔''

یہ اعلان اہل اسلام کی شجاعت اور بسالت کا اظہار ہے۔ پہلے جواب نہ دینا اور پھر جواب دینا، نہایت مناسب اور مستحسن اقدام تھا۔ جواب نہ دینے میں بے اعتنائی اور اس کی تذلیل منظور تھی اور اب جواب دینے میں اس کی تحقیر اور اہانت مقصود تھی۔

غزوۂ احزاب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دکھا دیا کہ بہت بڑے دشمن سے دفاعی جنگ لڑ کر بھی اسے شکست سے دوچار کیا جا سکتا ہے۔ عربوں کے ہاں خندق کے ذریعے دفاع ایک انوکھی چیز تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے پر کھودنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے باہر موجود ہر قسم کی زرعی پیداوار کو اندرون شہر منتقل کرنے کی ہدایات دیں تاکہ دشمن ان سے استفادہ نہ کر سکے۔[۷۰]

خندق کھودنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس حصہ لیا۔ خندق کو خشک ہی رہنے دیا گیا کیونکہ پانی بھر دینے سے اس کو عبور کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ خندق قلعہ شیخین

Marfat.com

سے قبا تک کھودی گئی یعنی مشرق، شمال مشرق اور جنوب مشرقی سمت میں خندق نہیں کھودی گئی کیونکہ ان اطراف میں باریک اور تنگ راستوں والے گھنے باغات کی موجودگی دشمن کی پیش قدمی میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔ محاصرہ کے دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعیم بن مسعود اشجعی (غطفانی رئیس جو باطنی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرفدار تھے) کو احزاب اور مدینہ کے یہودیوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کو کہا: نعیم نے یہودیوں کو قریش کے کچھ افراد اپنے پاس یرغمال رکھنے کا مشورہ دیا اور اس طرح کا مشورہ قریش کو بھی دیا۔ یہودی سرداروں کی ممکنہ یرغمالی کا خوب چرچا ہوا کہ یہودی ان یرغمالیوں کو مسلمانوں کے حوالے کردیں گے جو انہیں قتل کردیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب اس خبر کی صحت کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معلنا امرنا هم بذالک.

''شاید ہم نے ایسا حکم دیا ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذومعنی جواب کی ہر شخص کے لیے اپنی تعبیر تھی۔ قریش کو یہ پختہ یقین ہوگیا کہ یہودی مسلمانوں کے حلیف ہیں اور ان کا چند افراد کو یرغمال بنانے کا مطالبہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے یہ مطالبہ تو یکسر مسترد کردیا البتہ ہفتہ کے روز مسلمانوں پر حملہ کرنے کا مطالبہ کردیا۔ یہودیوں نے یوم سبت کو حملہ نہ کرنے کی دلیل دی۔ اس طرح احزاب اور یہودیوں کے درمیان شکوک پیدا ہوگئے اور وہ دونوں مسلمانوں کے خلاف متحدہ اقدام نہ کرسکے۔

تمام آثار وقرائن اور اسباب و وسائل اپنے حق میں ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح نامہ حدیبیہ کو ایک مغلوب کی طرح قبول کرنے میں ذرا تامل نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین قرار دیا کیونکہ اس معاہدے نے مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان دس برس کے لیے جنگ بندی کردی۔ اس طرح خیبر کے یہودیوں اور قریش کے درمیان اتحاد ختم ہوگیا۔ خیبر کو مزید تنہا کرنے اور اپنا عقب محفوظ کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے دو اتحادی قبیلوں (بنی فزارہ اور بنی غطفان) کی سرکوبی ضروری خیال کی۔ غزوات بدر اور احزاب میں مسلمانوں کی فتح اور معاہدہ حدیبیہ جس کی رو سے اہل مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرنے پر مجبور ہوئے کے پیش نظر انہوں نے لڑائی سے اجتناب ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔

Marfat.com

مکہ پر حملہ کرنے کے سلسلے میں لشکر کی تیاری کے احکام سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کا رابطہ بیرونی دنیا سے منقطع کیا تا کہ کسی طرح بھی قریش تک مسلمانوں کے ارادوں کی خبر نہ پہنچ سکے حتیٰ کہ تجارتی قافلے بھی شہر سے باہر ہی توقف کرتے، کاروباری لین دین بھی راس ہوتا۔ حاطب بن ابی بلتعہ نامی ایک مہاجر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تیاریوں کے پیش نظر اندازہ لگا لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے صیفی بن عمرو نامی ایک تاجر کی مشرک کنیز سارہ کو ایک خط لکھ کر اپنے خاندان والوں کو مکہ پہنچانے کا فریضہ سونپا۔ ایک تاجر کی کنیز ہونے کے ناطے اسے شہر سے باہر جانے پر کسی نے نہ روکا۔ مدینہ کے اطراف کے تمام راستوں کو کنٹرول کرنے پر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اطلاع دی۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو مرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں سارہ کا تعاقب کیا اور اسے مکہ کی راہ میں روضۂ فاخ کے مقام پر جا پکڑا۔ اس کے سر کی مینڈھیوں سے ایک خط ملا جس میں مسلمانوں کی تیاریوں کا ذکر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں استفسار فرمایا تو انہوں نے اقرار کیا کہ وہ اپنے خانوادہ کو مطلع چاہتے تھے کہ وہ مکہ کو چھوڑ دیں تا کہ لڑائی کے خطرات سے محفوظ رہ سکیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس موقف کو تسلیم کر لیا اور ان سے کوئی تعرض نہ فرمایا:[۱۴۱] حالانکہ یہ خط اگر دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا کرنا پڑتا۔

مکہ جانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور مختلف راستوں سے بیک وقت شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ اس طرح قریش کی کمر ہی ٹوٹ گئی۔

فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوازن اور ثقیف کے قبائل کی تیاریوں کی اطلاعات ملنا شروع ہوئیں۔ یہ قبائل اپنی شجاعت، تیراندازی اور تیر افگنی کے لیے شہرت رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں مکہ کی تسخیر کے بعد انہیں اپنی آزادی خطرے میں محسوس ہوئی۔ قریش کے کئی ایک متمول افراد کے طائف میں باغات اور املاک تھیں۔ یہ قبائل مسلمانوں کو شکست دے کر قریش کی میراث اور سیادت کے حصول کے خواہاں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

Marfat.com

وسلم نے پیش بندی کے طور پر فرمایا کہ ان کو مکہ کی طرف بڑھنے کا موقع نہ دیا جائے۔ کیونکہ اگر ان قبائل نے پیش قدمی کر لی تو قریش کے شورش پسند عناصر کو ایک بار سر اٹھانے کا موقع مل سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اندیشہ بالکل درست ثابت ہوا۔ لڑائی کے پہلے مرحلہ پر ہوازن اور ثقیف کامیاب ہوئے تو ایسے عناصر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے در پے ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت لڑائی جنگی لباس اور جنگی ہتھیار زیب تن فرماتے۔ بعض اوقات نیچے دو زرہیں پہنتے۔ مختلف کمانداروں کو دینے کے لیے متعدد علم استعمال فرماتے:

غزوہ بدر میں مہاجرین کا علم مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمایا۔

جب کسی قوم پر فتح پاتے تو اس مقام پر تین روز قیام فرماتے اور پھر واپس لوٹتے۔ عموماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعرات کو علی الصبح نکلنا پسند فرماتے۔ ہر فرد کو اپنے اپنے علم تلے لڑنے کا حکم صادر فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے علاقہ میں جاتے وقت قرآن حکیم ساتھ لے جانے سے منع فرماتے تھے۔ لڑائی سے پیشتر دشمن کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاتی۔

بعد از جنگ (قوانین جنگ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درج ذیل اصولِ حرب متعارف کرائے، تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیشتر عرب کی جنگ سفاکی اور درندہ پن کا مظہر تھی:

بچوں، عورتوں، جنگ نہ کرنے والے مردوں، گھروں میں پناہ گزیں لوگوں اور مذہبی پیشواؤں کے قتل سے منع فرمایا۔[۴۲] عرب میں دشمن کو گرفتار کرنے کے بعد کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیروں کا نشانہ بناتے یا تلوار سے قتل کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سختی سے مخالفت فرمائی۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لڑائی میں چند افراد کو اسی طرح قتل کرایا تھا۔ جب ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

Marfat.com

''اللہ کی قسم! میں مرغ کو بھی اس طرح مارنا جائز نہیں رکھتا۔'' عبدالرحمٰن نے اسی وقت کفارہ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کیے۔[۴۳]

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین میدان جنگ میں اگر گھمسان کا رن پڑا ہو تو حریف کے چہرہ پر وار کرنے سے منع فرمایا ہے۔[۴۴] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔[۴۵] عربوں میں یہ عام رواج تھا کہ فاتح کو یہ اختیار ہوتا کہ وہ مفتوح کو خواہ قتل کر دے، بردہ فروشوں کے ہاتھ فروخت کر دے یا غلام بنائے یا زندہ جلا ڈالے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے برعکس مفتوحین کو آزاد کر دینے کی طرح ڈالی۔ غزوہ بدر میں قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں سے جو باثروت تھے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار ہزار درہم فدیہ لے کر رہا کرنے کا حکم دیا۔ متوسط افراد کو نیزہ وتلوار مہیا کرنے کو کہا۔ خواندہ لیکن نادار قیدیوں کو دس بچوں کو خواندہ بنانے کا حکم دیا۔[۴۶] چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کاتب وحی تھے، اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔[۴۷] قیدیوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلب بن حنطب، صیفی بن ابی رفاعہ اور ابوعزہ جمعی پر احسان کیا اور ان کو بلا فدیہ آزاد کر دیا۔ اسیران بدر کو صحابہ کرامؓ میں دو دو چار چار کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ وہ ان کو کھانا کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے۔ ایک قیدی ابوعزیز (برادر مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا کہنا ہے کہ مجھے اسیر رکھنے والے صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ کو واپس کر دیتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔[۴۸]

قیدیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داماد ابوالعاص بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی رہائی کے لیے تین ہزار درہم فراہم کیے اور ایک ہزار درہم کے عوض کچھ زیور بیچا۔ اس میں ایک ہار خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا جسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دلگیر ہوئے۔ چنانچہ وہ ہار واپس کر دیا گیا۔[۴۹] عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو آمادہ کرنے کے لیے یہ تجویز پیش کی کہ ابوالعاص کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ

Marfat.com

ابوالعاص اپنی رہائی کے عوض زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دے یا حلقہ بگوش اسلام ہو جائے۔ چنانچہ اس نے رہا ہو کر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ بھیج دیا۔ غزوہ بدر میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس بھی گرفتار ہوئے۔ انصار کے کچھ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ: ''اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں تو ہم ان کو فدیہ کے بغیر چھوڑ دیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ایک درہم بھی ان سے نہ چھوڑو۔''[۵۰]

عباس کے ساتھ ان کے دو بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث اور ان کے حلیف عتبہ بن عمر بھی گرفتار ہونے والوں میں شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس کے ساتھ ساتھ ان تمام کا بھی فدیہ وصول کیا۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ملاحظہ ہو:[۵۱]

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓی لا اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے دلوں میں کچھ خیر ہے تو وہ تمہیں اس سے بڑھ چڑھ کر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہاری خطائیں معاف کرے گا، اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

غزوہ خیبر کی ایک قیدی صفیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عقد میں لے لیا وہ رئیس خیبر کی دختر تھیں اور ان کا شوہر بھی قبیلہ نضیر کا رئیس تھا۔ ان دونوں کے قتل کے بعد ان کے پاس خاطر، حفظ مراتب اور رفع غم کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مداوا نہ تھا۔ یہ حسن خلق اور رحم کی بہترین مثال ہے۔ اسی طرح کا واقعہ غزوہ بنی مصطلق میں جویریہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔

چشم فلک نے دیکھا کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا۔ مسلمان مکہ میں خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے۔ ''الیوم یوم الرحمۃ''۔ یاد رہے کہ قریش نے مسلمانوں کی

Marfat.com

ہجرت کے بعد ان کی املاک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ وقت تھا کہ ان کو ان کے حقوق دلائے جائیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ اپنی املاک سے دستبردار ہو جائیں۔[۵۲]

غزوۂ ہوازن کے دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپاہ سے فرمایا کہ اگر تم نجدیوں پر قابو پالو تو بنی سعد بن بکر کے کسی فرد پر سختی نہ کرنا۔ دشمن کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ گرفتار شدگان میں شیما بنت الحارث بھی تھیں۔ ان کا نام حذافہ اور لقب شیما تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضائی بہن تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو احترام سے اپنی چادر بچھا کر بٹھایا اور واپسی پر انہیں کچھ اونٹ، بکریاں، ایک غلام مکحول اور ایک باندی عطا فرمائی۔ ہوازن کے قیدیوں کی رہائی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رئیس قبیلہ زہیر بن حرد کی استدعا پر فرمایا کہ ''خاندان عبدالمطلب کے حصے کے قیدی تو فوری طور پر رہا ہیں لیکن عام رہائی کے متعلق تم نماز ظہر کے بعد مسلمانوں کے اجتماع کی درخواست پیش کرو۔'' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: ''مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لیے سفارش کرتا ہوں۔'' مہاجرین اور انصار بول اٹھے: ''ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔'' اس طرح چھ ہزار قیدی دفعتہً آزاد ہو گئے۔[۵۳]

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہروں کو آگ لگانے، فصلیں اور پھلدار درخت اجاڑنے، جانوروں کو بے دریغ قتل کرنے سے منع فرمایا:

(ج) احترام انسانیت کا یہ عالم تھا کہ دشمن کے مقتولین کو بھی واپس ہونے سے پہلے ٹھکانے لگواتے۔[۵۴] غزوہ بدر کے موقع پر کفار کے مقتولین کی زیادہ تعداد کے پیش نظر الگ الگ دفن کرنے کی بجائے ان کی لاشوں کو ایک وسیع کنوئیں میں ڈلوا دیا۔ لیکن امیہ بن خلف کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی کہ اس جگہ سے ہٹائی جائے، اس لیے وہیں خاک میں دبا دی گئی۔[۵۵]

(د) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادت گاہوں کی بے حرمتی سے ہمیشہ ہی منع فرمایا:

(ر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کو آگ میں جلانے، ایذا دینے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

کے خلاف اپنی لسانی فصاحت کا مظاہرہ کیا جا سکتا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: کہ یارسول اللہ! اس کے دو دانت اکھڑوا دیجیے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اگر اس کو مثلہ کروں گا تو خدا اس کے بدلے میں میرے اعضاء بھی بگاڑ دے گا۔ [56]

جب کوئی مقام فتح ہو جاتا تو حضور اقامت عدل کے لیے وہاں تین روز تک قیام فرماتے۔ [57] جب فتح وظفر کی خبر آتی تو سجدہ شکرانہ بجا لاتے۔ [58] غنیمت کا ہر قسم کا مال جمع کرنے کا حکم دیتے۔ پہلے سُلب کے حقداروں میں سُلب تقسیم فرماتے، پھر باقی غنیمت کے پانچ حصے فرماتے۔ پانچواں حصہ ان لوگوں کو دیتے جن کو دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اس میں سے کچھ مال رفاہ عامہ میں خرچ فرماتے۔ کچھ ان لوگوں کو دیتے جن کا غنیمت میں باقاعدہ حصہ نہیں جیسے غلام، بچے اور عورتیں۔ پھر باقی چار حصے فوج میں تقسیم فرماتے۔ گھوڑ سوار کو تین حصے دیتے۔ ایک حصہ اس کا اور ''اس کے گھوڑے کے ہوتے اور پیدل کو ایک حصہ دیتے۔ اگر مناسب سمجھتے تو بعض لوگوں کو اصل غنیمت سے انعام دیتے جیسے ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر شہسوار اور پیدل کے دونوں حصے دیئے۔ لیکن عام طور پر انعام کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تھا کہ ''طاقتور کو اپنی غنیمت میں کمزور کو بھی شریک کرنا چاہیے۔''

یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ مسلمان دنیا کی عظیم ترین سپاہ بن گئے۔ ان کے اخلاق کا پیمانہ ہمیشہ ہی بلند رہا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو مسلمانوں کے داخلۂ شہر کے وقت رومیوں نے خوبصورت دوشیزائیں فصیل شہر پر ایستادہ کر دیں۔ لیکن آفرین ہے کہ انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھا۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم ۲۱:۳۳

۲۔ حکمت عملی ان رویوں اور اقدامات کا نام ہے جو جنگ سے پہلے اور اس کے بعد دشمن کی کامیابی کے امکانات کو مسدود کریں اور حالات کو اپنے حق میں سازگار بنائیں۔ اسلام تکبر و غرور کو سخت ناپسند کرتا ہے لیکن جہاد کے موقع پر قوت کے اظہار کو پسند فرمایا گیا ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الخیلاء فی الحرب)۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس سے دشمن مرعوب ہوتا ہے اور رفقاء میں مستعدی و سرگرمی پیدا ہوتی ہے۔

۷ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو عمرۃ القضا ادا کرنے کا حکم دیا۔ طواف کے دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ارشاد فرمایا کہ کفار کے سامنے اپنی قوت اور چستی کا مظاہرہ کریں، اپنے کندھوں سے چادریں ہٹالیں دوڑ دوڑ کر طواف کریں۔ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے فرمایا: نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ میں آنے سے قبل مشرک ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ تمہارے شہر میں وہ لوگ آئیں گے جن کو یثرب نے ضعیف اور ناتواں کر دیا ہے۔ اس کے ردعمل کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا حکم دیا۔

۳۔ منصوبہ بندی جنگ کے عملی پہلو سے متعلق ہوتی ہے۔

۴۔ قرآن حکیم ۹:۳۹

۵۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۴، ص ۱۴

۶۔ بخاری کتاب المغازی

۷۔ تفسیر فی ظلال القرآن ۹:۳۸۔۳۹

۸۔ عربوں کی یہ عادت تھی کہ وہ سخت بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے تاکہ کمر جھکنے نہ پائے۔

۹۔ بخاری باب غزوہ احزاب

۱۰۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۳۹۱ بحوالہ شبلی نعمانی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱، ص ۲۲۶

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب علامات النبوۃ فی الاسلام و سریہ موتہ۔

۱۳۔ بخاری کتاب المغازی

۱۴۔ قرآن حکیم ۸:۶۰

Marfat.com

۱۵۔ بخاری کتاب الجہاد والسیر

۱۶۔ ابوداؤد، باب الضمانہ

۱۷۔ مسند احمد حنبل، ج ۴، ص ۳۶

۱۸۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم، ج ۱، ص ۳۲۴ شبلی نعمانی

۱۹۔ طبری، ج ۳، ص ۱۶۶۹ مطبوعہ یورپ بحوالہ ایضاً

۲۰۔ بخاری کتاب الجہاد والسیر

۲۱۔ موسیٰ بن عقبہ کے خیال میں خندق کی تیاری میں بیس روز، واقدی کی رائے میں چوبیس روز اور ابن قیم کے نزدیک پورا ایک مہینہ لگا تھا۔

۲۲۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱، ص ۳۱۸ شبلی نعمانی

۲۳۔ مسلم

۲۴۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱، ص ۱۹۸ شبلی نعمانی

۲۵۔ طبری، ص ۱۲۷۴ بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم، ج ۱، ص ۳۵۰

۲۶۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۶ بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم، ج ۱، ص ۱۷۹ شبلی نعمانی

۲۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۱۰۹، کتاب قول اللہ وامرھم شوریٰ بینھم

۲۸۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۵، ص ۱۰۰ شبلی نعمانی

۲۹۔ بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر

۳۰۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد باب فی الوقت یستحب اللقاء

۳۱۔ خطبات بہاول پور، ص ۲۹۱ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۳۲۔ قرآن حکیم ۸:۱۶

۳۳۔ قرآن حکیم ۸:۴۵

۳۴۔ بخاری کتاب الجہاد باب البصر عنہ القتال

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ بخاری کتاب الجہاد والسیر

۳۷۔ بخاری کتاب الجہاد، باب الشجاعۃ فی الحرب والجبن

۳۸۔ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۴۰۱ بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۱، ص ۲۲۸ شبلی نعمانی

۳۹۔ اس حکمت عملی کو دوسری عالمی جنگ میں روس نے جرمنی کے خلاف اختیار کیا۔

۴۰۔ بخاری کتاب المغازی و کتاب الاستذان

۴۱۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد

Marfat.com

۴۲ ابوداؤد، ج ۲،ص ۱۰، باب الاسیر بالنبل
۴۳ بخاری کتاب العتق مسلم کتاب البر والصلہ
۴۴ مسلم کتاب البر
۴۵ مسند احمد حنبل، ج ا،ص ۲۴۶
۴۶ طبقات ابن سعد، غزوہ بدر، ص ۱۴
۴۷ تاریخ طبری، ص ۱۳۸۸ بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ا،ص ۲۰۳
۴۸ ایضاً بحوالہ ایضاً ص ۲۰۴
۴۹ بخاری، باب فضل الجہاد و باب فدا المشرکین
۵۰ قرآن حکیم ۸: ۷۰
۵۱ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ا،ص ۳۱۱ شبلی نعمانی
۵۲ بخاری کتاب المغازی، تاریخ طبری ج ۳،ص ۱۶۷۶ بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ا،ص ۳۲۷ شبلی نعمانی
۵۳ روض الانف بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ا،ص ۲۰۲ شبلی نعمانی
۵۴ بخاری کتاب المناقب
۵۵ تاریخ طبری، ص ۱۳۴۴، بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم، ج ا،ص ۲۰۳ شبلی نعمانی
۵۶ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یقیم عنہ الظہور علی العدد بارفہم
۵۷ ابوداؤد کتاب الجہاد فی سجود الشکر

Marfat.com

بین الاقوامی تعلقات کا اسلامی نظریہ

ظہور اسلام کے وقت حکمران تہذیب وثقافت کے نام پر لامحدود اختیارات کا استعمال کرتے اوراس طرح عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس وقت کی دو بڑی طاقتیں قیصر و کسریٰ تھیں اور تمام دنیا دو بڑے کیمپوں میں تقسیم تھی۔ رعایا کے ساتھ نہایت ہی ذلت آمیز سلوک ہوتا تھا۔ بظاہران ریاستوں کی بڑی چمک دمک تھی لیکن اندرونی طور پر وہاں بدظنی، نفرت اور عدم اعتماد کی فضا تھی۔ دنیا سیاسی، معاشی اور طبقاتی اختلافات کی بنا پر فی الواقعہ جہنم بن چکی تھی۔ دلسوزی کا مستقل راج تھا اور دنیا آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی تھی۔

عصر حاضر میں بین الاقوامی تعلقات کو نہایت ہی پیچیدہ نوعیت کا حامل مانا جاتا ہے۔ سیاسی تعلقات اور پالیسیوں کی کمی نہیں ہے حتی کہ اقوام متحدہ کا ادارہ بھی موجود ہے لیکن پھر بھی امن کا قیام نظر نہیں آتا۔ ذرائع کی کمی نہیں ہے لیکن ایزدی کے مطابق اقدامات کے نہ ہونے کی حیثیت وجہ سے سکون نہیں ہے۔ خشیت الٰہی کا فقدان ہے اس لیے اخروی جوابدہی کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ جب تک انسانوں کے ساتھ تعلقات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات کے تابع نہیں کیا جاتا اور خود غرضی کی بجائے مطیع خداوندی اختیار نہیں کی جاتی، امن عالم حاصل نہیں ہوسکتا۔ خود غرضی کے جذبات کی وجہ سے ہی پوری دنیا نسلی اور قومی تعصبات کا شکار ہے اور انتہا پسند ثقافتی، سیاسی اور معاشی رقابتیں انسانیت کے ساتھ تباہی کا کھیل رچا رہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات کو استوار کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان فاصلے کو درست کر لیتا ہے۔''

اہل مغرب اسلام کو ایک مذہب خیال کرتے ہیں جب کہ مذہب ایک مسلک کے مترادف ہوتا ہے۔ اس کے علی الرغم اسلام ایک دین ہے جو زندگی کے اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کا تعلق دنیوی اور اخروی زندگی دونوں سے ہے۔ اسلام میں جنگ اور صلح دونوں کے قوانین کی مساوی اہمیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب او

Marfat.com

رسیاست میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مغربی علماء کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ اقوام کے مابین طرزِ عمل کا جدید ضابطہ سولہویں صدی کے آخر اور سترہویں صدی کے ابتدائی عشروں تک فروغ نہیں پایا تھا جب ہیوگو گردشش کی شہرہ آفاق کتاب (The Law of war and peace) ۱۶۲۵ء میں منظر عام پر آئی اور بین الاقوامی قانون انیسویں صدی کے آخر تک اپنے سن بلوغت کو پہنچا۔ لہٰذا بین الاقوامی قانون اور سفارتی درجات مسیحی ریاستوں کے مابین ان کے طرزِ عمل کے اصول تھے اور ان کا اطلاق یکسر دنیائے مسیحیت پر ہی ہوتا تھا۔

آرتھر نسباؤم (Arther Nussbaum) رقم طراز ہے کہ "قرون وسطیٰ میں پاپائے روم غیر مسیحی حکمرانوں کے ساتھ معاہدات طے کرنے کی ممانعت کرتے تھے۔[۲] مثال کے طور پر شاہ ولاڈسلاس (Vladislas) کے دربار میں تعینات پاپائے روم کے مندوب کو عام حکمت عملی کے طور پر ترکی کے سلطان مراد دوم (۱۴۲۱۔۱۴۵۱ء) سے معاہدہ کالعدم قرار دینے کا اختیار حاصل تھا کیونکہ "کافروں کے ساتھ کیے گئے عہد کی کوئی وقعت نہیں ہے۔"[۳] تاہم سفارتی تحکمات جن کے نتیجہ میں ۱۹۵۶ء کی پریس کانگریس قائم ہوئی میں یہ طے پایا کہ ترکی کو رسمی طور پر سفارت کاری کے یورپی ڈھانچے میں رکن کے طور پر مدعو کیا جائے۔ اس کے باوجود ایڈورڈ واس گیولک (Edward Vos Gulic) کا کہنا ہے کہ یورپی سفارتی ڈھانچے نے "سلطنت عثمانیہ کو اور باقی ماندہ دنیا کو غیر رکن ہی تصور کیا[۴] حتیٰ کہ ۱۸۸۹ء میں بھی تھیوڈور ڈی ولزے کو یہ یقین تھا کہ مسیحی اقوام بین الاقوامی قانون کو صرف اپنے باہمی تعلقات میں لازمی تسلیم کرتی تھیں۔[۵] مغرب نے جنگ عظیم دوم کے بعد تک بین الاقوامی قانون اور سفارتی طریقوں کے فوائد سے غیر مسیحی دنیا کو بار آور نہ کیا۔ (حتیٰ کہ اس وقت بھی برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل کے اس بارے میں سنجیدہ تحفظات تھے کہ اوقیانوس چارٹر کی دفعات کا غیر مغربی ممالک پر اطلاق ہونا چاہیے یا نہیں؟ اس پس منظر میں یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ اسلام نے اپنے لیے اور غیر مسلم دنیا کے لیے بین الاقوامی طرزِ عمل کے مختلف ضوابط وضع نہیں کیے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے انبیاء کرام علیہ السلام کے برعکس آفاق عالمین پر

Marfat.com

جلوہ فرما ہوئے جیسا کہ ارشاداتِ باری ہیں:

۱۔ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہو اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔''

۲۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔[۷]

''ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

۳۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا۔[۸]

''اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تم کو تمام انسانوں ہی کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

۴۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ۔[۹]

''یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے۔''

اسی حقیقت کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

هر کجا هنگامهٔ عالم بود
رحمة للعالمینی هم بود

اسلام میں بنیادی طور پر بین الاقوامی تعلقات کے لیے رہنمائی قرآن حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ملتی ہے۔ بعد میں آنے والوں کے لیے بھی یہی تقلید کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ قرآن حکیم کی کئی ایک آیات اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ وحدتِ تخلیق کا تعلق براہ راست خالق کی وحدانیت سے ہے۔ جیسے فرمایا:[۱۰]

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o لا الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ o لا الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ o ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ

Marfat.com

كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝

''نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔ جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔ ہم نے تمہارے قریب کے آسمان کو عظیم الشان چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور انہیں شیطانوں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ہم نے مہیا کر رکھی ہے۔''

بین الاقوامی سطح پر معاشی عدل کی بنیاد انسانیت قرار دی گئی کیونکہ الخلق عیال اللہ صاحب الخلق الی اللہ من احسنی الٰی عیالہ۔ اس طرح اسلام تمام دنیا سے نفرت اور تصادم کا خاتمہ چاہتا ہے اور سودمند تعلقات کے فروغ کا خواہاں ہے۔ لہٰذا یہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے بین الاقوامی طرز عمل کا ایک ہی ضابطہ چاہتا ہے۔ ان بنیادی عقائد کے ذریعے ایک ایسی عالمگیر ریاست کی بنیاد رکھی جاتی ہے جس کے دائرے میں تمام انسان ایک عالمی ریاست کے عالمی شہری قرار پاتے ہیں جن کے حقوق مساوی اور فرائض یکساں ہیں۔

مدینہ کے یہودی اوس، خزرج کو باہم متحد نہیں ہونے دیتے تھے جن کی جنگ بعاث نے کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض ایک پیغمبر ہی نہ تھے بلکہ آپ ایک مدبر بھی تھے۔ ہجرت کے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۲۲ء میں ایک بین الاقوامی معاہدہ امن طے فرمایا جو میثاق مدینہ کے نام سے منسوب ہے۔ اس میں ہر طبقہ کے سیاسی اور معاشرتی حقوق وفرائض متعین کر دیئے گئے۔ اس کا حرف حرف آج بھی زندہ و پائندہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کو امن وامان اور اخوت و مساوات کا گہوارہ بنایا اور یہیں سے اپنا پیغام امن بین الاقوامی سطح پر پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین

Marfat.com

اسلام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مستحکم حکومت کی دعا فرماتے۔[11]

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا○

''یعنی اور دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔''

میثاق مدینہ کو آج بھی غیر مساوی فریقین کے مابین مساوی معاہدے کے نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی رو سے غیر مسلموں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کی ضمانت دی گئی۔ معاہدے کی دفعات ہیں۔[12] یہ معاہدہ طرفین کی رفاہیت اور حقوق کی نگہبانی میں جامعیت کے اعتبار سے تاریخ کا اہم ترین باب ہے۔[13] میثاق مدینہ محض میثاق نہیں بلکہ ایک دستور ہے جو تحریر ہے اور اس کے لیے لفظ صحیفہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے پہلا دستور تھا۔[14] اس کا ایک مقصد اسلام کی حقانیت کو ممتاز کرنا بھی تھا۔ اسی مقصد کے پیش نظر دستور کی ایک دفعہ میں مسلمانوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر ان کا کوئی غیر مسلم رشتہ دار کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو ان کی قصاص پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کسی مسلمان کے خلاف کسی غیر مسلم کی مدد کرنی چاہیے۔ معاہدے کا مرکزی مسئلہ جنگ و صلح کے امور ہیں۔ یہ لازم قرار دیا گیا کہ جنگ و صلح من حیث المملکت ہو گی۔ ایسا نہیں ہو گا کہ چند لوگ صلح یا جنگ کریں اور چند نہ کریں۔ بلکہ ہر ایک کی ذمہ داری انفرادی ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی بھی قرار پائی۔ مدینہ کو ایک حرم قرار دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں سے ایک نیم عرب شہر کو حرم منوا لینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک سیاسی کارنامہ تھا۔[15] میثاق مدینہ درحقیقت محتاط اور دانشمندانہ اصلاح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل کی بے راہ روی پر کھلم کھلا ضرب نہیں لگائی لیکن اسے ختم کر ڈالا۔ یہ دستاویز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے نظیر اور فرزانہ سیاست کی نشاندہی کرتی ہے۔ دستاویز نہ صرف اپنے زمانے میں اہمیت کی حامل تھی بلکہ اس نے آنے والے تمام مسلمان حکمرانوں کے لیے بھی رہنما اصول مہیا کیے کہ وہ اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ کس طرح سلوک کریں۔ یہ انسانیت کا اولین دستور ہے، بعد کے تمام دستاویز و منشور بشمول

Marfat.com

اقوام متحدہ کے منشور اسی کا چربہ ہیں۔[16]

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹ ھ میں غسان کی سرحد پر عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ امن کے معاہدات طے کیے ان کو جزیہ کی ادائیگی پر مسلمانوں کے زیر حفاظت لیا گیا۔ اس طرح یہ ایک مستند حکمت عملی بن گئی کہ جب حفاظت نہ کی جاسکے تو یہ رقم قبول نہ ہوگی۔ جب کوئی فرد یا قبیلہ جزیہ دینے سے انکار کرتا تو حفاظت کا ذمہ واپس لے لیا جاتا تھا۔ اسلام معاہدین کو اپنے دامن رحمت میں چھپالیتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذمی کے قتل کے بارے میں فرمایا:

۱۔ من قتل معاهد الم يرح رائحة الجنة.[17]

''جس نے کسی معاہد (ذمی) کو قتل کیا وہ جنت کی بو سے بھی محروم ہوگا۔''

۲۔ عن عدة من انباء الضحاته من ابائهم رفعوه الامن ظلم معاهدًا او انتصة او كلفه فوق طاقته اور افذشيئا بغير طبب نفس نانا حججه يوم القيامة.[18]

''کئی فرزندانِ صحابہؓ اپنے آباء کے حوالے سے موضوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو معاہد پر ظلم کرے یا معاہدے میں کمی پیدا کرے یا اس کی قوت برداشت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے یا اس کی خوش دلی کے بغیر اس سے کچھ وصول کرے تو اس میں روز قیامت اس کی طرف سے وکیل ہوں گا۔''

اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص معاہد کو ناحق مار ڈالے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت حرام کردے گا۔''[19]

اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص معاہدہ کو ناحق مار ڈالے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت حرام کردے گا۔''

خلفاء راشدین کے دور میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ جیسے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل حمص سے وصول کیا گیا جزیہ واپس کردیا کیونکہ مسلمان اہل شہر کی حفاظت نہیں کرسکتے تھے۔ جزیہ کی بدولت ذمیوں کے لیے مذہبی اور ثقافتی خودمختاری کی ضمانت بھی میسر آتی

Marfat.com

تھی۔ اگر چہ میثاق مدینہ تو یہودیوں کے لیے بغیر جزیہ کی ادائیگی کے مذہبی آزادی بھی مہیا کرتا تھا یعنی یہودیوں کا اپنا دین اور مسلمانوں کا اپنا دین۔ [۲۰]

دستور مدینہ سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

اولاً: باجوداس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہودی قبائل کے درمیان تعلقات روبہ تنزل ہوئے جس کا نتیجہ یہودیوں کے مدینہ سے اخراج کی شکل میں سامنے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مثال قائم کردی کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی دوستی اور باہمی اعانت کے معاہدات طے کرنے کے لیے مذاکرات ہوسکتے ہیں۔ نتیجۃً مساوی ذمہ داریوں کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

ثانیاً: غیر مسلم شہری جزیہ ادا کر کے ذمی بن سکتے ہیں۔ اس طرح ان کی حفاظت اسلامی ریاست کے ذمہ ہوگی۔ اگر وہ فوجی خدمات ادا کرنا چاہیں تو بھی ان کی حیثیت مکمل شہریت اندوزی والی ہوگی۔

ثالثاً: آزادانہ طور پر طے کیے گئے معاہدات کا رسمی ذمہ داریوں کا درجہ ہوگا جن کو یک طرفہ طور پر منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔

دریں اثنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے گرد ونواح کے قبائل سے بھی معاہدات کیے اور اس کے ساتھ قریش کے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی کی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مدینہ کی ریاست کا احساس دلایا۔ ۲ھ میں غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد قریش نے ایک وفد دوبارہ حبشہ بھیجا تاکہ وہاں مقیم مسلمانوں کو نجاشی سے حاصل کر لیں اور ان کی ایذا رسانی کا سامان کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ الضمری (جو ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے) کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی سفارش کرے اور ان کی حفاظت کے لیے نجاشی کو آمادہ کریں۔

مدینہ کو اقتصادی محاصرہ سے نجات دلانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کے عمرہ کا قصد کیا اور وہاں معاہدہ حدیبیہ طے پایا جس کی رو سے مسلمانوں نے قریش کے مفرور ان کو واپسی کرنے تھے۔ لیکن قریش اس شرط سے مبرا تھے۔ معاہدہ طے پانے کے وقت

Marfat.com

قریش کے سفیر سہیل بن عمرو کے فرزند ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو مسلمان ہو چکے تھے) پا بہ زنجیر وہاں آ گئے۔ (وہ مکہ کے نشیب کی طرف سے نکل بھاگے تھے) قریش نے ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ لمحہ باعث اضطراب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس کر دیا۔ اور فرمایا:

''اے ابو جندل صبر کرو! ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔''

وقت نے ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فیصلہ کتنا درست تھا۔ معاہدہ کی یہی شق اہل مکہ کے لیے مصیبت بن گئی۔ اسی طرح ایک بار ابو رافع قریش کے سفیر بن کر مدینہ آئے اور اسلام قبول کر کے وہیں ٹھہر جانا چاہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ ہی قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں۔ اس وقت تم واپس جاؤ۔ اگر وہاں جا کر بھی تمہارے دل کا یہی حال رہے۔ تو پھر تم مدینہ آ جانا۔ چنانچہ ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ لوٹ گئے، دوبارہ مدینہ آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں اور قریش کو امن و سلامتی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ روابط قائم کرنے کا موقع ہاتھ آیا۔ قریش اور دیگر قبائل کو اسلام کو عقل و شعور کے ساتھ سمجھنے کا بھی موقع ملا۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی بنا پر کفار مدینہ میں آتے اور قیام کے روابط کی وجہ سے ان کو اسلام کا بھی ادراک ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے جتنے مسلمان ہوئے تھے ان دو سالوں میں اتنے یا اس سے زیادہ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ اسلام بھی اسی زمانے کی یادگار ہے۔ ایفائے عہد کی ایسی کوئی مثال ملنا مشکل ہے۔ اسی طرح مکہ کے ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (عتبہ بن اسید ثقفی) نے اسلام قبول کیا اور مدینہ آ گئے۔ قریش کے دو آدمی انہیں واپس لانے کے لیے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کی پاسداری کرتے ہوئے انہیں واپس کر دیا۔ مکہ کی راہ میں ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موقع پا کر ایک کو قتل کر دیا جب کہ دوسرا فرار ہو گیا۔ اب ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحیرہ احمر کے کنارے شام

Marfat.com

کی شاہراہ پر عیص نامی ایک جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں مکہ کے دیگر مفرور بھی ڈیرا ڈالنے لگے۔ انہی میں ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔[۲۲] دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تعداد ستر ہو گی۔ وہ قریش کے آنے والے ہر قافلہ کے لیے وبال جان بنتے چلے گئے حتی کہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدے کی اس شق کی تنسیخ کی استدعا کی جسے پذیرائی ملی۔ اس طرح مسلمانوں کو مضطرب کرنے والی شق قریش کے لیے پریشان کن نکلی۔ چند عورتیں بھی مسلمان ہو کر مدینہ آئیں۔ ان میں ام کلثوم عتبہ بن ابی معیط کی جوان کنواری بیٹی تھی۔ اس کے رشتہ دار اس کو لینے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس نہیں کیا کیونکہ یہ شرط مردوں کے واپس کرنے کی تھی نہ کہ عورتوں کی۔[۲۳] اس ضمن میں فرمان الٰہی ملاحظہ ہو:[۲۴]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو (ان کے مومن ہونے کی) جانچ پڑتال کر لو، اور ان کے ایمان کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال۔ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ان کے دیئے تھے وہ انہیں پھیر دو اور ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کے مہر اُن کو ادا کر دو۔ اور تم خود بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رہو۔ جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیئے تھے وہ تم واپس مانگ لو اور جو مہر کافروں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دیئے تھے انہیں وہ واپس مانگ لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہ

Marfat.com

تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ علیم حکیم ہے۔''

اس کے بعد معاہدے کی دوسری شرائط بھی جو بظاہر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں، رفتہ رفتہ بے اثر ہوتی چلی گئیں۔ فقط وہ شرائط باقی رہ گئیں جو مسلمانوں کے لیے سود مند تھیں۔

اس شق کی تنسیخ کے بعد پھر بھی مسلمانوں نے قریش کے تجارتی قافلوں سے تعرض نہیں کیا بلکہ خود اس کی حفاظت کے لیے فوج بھیجتے تھے۔[۲۵] جیسے سریہ خبط با سیف البحر (۸ھ) شام سے واپس آنے والے قریش کے تجارتی قافلے کی حفاظت اور جہنیہ کو روکنے کے لیے روانہ کیا گیا:[۲۶]

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خون ریزی کو روکنے اور امن و سلامتی کے قیام کے لیے اہل مکہ اور دیگر اقوام سے بھی معاہدے کیے۔ یہ معاہدے صحیح معنوں میں اخوت، عدل و انصاف، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور اسوۂ حسنہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ یہ معاہدے اس لیے کامیاب رہے کہ ان میں اخلاقی روح کارفرما تھی اور زندگی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کے نکتہ نظر کو بدل دیا تھا۔ غزوہ خیبر وہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا کے لیے بنائے گئے طرز حکومت کی بنیاد پڑی۔[۲۷] یہ معاہدے نفرت، انتقام اور انسانی توہین کے ہر اثر سے پاک ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجران، جو عیسائی تھے، کے ساتھ ۱۰ھ میں جو معاہدہ طے فرمایا: اس کی دفعات ملاحظہ ہوں:[۲۸]

۱۔ ہرگز ہرگز ان کو (عیسائیوں) رسوا نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ انہیں فوجی خدمات سرانجام دینے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ ان پر صرف عدل و انصاف کی حکمرانی ہو گی۔

۴۔ ان کا مال و دولت ان کا مذہب اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے گی۔

معاہدے کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر وہ سودی لین دین کریں گے تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔[۲۹]

یہ بات ذہن نشین رہے کہ انسانوں کو پر امن بقائے باہمی کا پہلا درس ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔ اسلام میں لڑائی کی اس وقت اجازت ہے:

اولاً: جب مسلمان جارحیت کا شکار ہوں۔

Marfat.com

ثانیاً: لڑائی کا مقصد جارحیت اور فتنہ وفساد کو روکنا ہو۔

ثالثاً: مسلمان امن پسند قوتوں کے ساتھ امن اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ یہ معاہدے انقلاب اور اخوت کے اخلاقی اصولوں پر ہوں۔ بصورت دیگر یہ معاہدے کامیاب نہیں ہوں گے۔ جیسے ہمارے پاس ۱۹۱۹ء کے معاہدہ ورسائی کی مثال موجود ہے۔ جسے ٹھونسا گیا لہٰذا کچھ عرصہ کے بعد ہی ہٹلر نے اسے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کسی معاہدے کو منسوخ کر سکتی ہے یا نہیں؟ درج ذیل حالات میں مسلم ریاست کے پاس انفساخ معاہدہ کا جواز موجود ہے اور وہ طاقت کا استعمال کر سکتی ہے:[۳۰]

۱۔ جب غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ آزادانہ طور پر طے کیے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کریں یا ان کی وفاداری کو قبول کرنے کے بعد ان کی مقتدر سیادت کے ساتھ بغاوت کریں۔

۲۔ جب معاہداتی ذمہ داریوں کے باوجود معاہداتی فریق تواتر کے ساتھ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو۔ ایسی صورت میں معاہدے کی حقیقی خلاف ورزی سے پہلے تنسیخ کا اعلان ضرور کیا جانا چاہیے۔

۳۔ جب ایسے لوگ جنہوں نے تکرار کے ساتھ مسلم ریاست کے ساتھ معاہداتی تعلقات قائم کیے ہوں اس کو دھوکہ دیں اور وہ اپنے تمام روابط میں تمام اخلاقی اور سیاسی اقدار کو نظرانداز کریں ان کے خلاف سنگدلانہ جنگ کی اجازت ہے حتیٰ کہ وہ توبہ کر لیں اور حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں۔

۴۔ جب ریاست کے غیر مسلم اندرونی دشمن وفاداری اور دوستی کا دم بھریں لیکن فی الواقعہ شہری اتھارٹی کا انتشار اور پائمالی ان کا نصب العین ہو۔ جب افراد خفیہ طور پر دراندازی کریں اور شہری نظم ونسق میں انتشار پیدا کریں اور جرائم میں ملوث ہوں۔ اس دفعہ کا تعلق دشمن کے جاسوسوں اور سبوتاژ کرنے والوں سے ہے۔

اگر دشمن مسلمانوں یا ذمیوں کو پکڑ لیں، ان پر تشدد کریں یا خوف زدہ کریں اور قیدیوں میں خود کو آزاد کرنے کی ہمت یا وسائل نہ ہوں تو پھر مسلم ریاست پر یہ لازم ہے کہ ان کی آزادی

Marfat.com

یقینی بنانے کے لیے طاقت والے یا پرامن اقدامات کرے۔

آخری شرط کی مزید صراحت اس طرح ہے اگر مسلمانوں نے قصداً کسی ایسی غیر مسلم ریاست میں اقامت اختیار کر رکھی ہو جس نے مسلم ریاست کے ساتھ باہمی عدم مداخلت کا معاہدہ کر رکھا ہو تو ایسی صورت میں مسلم ریاست پر ان مسلمانوں کی ذمہ داری عائد نہیں ہو گی۔[۳۱]

قرآن حکیم میں ارشاد الٰہی ملاظہ ہو:[۳۲]

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِیۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰٓـئِكَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ ؕ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يُهَاجِرُوۡا مَا لَـكُمۡ مِّنۡ وَّلَايَتِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا‌ ۚ وَاِنِ اسۡتَـنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝

''جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے، اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالسلام میں) آئیں گے تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے۔ لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔''

ایسے مسلمان کسی بھی غیر مسلم ریاست میں رہ سکتے ہیں البتہ اگر ان پر ایذا رسانی ہو رہی ہو یا ان کو مذہبی آزادی سے محروم رکھا جا رہا ہو تو مسلم ریاست پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان کی ہر ممکن مدد کرے۔

اسلام میں جنگ کا تصور نہایت واضح ہے، اسے جہاد کا نام دیا جاتا ہے۔ تاہم تشدد یا تشدد کی دھمکی کی سختی سے ممانعت ہے۔ ضمیر کی آزادی کے متعلق قرآن حکیم میں کئی ایک آیات موجود ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com

۱۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ [۳۳]

''دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا۔ اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔''

۲۔ قَدْ جَآءَکُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْھَا وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ۝ وَکَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَہٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ [۳۴]

''دیکھو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آ گئی ہیں۔ اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں۔ اس طرح ہم اپنی انابت کو بار بار مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور اس لیے کرتے ہیں اور اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ کہیں تم کسی سے پڑھ آئے ہو اور جو لوگ علم رکھتے ہیں ان پر ہم حقیقت کو روشن کر دیں۔''

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَھَا۔ [۳۵]

''دیکھو! تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے ہی لیے بھلائی تھی، اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کے لیے برائی ثابت ہوئی۔''

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ [۳۶]

''صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔''

اسلام بزور شمشیر پھیلانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کے اخلاقی مشن کے ساتھ ذاتی طور پر منسلک ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: [۳۷]

Marfat.com

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اسلام کا مدعا معاشرے میں توازن اور انصاف پیدا کرنا تھا اور یہی جہاد فی سبیل اللہ کے معانی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:[۳۸]

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔

''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔''

ان آیات کی روشنی میں اسلامی جنگ کے تصور کو Bellum Justun کہا جا سکتا ہے۔ جس کی زیادہ واضح شرائط اور حالات میں کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

دفاعی جنگ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ ''جو کوئی اپنا دفاع کرتے ہوئے مارا جاتا ہے وہ شہید ہے۔'' جو کوئی اپنی جائیداد کے دفاع میں مارا جاتا ہے شہید ہے۔ جو کوئی اپنے خاندان کے دفاع میں مارا جاتا ہے وہ شہید ہے۔ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں مارا جاتا ہے وہ شہید ہے۔''

دفاعی جنگ کی درج ذیل دو اقسام ہیں:

۱۔ جب دشمن فی الواقعہ مسلم علاقے پر حملہ آور ہوا ہو۔

۲۔ یا فی الواقعہ حملہ آور نہ ہوا ہو لیکن اپنی حکمت عملی نا قابل برداشت انداز میں چلا رہا ہو۔

پہلی قسم خود اپنی وضاحت کرتی ہے۔ قرآن حکیم نے ایک واضح فیصلہ دیا ہے:[۳۹]

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ

Marfat.com

اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

دوسری قسم کا جواز قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے: [۴۰]

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔''

انسانی بنیادیں بھی جہاد فی سبیل اللہ کا باعث ہوسکتی ہیں۔ اس کی سند قرآن حکیم اور احادیث دونوں سے ثابت ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: [۴۱]

''تم میں جو کوئی منکر کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا نہیں کرسکتا تو زبان سے کرے۔ اگر ایسا بھی نہیں کرسکتا تو دل سے کرے۔ اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔''

اس ضمن میں قرآن حکیم کا ارشاد بھی واضح ہے: [۴۲]

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

''ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے، اس لیے کہ قتل اگرچہ برا ہے، مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔''

لفظ فتنہ، انتشار لاقانونیت اور طوائف الملوکی کی نشاندہی کرتا ہے جن کی وجہ سے معاشرے میں کمزور عناصر کی ایذا رسانی ہوتی ہو۔ قرآن حکیم نے اس لفظ کو وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا ہے یعنی کمزور کا استحصال، ان کے قانون حقوق کا تصرف بے جا، شہریوں کی املاک پر غیر قانونی قبضہ اور بالآخر ریاست سے ان کا اخراج۔

Marfat.com

ضمیر کی آزادی ایک نہایت ہی متبرک حق ہے۔ اسلام نہ صرف اسے تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کے حصول کے لیے مسلح مداخلت کی بھی اجازت دیتا ہے۔ یہ حق محض مسلمانوں کے لیے ہی مخصوص نہیں ہے کیونکہ مسلم ریاست کو غیر مسلم کی مذہبی آزادی کی حفاظت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔[۴۳]

الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

"یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے۔" اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔"

مسلم ریاست کو ایسی غیر مسلم ریاستوں کے اندرونی معاملات میں فوجی مداخلت کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے جو تبلیغ اسلام کی مخالفت نہیں کرتیں اور مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہاں ہیں اور پر امن بقائے باہمی کی خواہش مند ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:[۴۴]

لَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤی اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

"اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں

Marfat.com

تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو
جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں
سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ان سے جو
لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔"

ان ارشادات ربانی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے غزوہ تبوک (رجب ۹ ھ) کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبائل سے معاہدے کیے۔ اس طرح سے اس علاقے میں ریاستیں معرض وجود میں آگئیں اور ان معاہدات کے ذریعے اسلامی ریاست کی شمالی سرحد محفوظ ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام بین الاقوامی سطح پر مکتوبات نبویؐ کے ذریعے متعارف ہونا شروع ہو گیا تھا۔ آپؐ نے دس برس کے لیے مدینہ کو فوری طور پر جنگ بندی کے ذریعے اقتصادی محاصرہ سے آزاد کرالیا۔ اب مدینہ کے تجارتی کارواں بلا خوف وخطر مکہ سے عبور کر سکتے تھے۔ اس معاہدے کے ذریعے جو سب سے نمایاں چیز سامنے آئی وہ اہل مکہ کا مسلمانوں کو تسلیم کر لینا تھا۔ نیز عرب میں جو قبائل قریش سے خائف تھے وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

معاہدہ حدیبیہ نے ثابت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت بڑے ڈپلومیٹ ہیں۔ اس وقت مسلمان مکہ پر بزور شمشیر قبضہ کر سکتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کو صلح کے لیے مجبور کیا اور اپنے لیے وقت حاصل کیا۔ اس وقت مدینہ کے شمال میں خیبر کے یہودی اور جنوب میں قریش تھے۔ خدشہ تھا کہ اگر مسلمان ایک فریق کی طرف بڑھیں تو دوسرا فریق مدینہ پر حملہ کر دے۔ ان حالات میں ایک زیرک سیاستدان اور عسکری فراست رکھنے والے کمانڈر کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ ایک فریق سے صلح کی جائے اور اس کو تنہا کر دیا جائے۔ اس طرح اس کو آسانی سے نپٹا جا سکتا ہے۔ مکہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمانوں سے لڑائی نہیں چاہتے تھے۔ مسلمانوں میں خود اہل مکہ کے رشتہ دار موجود تھے۔ قبائلی رشتوں، خونی رشتوں اور ذاتی تعلقات کے اثرات موجود تھے۔ ان حقائق کی موجودگی میں ڈپلومیسی کا تقاضا یہی تھا کہ مصالحت کی جائے۔ معاہدہ طے کرنے کے کچھ عرصہ

Marfat.com

بعد مکہ میں قحط پڑا۔ عرب کا ایک قبیلہ یمامہ اہل مکہ کو خوراک سپلائی کرتا تھا۔ اس نے اسلام قبول کر لینے کے بعد مکہ کو خوراک کی ترسیل بند کر دی۔[۴۵] اہل مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بندش کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف رئیس یمامہ (ثمامہ بن اثال) کی اس بندش کے ختم کرنے کا حکم دیا۔[۴۶] بلکہ اہل مکہ کو پانچ سو طلائی سکے بھی بھجوائے۔[۴۷] تاکہ شہر کے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوروں کی خاصی تعداد بھی ان کو بھجوائی۔ اس طرح اہل مکہ کے دلوں میں مسلمانوں کے متعلق نرم گوشہ پیدا ہوا۔

قریش نے اپنی حماقتوں کے باعث معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزیاں کیں۔ اس طرح اس کی تنسیخ عمل میں آئی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ مکہ پر اچانک حملہ کیا جائے تاکہ اہل مکہ کشت وخون کے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیں۔ فتح مکہ کے دن عام معافی کا اعلان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ بصیرت کا ثبوت تھا۔ بغیر خون ریزی کے فتح کے جھنڈے گاڑنا اسی وجہ سے ممکن ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کے گھر کو دارالامن قرار دیا۔ تاریخ ایسی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ورنہ فاتحین مفتوحین کے ساتھ نہایت ہی درد ناک اور ذلت آمیز سلوک کیا کرتے تھے، جیسے یہودیوں کی تورات میں زیرنگیں آجانے والی قوتوں کے بارے میں تحریر ہے:

"جب خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کر دے تو انہیں ماریو اور محروم کیجئیو۔
نہ ان سے کوئی عہد کیجیو اور نہ ان پر رحم کیجیو۔"[۴۸]

Marfat.com

حوالہ جات

۱

۲

۳

۴

۵

۶ قرآن حکیم ۷: ۱۵۸

۷ قرآن حکیم ۲۱: ۱۰۷

۸ قرآن حکیم ۳۴: ۲۸

۹ قرآن حکیم ۱۴: ۵۲

۱۰ قرآن حکیم ۶۷: ۱، ۵

۱۱ قرآن حکیم ۱۷: ۸۰

۱۲ ابن ہشام حصہ اول، ص ص ۵۱۷۔۵۲۴

۱۳ حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۸۵، محمد حسین ہیکل

۱۴ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نظام حکمرانی جلد اول، ص ۷۶، ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۱۵ ایضاً، ص ۹۸

۱۶ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاست خارجہ، ص ۱۸۸، پروفیسر محمد صدیق قریشی

۱۷ تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۸۹، ابن کثیر

Marfat.com

۱۸۔ مشکوٰۃ، باب الصلح

۱۹۔ سنن دارمی شریف

۲۰۔ فتوح البلدان، ص ۱۳۱، مقالات شبلی، ص ۲۲۱، ۲۳۱، شبلی نعمانی
Muhammad at Madina ص ۲۲۲، ۲۲۵ منٹگمری واٹ
Diplomacy in Islam ص ۱۲، ۲۰ ڈاکٹر افضل اقبال

۲۱۔ بخاری کتاب الشروط

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ قرآن حکیم ۶۰: ۱۰

۲۵۔ فتح الباری، ج ۸ ص ۱۲ بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۱، ص ۳۵۲ شبلی نعمانی

۲۶۔ ایضاً ص ۶۱، ۶۲، بحوالہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۱، ص ۳۵۴ شبلی نعمانی

۲۷۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۱، ص ۲۸۸ شبلی نعمانی

۲۸۔ فتوح البلدان، حصہ اول ص ۱۰۸، ۱۰۹ بلاذری؛ زاد المعاد جلد سوم ص ۱۲۶، ۱۲۷ کتاب الخراج ص ۷۲، ۷۳ امام ابو یوسف

۲۹۔ ابوداؤد باب اخذ الجزیہ

۳۰۔ الجہاد فی الاسلام، ص ۵۱، ۵۸ مولانا سید ابواعلیٰ مودودی

۳۱۔ ایضا

۳۲۔ قرآن حکیم ۸: ۷۲

۳۳۔ قرآن حکیم ۲: ۲۵۶

۳۴۔ قرآن حکیم ۶: ۱۰۴، ۱۰۵

۳۵۔ قرآن حکیم ۱۷: ۷

۳۶۔ قرآن حکیم ۱۸: ۲۹

۳۷۔ قرآن حکیم ۳: ۱۱۰

۳۸۔ قرآن حکیم ۲۲: ۷۸

Marfat.com

۳۹؎ قرآن حکیم ۲: ۱۹۰
۴۰؎ قرآن حکیم ۲۲: ۳۹
۴۱؎ مسلم ج ۱، ص ۵۰
۴۲؎ قرآن حکیم ۲: ۱۹۱
۴۳؎ قرآن حکیم ۲۲: ۴۰
۴۴؎ قرآن حکیم ۶۰: ۸، ۹
۴۵؎ بخاری، کتاب المغازی
۴۶؎ بخاری باب وفد بنی حنیفہ
۴۷؎ شرح سید کبیر للرخی، ص ۹۶
۴۸؎ تورات باب استثناء

Marfat.com

Marfat.com

کتابیات

۱۔القرآن الحکیم			
۲۔تفہیم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور	۱۹۷۸
۳۔تفسیر عثمانی	مولانا محمود الحسن، مولانا شبیر احمد عثمانی	سہارن پور	
۴۔تفسیر فی ظلال القرآن	سید قطب شہید	لاہور	
۵۔تفسیر ابن کثیر	عماد الدین اسماعیل ابن کثیر	ابن کثیر اکادمی لاہور	
۶۔بخاری حصہ اول، دوم، سوم	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ترجمہ: علامہ معید الزمان	مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور	
۷۔مسلم جلد اول تا ششم	ابوالحسین مسلم	مکتبہ مسعودیہ کراچی	
۸۔موطا	امام مالک	کارخانہ تجارت کتب کراچی	۱۹۵۴ء
۹۔ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ	کارخانہ تجارت کتب کراچی	۱۹۵۴ء
۱۰۔سنن دارمی	ابومحمد عبیداللہ دارمی	محمد سعید اینڈ سنز کراچی	
۱۱۔سیرت النبیؐ حصہ اول و دوم	ابن ہشام ترجمہ: مولانا عبدالجلیل و مولانا غلام رسول مہر	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور	۱۹۶۲

Marfat.com

۱۲۔طبقات ابن سعد حصہ اول ودوم	محمد بن سعد ترجمہ: علامہ عبداللہ العماری	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۲ء	
۱۳۔تاریخ طبری حصہ اول ودوم	ابی جعفر محمد بن جریر الطبری ترجمہ: سید محمد ابراہیم	نفیس اکیڈمی کراچی	
۱۴۔زادالمعاد جلد اول، دوم	علامہ حافظ ابن قیم ترجمہ: رئیس احمد جعفری	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۲ء	
۱۵۔فتوح البلدان	احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر بالبلاذری ترجمہ: ابوالخیر مودودی	نفیس اکیڈمی کراچی	۱۹۶۲
۱۶۔سیرۃ الرسولؐ	شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب ترجمہ: مولانا حافظ محمد اسحٰق	جامعہ علوم الاثریہ جہلم	۱۹۹۰ء
۱۷۔سیرۃ النبیؐ	مولانا شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی	الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور	۱۹۹۱ء
۱۸۔رحمۃ للعالمینؐ	قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور	
۱۹۔خطبات مدراس	سید سلیمان ندوی	دارالندوۃ اعظم گڑھ	۱۹۳۶ء
۲۰۔رسولِ رحمتؐ	مولانا ابوالکلام آزاد مرتبہ: مولانا غلام رسول مہر	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور	۱۹۷۰ء

Marfat.com

۲۱۔ قافلہ انسانیت کا سالار اعظمؐ	مولانا سید ابوالحسن ندوی	لاہور	
۲۲۔ حیاۃ محمدؐ	ڈاکٹر محمد حسین ہیکل	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور	۱۹۵۵ء
۲۳۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	ادارہ اسلامیات کراچی	
۲۴۔ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی جلد اول	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن	
۲۵۔ خطبات بہاول پور	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد	۱۹۸۸ء
۲۶۔ محمدؐ...... پیغمبر اسلام	کانسٹینٹن ویرزیل جورجیو مترجم: مشتاق حسین میر	گرن لائٹ رلس گجرات	۱۹۸۰ء
۲۷۔ آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار	محمود خطاب مشیت ترجمہ: رئیس احمد جعفری	شیخ غطلام علی اینڈ سنز لاہور	
۲۸۔ پیغمبر اعظم و آخر	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر	فیروز سنز لاہور	
۲۹۔ حسن انقلاب	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر	فیروز سنز لاہور	
۳۰۔ الجہاد فی الاسلام	سید ابوالاعلیٰ مودودی	ادارہ ترجمان القرآن لاہور	۱۹۸۳ء
۳۱۔ رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ	پروفیسر محمد صدیق قریشی	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور	۱۹۸۸ء
۳۲۔ رسول اکرمؐ کا نظام جاسوسی	پروفیسر محمد صدیق قریشی	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور	۱۹۹۰ء
۳۳۔ رسول اکرمؐ میدان جنگ میں	سید واجد رضوی	پنجاب بک ڈپو لاہور	۱۹۵۸ء

Marfat.com

۳۴۔سیرت عائشہؓ	سید سلیمان ندوی	مکتبہ مدنیہ لاہور	
۳۵۔مقالات شبلی	مولانا شبلی نعمانی	اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء	
۳۶۔اسلام اور عدل و احسان	رئیس احمد جعفری	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور	۱۹۶۰ء
۳۷۔اسلام میں عدل اجتماعی	سید قطب شہید	لاہور	۱۹۶۹ء
۳۸۔چند معاشی مسائل اور اسلام	سید یعقوب شاہ	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور	۱۹۶۷ء
۳۹۔اسلام میں مرکزی حکومت کا تصور اور اس کی معاشی واقتصادی ذمہ داریاں	رشید احمد ندوی	۱۹۸۶ء لاہور	۱۹۸۶ء
۴۰۔امن عالم اور اسلام	سید قطب شہید	لاہور	۱۹۷۴ء

41- Ahmed Brig. Gulzar; The Battles of the Prophet of Allah; vols. i&ii, Rawalpindi, 1981, 1983.

42- Ahmed, brig. Gulzar; The Profhtet`s Concept of War, Lahore, 1986.

43- Hamidullah, Dr. Muhammad; Muslim Conduct of State, Lahore, 1961.

44- Hamidullah, Dr. Muhammad Muahammad Rasulullah, Karachi, 1979.

45- Iqbal, Dr, Afzal; D9plomacy in Islam Lahore, 1962.

46- Nussbeum, Arthur; A concise History of the law of nations New york, 1947.

47- Watt, Montgomery; Muhammad at Medina, London, 1962.

Marfat.com